صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ

اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے
پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو
بخاری ص ۸۸
ج ۱

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ نماز

اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب جس میں طریقہ نماز و مسائل نماز کو کتبِ فقہ مثلاً شامی، عالمگیری و ہدایہ کے بجائے صرف آیاتِ قرآنی، احادیث نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے اور تمام مشہور اختلافی مسائل قرأت خلف الامام، رفع یدین، مسئلہ آمین، دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھانا، ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، رکعات تراویح اور وتر وغیرہ پر خاص طور سے مکمل و مفصل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کا ہر مسئلہ قرآن و حدیث کے بیش قیمت دلائل سے مزین اور ہر مسلک کے مقابلے میں منہج نبویؐ اور مزاجِ صحابہؓ کے قریب تر ہے

از قلم، مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

ناشر
اِدارہ اِسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (بخاری)

اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ نماز

اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب، جس میں طریقہ نماز و مسائلِ نماز کو کتب فقہ مثلاً شامی، عالمگیری و ہدایہ کے بجائے صرف آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ رض کے حوالہ سے لکھا گیا ہے، اور تمام مشہور اختلافی مسائل قرأت خلف الامام، رفعِ یدین، مسئلہ آمین دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا، ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، رکعاتِ تراویح اور وِتر وغیرہ پر خاص طور سے مکمل و مفصل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فقہِ حنفی کا ہر مسئلہ قرآن و حدیث کے بیش قیمت دلائل سے مزین اور ہر مسلک کے مقابلے میں منہجِ نبوی اور مزاجِ صحابہ رض سے قریب تر ہے۔

از قلم :-

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری

اُستاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

ناشر ادارۂ اسلامیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : ــــــــــ طریقۂ نماز

تالیف : ــــــــــ مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری

طابع : ــــــــــ خالد مقبول

مطبع : ــــــــــ لطل سٹار پرنٹرز

ملنے کے پتے

❖ ــــ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ ☎ 7224228

❖ ــــ مکتبہ علوم اسلامیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور ☎ 7221395

❖ ــــ مکتبۂ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ☎ 7211788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 'انسانی طاقت اور بساط' کے مطابق کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
عرض ناشر	11
سبب تالیف	12
نماز کی اہمیت وفضیلت	
نماز کے فضائل	16
نماز کی فرضیت	
فرضیتِ نماز، قرآن سے	18
پانچ نماز، حدیث سے	18
پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن میں	20
پانچ نمازوں کا تذکرہ حدیث میں	21
اچھی طرح نماز پڑھنے کا حکم قرآن سے	22
اچھی طرح نماز پڑھنے کا حکم حدیث سے	23
وضو کے احکام	
نماز کے لیے وضو	25
اچھی طرح وضو کرنا	26
وضو کے فرائض	27
وضو کے سنن ومستحبات	28
گردن کا مسح	29
خلاصہ احادیث	31
وضو کے بعد کی دعاء	31
موزوں پر مسح	32
تیمّم کا بیان	32
وہ چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے	35
ان چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا	38
اذان واقامت	
اذان کا ثبوت، قرآن وحدیث سے	41
اذان واقامت کے کلمات	42
فجر کی اذان	44
اذان واقامت کا طریقہ	44
اذان واقامت کا جواب	44
اذان کی دعاء	45
اوقات نماز	
فجر کا وقت	45
ظہر کا وقت	46

مضمون	صفحہ
عصر کا وقت	49
مغرب کا وقت	50
عشاء کا وقت	50
وتر کا وقت	51
مستحب اوقات	
فجر کا مستحب وقت	51
ظہر کا مستحب وقت	52
عصر کا مستحب وقت	53
مغرب کا مستحب وقت	53
عشاء کا مستحب وقت	54
وتر کا مستحب وقت	54
اول وقت سے کیا مراد ہے؟	55
اوقات ممنوعہ	
طلوع، غروب، زوال	58
نماز فجر اور نماز عصر کے بعد	59
صبح صادق کے بعد	61
غروب آفتاب کے بعد	61
خطبہ کے وقت	62
تعداد رکعات	
فرض نمازوں کی تعداد رکعات	63
سنتِ مؤکدہ	63
سنتِ غیر مؤکدہ	63
جماعت کے احکام	
جماعت کے فضائل	64

مضمون	صفحہ
جماعت کی کم از کم تعداد	65
امامت کا حق	65
صفوں کی درستگی	66
صفوں کی ترتیب	
امام کی ذمہ داری	68
مقتدی کے فرائض	68
قرأت مسنونہ	70
جماعت ہو رہی تو آنے والا کیا کرے؟	72
فجر کی سنت کا حکم	73
صحابہ کرام کا طرز عمل	74
سترہ کا بیان	75
نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ	77
نماز کے مفسدات و مکروہات	78
مسجد میں عورتوں کا آنا	80
عورتوں کی تنہا جماعت	83
سجدہ سہو کا بیان	85
مسافر کی نماز	87
مریض کی نماز	88
نماز کا طریقہ	
قبلہ رو ہونا	89
نیت	89
تکبیر تحریمہ	90
تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھانا	90

صفحہ	مضمون
91	ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا
93	ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھنا
94	تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا
94	سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورۂ ملانا
	سورۂ فاتحہ فرض ہے یا واجب؟
98	اور یہ حدیث نبوی ﷺ
99	"لا" نفی وجود کے معنی میں
99	"لا" نفی کمال کے معنی میں
101	حدیث عبادہؓ میں نفی کمال مراد ہے
103	سورۂ فاتحہ فرض نہ ہونے کے مزید دلائل
106	علامہ شعرانی شافعی کا اعتراف حق
	قرأت خلف الامام
107	تنقیح مسئلہ
	مقتدی قرأت نہ کرے
	قرآن سے ثبوت
	اذا قرئ القران فاستمعوا له الاية
113	آیت کا تعلق اہل ایمان سے ہے
114	آیت کا تعلق کفار سے نہیں
116	استدلال کی کمزوری
119	قرأت خلف الامام پر امام رازیؒ کے اعتراضات
122	امام ابن تیمیہؒ مقتدی کی قرأت کے مخالف
	احادیث سے ثبوت
126	جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت
127	جہری و سری سب نمازوں میں مقتدی کی قرأت ممنوع
131	آثار صحابہؓ
136	آثار تابعینؒ
	قرأت خلف الامام۔ کچھ اور باتیں
138	محمد بن اسحاق کی روایت اور ابن تیمیہؒ
141	سکتات امام کی بحث
	مسئلہ آمین
146	آمین ایک دعاء ہے
146	آہستہ آمین کہنے کی احادیث
149	آمین بالجہر تعلیماً تھا، نہ کہ مستقل عمل
150	آمین بالجہر کی روایت کا حال
	رفع یدین
156	صرف تکبیر تحریمہ میں رفع یدین
156	حدیث عبداللہ بن مسعودؓ
158	حدیث براء بن عازبؓ
159	حدیث عبداللہ بن عمرؓ
161	حدیث عبداللہ بن عباسؓ
161	مرسل عباد بن الزبیرؓ
161	حدیث حضرت ابو ہریرہؓ
162	آثار صحابہؓ

مضمون	صفحہ
آثار تابعینؒ وائمہ ہدیٰؒ	167
رفع یدین منسوخ ہے	
احادیث صحیحہ میں رفع یدین کے مقامات	171
محدثین کا ترجمۃ الباب	175
نماز میں سکون کا حکم	176
رفع یدین کی راویتوں کا اضطراب اور ضعف	180
مغالطے اور مضحکہ خیز حرکتیں	
عبداللہ بن مسعودؓ پر نسیان کا الزام	183
رفع یدین کی روایتیں پچاس صحابہؓ سے؟	185
تا وفات رسول ﷺ رفع یدین کی موضوع روایات	186
چار سو روایتوں کا افسانہ	187
امام محمدؒ کا مسلک	188
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حوالہ	189
درمختار کا حوالہ	189
رکوع وقومہ، سجدہ وجلسہ	
رکوع	191
قومہ	191
سجدہ	192
جلسہ	194

مضمون	صفحہ
جلسۂ استراحت نہیں	195
ایک رکعت مکمل	198
قعدۂ اولیٰ وقعدۂ اخیرہ	
قعدہ اولیٰ	199
تشہد	200
تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ	200
قعدۂ اولیٰ میں تشہد سے زائد نہیں	201
قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ	201
اور سلام	202
سلام پھیرنے کے بعد	
ذکر واذکار	204
دعاء مانگنا	205
دعاء میں ہاتھ اٹھانا	206
نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کی احادیث	207
امام کا منہ پھیر کر بیٹھنا	208
سنتوں کے لیے جگہ	209
عورتوں اور مرد کی نماز کا فرق	
قضاء نمازوں کی ادائیگی	214
نماز وتر	217
وتر کی تین رکعات	217
احادیث نبویہ ﷺ	217
آثار صحابہؓ وتابعینؒ	220

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ایک رکعت وتر نہیں	222	عدد منقول ہے یا نہیں؟	263
وتر کا طریقہ	224	رکعات تراویح اور صحابہ کرامؓ	265
وتر کا قنوت	228	بیس رکعتوں کا ثبوت خلفائے	
وتر کے بعد نفل	229	راشدینؓ سے	271
نماز جمعہ		حضرت عمرؓ کا حکم، حدیث مرفوع	272
جمعہ کے احکام	230	دیگر صحابہؓ و تابعینؒ	273
جمعہ کی دو اذانیں	231	ائمہ اربعہؒ	275
جمعہ کا وقت	233	دیگر ائمہ کبارؒ و علمائے محققینؒ	276
جماعت کی کم از کم مقدار	233	ساڑھے بارہ سو سال تک آٹھ پر	
دیہات میں جمعہ نہیں	234	عمل کا ایک بھی ثبوت نہیں	279
جمعہ کی سنتیں	238	سند دیکھنے کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟	280
خطبۂ جمعہ	238	تہجد کی رکعتیں	281
خطبہ کی اذان منبر کے سامنے	239	صحیح ابن خزیمہ اور نماز تہجد	284
خطبہ عربی میں ہونا چاہیے	240	تہجد اور تراویح الگ الگ ہیں	286
خطبہ کے وقت نہ نماز نہ بات چیت	244	ایک استدلال اور اس کا جواب	294
نماز عیدین		**رکعات تراویح اور ائمہ احناف**	
عیدین سے متعلق ضروری احکام	250	امام اعظم ابو حنیفہؒ	298
تراویح		امام شمس الائمہ سرخسیؒ	299
تراویح کسے کہتے ہیں؟	252	ملک العلماء علامہ کاسانیؒ	299
تراویح کا اجر و ثواب	252	علامہ برہان الدین مرغینانیؒ	300
حضور علیہ السلام کی تراویح	253	علامہ بدر الدین عینیؒ	300
تعداد رکعت	255	علامہ ابن ہمامؒ	301
آٹھ رکعتیں	255	علامہ ابن نجیم مصری	301
حضور ﷺ سے تراویح کا کوئی متعین		امام ابو البرکات نسفیؒ	301

مضمون	صفحہ
امام اورجندی المعروف بہ قاضی خانؒ	302
علامہ شرنبلالیؒ	303
علامہ حصکفی دمشقی	304
علامہ ابن عابدین شامیؒ	304
اکابر علمائے ہند	304
علامہ ملا علی قاریؒ	305
علامہ حلبیؒ	305
شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ	306
مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ	307
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ	310
مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	311
علامہ انور شاہ کشمیریؒ	311
مولانا احمد علی سہارن پوریؒ	312
مولانا محمد احسن صاحب نانوتویؒ	313
مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ	313
علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ	313
مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ	315
ایک رکیک تاویل	316
نماز جنازہ	
نماز جنازہ کا طریقہ	318
دعاء بالغ مرد وعورت کے لیے	318
نابالغ کے لیے	318
نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ؟	319
غائبانہ نماز جنازہ؟	320
مسجد میں نماز جنازہ؟	322
نوافل	
تہجد	323
چاشت	323
اوابین	323
صلوٰۃ التسبیح	323
تحیۃ المسجد	324
تحیۃ الوضو	324
نماز حاجت	324
نماز استخارہ	325
نماز توبہ	326
نماز سفر	326
نماز احرام	326
نماز قتل	326
نماز کسوف وخسوف	326
آندھی مصیبت یا رنج وغم کے وقت	327
استسقاء	327
نماز خوف	328
نماز کے متفرق مسائل	
بیٹھ کر نماز پڑھنا	330
جس نے رکوع پالیا، رکعت پالی	331
جمع بین الصلوٰتین	332
سنت فجر کے بعد لیٹنا	334
مقدار تشہد کے بعد حدث	336
قومہ وجلسہ کی دعائیں صرف نوافل کیلئے	337
نماز میں آیتوں کا جواب؟	339

عرضِ ناشر

نماز عبادت ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سب سے پہلے باز پرس ہوگی۔اور نماز کو حضور سید المرسلین، اشرف الانبیاء خاتم المعصومین ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار فرمایا۔

اس اہم عبادت کو اگر حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کیا جائے، تو یہ نماز قبر اور حشر میں مومن کی سفارش کرے گی، اور اگر یہ نماز درست طور پر ادا نہ کی جائے، تو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماری جائے گی۔

اس لیے رسولِ رحمت، فخر عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''تم نماز اسی طرح پڑھو، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

اس طریقۂ نماز کو آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے ادا کر کے آنے والے لوگوں کے لیے ایک کامل مثال چھوڑی۔ جس کو ہر دور کے علماء و محدثین نے کتب میں ذکر فرمایا۔ مگر گذشتہ سو ڈیڑھ سو برس پہلے برصغیر میں پیدا ہونے والے طبقہ نے مسائلِ نماز اور طریقۂ نماز کے سلسلہ میں عوام کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا۔ اور ائمہ اربعہ خصوصاً فقہاء احناف کو نشانہ مشق طعن بنالیا۔

کتاب ''رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز'' میں محترم مولانا جمیل احمد نذیری صاحب نے ان شکوک و شبہات کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جناب مولانا جمیل احمد صاحب برصغیر میں ایک سند مانے جاتے ہیں۔

اس کو ہم جدید انداز کے ساتھ اب پیش کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو قبول فرما کر ہم سب کی ہدایت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

والسلام

خالد مقبول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبب تالیف

نماز اسلام کا دوسرا بنیادی رکن ہے۔ نماز اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے افضل عبادت ہے، میدان حشر میں سب سے پہلے نماز کا ہی سوال ہوگا۔ نماز سفر حضر جوانی، بڑھاپا، صحت و بیماری، امن و خوف کسی حالت میں معاف نہیں، نماز کفر و اسلام کے درمیان حد فاصل اور مومن و کافر کے مابین وجہ امتیاز ہے۔

یہ اہم عبادت ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اسے صحیح طور پر ادا کریں، اس کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے طریقے کا خیال کرتے ہوئے۔ اگر ہم نے نماز پڑھی لیکن نہ تو اس کے حقوق کی رعایت کی نہ اسے صحیح طریقے سے پڑھا، تو ایسی نماز بجائے اجر و ثواب اور خوشنودی الٰہی کا سبب بننے کے، ڈر ہے کہ کہیں گناہ کا ذریعہ اور وبال جان نہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ. اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (بخاری ج ا ص ۸۸)

حضور ﷺ کا طریقہ نماز کیا تھا؟ یہ کتاب اسی سوال کا تفصیلی جواب ہے۔

ہمیں نماز اپنے من مانے ڈھنگ سے نہیں پڑھنی، بلکہ اسی طرح پڑھنی ہے جیسے حضورؐ نے پڑھ کر بتائی۔ اور حضورؐ کی نماز وہی ہے جو قرآن سے ثابت ہے کیونکہ حضورؐ کی پوری زندگی قرآن کا عملی نمونہ تھی۔ حضورؐ کی نماز وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہے جس کی راوی اول صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک و مقدس جماعت ہے۔ حضورؐ کی نماز وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے عیاں ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگی کو اس نمونہ پر ڈھالا تھا جسے اسوہ رسول کہا جاتا ہے۔

نماز اور طریقہ نماز سے متعلق بہت سی کتابیں موجود ہیں، اس اعتبار سے کسی نئی کتاب کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس لحاظ سے یہ کتاب ان تمام کتابوں میں جداگانہ نوعیت کی ہے کہ اس میں حضورؐ کا طریقہ نماز، کتب فقہ سے نہیں بیان کیا گیا۔ بلکہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس دعوے کو مبرہن کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی میں جو طریقہ نماز بیان کیا جاتا ہے وہ

قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے' لہٰذا فقہ کے نام سے چڑنے والوں کو ہم نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ؐ کے ایسے کھرے اور سنہرے دلائل پیش کیے ہیں جو ان کے ذہن کو اپیل اور ان کے دل کو مطمئن کر سکیں۔ اور ان نام نہاد مصنفین کی کوششوں کا سد باب ہو سکے جو اپنی کتابوں اور اشتہاروں کے ذریعہ مسلسل پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ ہمارا طریقہ نماز حدیث سے ثابت ہے' اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء کے پاس سوائے عبارات فقہیہ کے کچھ نہیں۔

اس کتاب میں میں نے نفس مسئلہ بیان کرنے کے لیے۔ اگر اس سے متعلق قرآن کی آیت موجود ہے۔ تو سب سے پہلے وہی پیش کی ہے' کیونکہ فقہ حنفی کے اصول میں ہے کہ استخراج و استنباط مسائل کے سلسلے میں قرآن' حدیث پر مقدم ہے' حدیث کا نمبر قرآن کے بعد ہے نہ کہ قرآن سے پہلے۔ لیکن اگر اس سے متعلق کوئی آیت موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اب حدیث صحیح کو ہی مستدل بنایا جائے گا۔ اور اگر کسی مسئلے میں احادیث متعارض ہوں تو دین کے ناقلین اول صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال کسی ایک کے لیے وجہ ترجیح بنیں گے۔

فقہ حنفی کے یہ وہ بلند پایہ اصول ہیں کہ کوئی متعصب سے متعصب شخص بھی ان سے انکار کی جرأت یا ان سے اچھے اصول پیش کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

نفس مسئلہ کے لیے فقہ حنفی کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ البتہ بعض موقعوں پر مالکی' شافعی' حنبلی مسالک کی کتابوں سے شواہد و نظائر ضرور پیش کیے گئے ہیں تاکہ مزید تاکید و تقویت کا سبب ہو۔ فقہائے احناف کا حوالہ انہیں جگہوں پر دیا گیا ہے جہاں' معاندین نے ان کی طرف غلط مسائل منسوب کیے ہیں' لہٰذا اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے ساتھ معاندین کی کاروائیوں سے قارئین کو آگاہ کیا گیا۔

متفق مسائل کے لیے آیات و احادیث کے ایک دو حوالوں پر اکتفاء کیا گیا' البتہ مختلف فیہ مسائل اور وہ بھی جو زیادہ اختلافی ہیں مثلاً قرأت خلف الامام' رفع یدین' آمین بالجہر یا بالسر' رکعات تراویح وغیرہ مسائل پر زیادہ سے زیادہ حوالے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے اصل محرک ہندوستان کے مختلف علاقوں کے ہمارے وہ احباب ہیں جو ایک مخصوص فرقہ کی مسلسل اشتہار بازی اور پروپیگنڈائی ذہنیت سے پریشان ہوا ٹھے' ان کے پیہم اصرار اور خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے

اشتہار بازی اور غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت کو سمجھ سکیں اور آپس میں بغض و نفرت کی دیواریں قائم کرنے والوں سے ہوشیار رہیں۔

کتابوں کی فراہمی میں برادر مکرم مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب مفتاحی استاذ جامعہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن نے خصوصی تعاون دیا جس کا شکر گزار ہوں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

قارئین کرام کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی گرانقدر آراء سے نوازیں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔

(آمین)

جمیل احمد نذیری

خادم تدریس وافتاء جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

۲۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ بروز چہار شنبہ

۲۷/ مئی ۱۹۸۷ء

نماز کی اہمیت و فضیلت

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اللہ اور رسول پر ایمان لانا (۲) نماز پڑھنا (۳) زکوۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) خانہ کعبہ کا حج کرنا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵' مسلم ج ۱ ص ۳۲)

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عبادت نماز ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۶)

مومن و کافر کے درمیان نماز وجہ امتیاز ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الشِّرْكِ وَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مرد مومن اور کافر و مشرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا ہی فرق ہے۔ (مسلم: ج ۱ ص ۶۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جو نماز کو صحیح طریقے اور پابندی سے ادا کرے گا' نماز اس کے لیے قیامت کے دن نور برہان اور نجات کا ذریعہ بنے گی' اور جو نماز کی محافظت نہیں کرے گا' نماز اس کے لیے قیامت کے دن نہ نور ہوگی نہ برہان اور نہ نجات کا ذریعہ۔ اور اس کا حشر قارون' فرعون' ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(احمد' دارمی' بیہقی' مشکوۃ: ج ۱ ص ۵۹)

امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے عمال کے پاس اس مضمون کا فرمان بھیجا۔

اِنَّ اَهَمَّ اَمْرِكُمْ عِنْدِیَ الصَّلٰوةُ فَمَنْ حَفِظَهَا وَ حَافَظَ عَلَیْهَا حَفِظَ دِیْنَهٗ وَ مَنْ ضَیَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا

میرے نزدیک تمہاری سب سے اہم چیز نماز ہے جو اس کی حفاظت کرے گا وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا' اور جو اسے ضائع کرے گا وہ

اَضیَعُ. (موطا امام مالک ص ۳) — اس کے علاوہ چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔

ارشاد ربانی ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى. (سورہ اعلیٰ ۱۴ و ۱۵) — یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی، اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔

نماز کے فضائل:

قرآن و حدیث میں نماز کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں سورۂ عنکبوت میں ارشاد باری ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ. — بے شک نماز، بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ (آیت: ۴۵)

سورۂ مومنون میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. — اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے باپ آدمؑ کے وارث ہیں، جنت الفردوس کو میراث میں لیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (آیت: ۹ تا ۱۱)

مسلم شریف کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلصَّلٰوةُ الْخَمْسُ وَ الْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَ رَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرِ. (ج ا ص ۱۲۲) — پانچوں نمازیں اور جمعہ، جمعہ تک اور رمضان، رمضان تک ان گناہوں کے لیے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوں۔ بشرطیکہ کبائر سے پرہیز کیا جائے۔

دوسری روایت میں ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر کوئی نہر جاری ہو جس میں وہ ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اسکے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

قَالُوْ الاَ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰالِکَ مَثَلُ الصَّلٰوٰتُ الْخَمْسُ یَمْحُو اللّٰہُ بِھِنَّ الْخَطَایَا. (بخاری ج ا ص ۷۶)

نے عرض کیا کچھ میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے' اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اَحَدُ کُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ. (حوالہ مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ جاڑے کے زمانہ میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے خزاں سے گزر رہے' آپؐ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑلیں' پتے اور زیادہ گرنے لگے' آپؐ نے فرمایا' اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے فرمایا جب کوئی مسلمان نماز پڑھتا ہے اور محض رضائے الٰہی کے لیے پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے پتے گر رہے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۹' مشکوۃ ج ا ص ۵۸)

نماز' حضورؐ کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ. میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(آثار امام ابو یوسف ص ۵۷)

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کا معمول تھا کہ جب نماز کا وقت آتا تو فرماتے۔

قُوْمُوْا اِلٰی نَارِ کُمُ الَّتِیْ اَوْقَدْ تُمُوْھَا فَاطْفِئُوْھَا. (احیاء علوم الدین)

اٹھو! جو آگ (گناہوں کی) تم نے دہکائی ہے' نماز پڑھ کر اسے بجھاؤ۔

نماز کی فرضیت

فرضیت نماز، قرآن سے:

درج ذیل آیات قرآنی سے نماز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا.
پس نماز قائم کرو، بے شک نماز مومنین پر فرض کی گئی ہے وقت مقررہ کے ساتھ۔ (نساء:۱۰۳)

(۲) وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (روم:۳۱)
نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔

(۳) وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ.
نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ (بقرہ:۴۳)

(۴) وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طٰہٰ:۱۳۲)
اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہیے۔

(۵) اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ. (عنکبوت:۴۵)
تلاوت کیجئے جو آپ کی جانب وحی کی گئی ہے کتاب سے، اور نماز قائم کیجئے۔

ان کے علاوہ اور بھی آیات کریمہ ہیں جن سے نماز کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے، مگر اختصار کے پیش نظر انھیں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

فرضیت نماز، حدیث سے:

احادیث نبویہ سے بھی فرضیت نماز کا ثبوت بالکل ظاہر و باہر ہے، چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، پس جب وہ یہ کرنے لگیں گے تو ان کے مال و جان

عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. — مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے' سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا۔

(بخاری: ج ۱ص ۸' مسلم: ج ۱ص ۳۷)

(۲) حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل نبی کریم ﷺ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لَا تَتْرُکْ صَلٰوةً مَکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة. — کسی فرض نماز کو جان بوجھ کر مت چھوڑنا' جس نے کوئی فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی اللہ کا ذمہ اس سے بری ہوگیا۔ (مشکوٰۃ: ج ۱ص ۵۹)

(۳) حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔

مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ. — جس نے ہماری نماز پڑھی' ہمارے قبلہ کا استقبال کیا (یعنی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی) اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے' اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

(بخاری: ج ۱ص ۵۶)

(۴) حضرت مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْیُؤَذِّنْ لَکُمْ اَحَدُکُمْ وَ لْیَؤُمَّکُمْ اَکْبَرُکُمْ. — نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو' پس جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان دے' پھر تم میں کا بڑا تمہاری امامت کرے۔

(بخاری: ج ۱ص ۸۸)

(۵) بڑے تو بڑے بچوں تک کو نماز کا عادی بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ هُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَ اضْرِبُوْا هُمْ عَلَیْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَیْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ. (ابوداؤد: ج ۱ص ۸۶) — اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو' اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو (نماز نہ پڑھنے پر) انہیں مارو' اور ان کا بستر الگ الگ کر دو۔

پانچ نمازوں کا تذکرہ، قرآن میں:

قرآن کریم میں نماز پنجگانہ کا تذکرہ درج ذیل آیات میں آیا ہے۔

۱) وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ۔ (ہود:۱۱۴)

اور نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصے میں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔

مفسرین کے بیان کے مطابق ''دن کے دو کناروں'' میں نماز فجر، ظہر اور عصر کا وقت بیان کیا گیا ہے اور ''رات کے کچھ حصے'' میں مغرب و عشاء کے اوقات بیان کیے گئے ہیں۔

(دیکھئے تفسیر ابو سعود علی ہامش تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۵، روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۵۶، جلالین ج ۱ ص ۱۸۹، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۲)

۲) فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ وَ لَهُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ۔ (روم/۱۷، ۱۸)

پس پاکی بیان کرو اللہ کی جس وقت کہ شام کرتے ہو اور جس وقت صبح کرتے ہو۔ اللہ ہی کے لیے تمام تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں اور (پاکی بیان کرو اس کی) تیسرے پہر اور جب کہ ظہر کا وقت پاؤ۔

اس آیت میں چار الفاظ مذکور ہیں مساء، صبح، عشی، ظہر۔ صبح اور ظہر سے نماز فجر اور ظہر کا مراد ہونا بالکل واضح ہے۔ اور عشی دن کے آخری حصے کو کہتے ہیں کہ جب سورج چھپنے کے قریب ہو، ظاہر ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔ اور مساء، مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ (ملاحظہ ہو جلالین ج ۲ ص ۳۴۲، روح المعانی ج ۲۱ ص ۲۸ وغیرہ)

۳) فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ۔ (ق/۳۹، ۴۰)

اے نبی! پس صبر کیجئے کفار کی باتوں پر اور اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے تعریف کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے کچھ حصے میں پاکی بیان کیجئے اس کی اور سجدوں کے بعد۔

طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر ہوگی اور غروب آفتاب سے قبل نماز عصر اور رات کی نماز

سے مراد مغرب وعشاء اس طرح کل چار نمازوں کا وقت بیان ہوا۔ لیکن بعض مفسرین کے نزدیک قبل غروب کا لفظ نماز عصر اور نماز ظہر دونوں کو شامل ہے اس طرح پانچوں نمازوں کا وقت آ گیا۔

(دیکھئے جلالین ج ۲ ص ۴۳۱، روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۹۳، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۶۴۵)

(۴) اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا۔ (بنی اسرائیل/۷۸)

نماز قائم کیجئے آفتاب ڈھلنے کے وقت سے تاریکئ شب تک اور لازم کیجئے فجر کا پڑھنا، بے شک فجر کا پڑھنا ہے گواہی دیا ہوا۔

اس آیت میں پانچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نماز فجر کی خاص اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ وقت رات ودن کے فرشتوں کے موجود رہنے کا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۴۹)

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ (بقرہ/۲۳۸)

حفاظت کرو نمازوں کی، خاص طور سے صلوٰۃ وسطیٰ (بیچ والی نماز) کی اور کھڑے ہو اللہ کے سامنے ادب کے ساتھ۔

اس آیت میں نمازوں کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے اور صلوٰۃ وسطیٰ پر خصوصی زور ہے، ''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے کون سی نماز مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ راجح قول کے مطابق اس سے مراد نماز عصر ہے (مسلم ج ۱ ص ۲۲۶) اور اس پر خصوصی زور دینے کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز فجر کی طرح، اعمال لکھنے والے دن ورات کے فرشتوں کے موجود ہونے کا وقت ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۷۹، عن ابی ہریرہؓ)

پانچ نمازوں کا تذکرہ حدیث میں:

احادیث کریمہ میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ بکثرت موجود ہے۔ سفر معراج کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امت محمدیہؐ پر پہلے پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر، رسول اللہ ﷺ بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں، مگر ثواب پچاس نمازوں کے ہی برابر ہے۔

ھِیَ خَمْسٌ وَّ ھِیَ خَمْسُوْنَ۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۱)

یہ نماز ادائیگی میں پانچ ہیں، ثواب میں پچاس ہیں۔

نماز پنجگانہ کے متعلق چند دیگر حدیثیں یہ ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے فرائض اسلام کے متعلق سوال کیا' حضورؐ نے اس کے جواب میں سب سے پہلے جو کلمات ادا فرمائے وہ یہ تھے۔

(۱) خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ. دن اور رات میں پانچ نمازیں۔ (مسلم: ج ا ص ۳۰)

(۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ. الخ (نسائی ج ا ص ۸۰)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ نے فرض قرار دیا ہے۔

ابوامامہؓ کی روایت میں ہے۔

صَلُّوْا خَمْسَكُمْ. (مشکوۃ ج ا ص ۵۸) اپنی نماز پنجگانہ ادا کرو۔

اچھی طرح نماز پڑھنے کا حکم' قرآن سے:

قرآن مجید میں جابجا نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں یا غفلت ولاپرواہی سے ادا کرتے ہیں ان کے لیے وعید آئی ہے۔

سورۂ انعام میں ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ. (آیت/۹۲)

اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ. (آیت: ۴۵-۴۶)

اور مدد مانگو اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعے بے شک نماز یقیناً بھاری ہے مگر ان ڈرنے والوں پر بھاری نہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

سورۂ نساء میں ہے۔

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا اور جب (یہ منافقین) نماز کیلئے کھڑے

كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا. (آیت/۱۴۲)

ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

اسی مضمون کی ایک آیت سورہ توبہ میں بھی ہے' ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى. (آیت/۵۴)

اور نماز کو نہیں آتے مگر کاہلی کرتے ہوئے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ. (ماعون/آیت ۵)

پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت کرنے والے ہیں۔

سورہ مریم میں ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا. (آیت/۵۹)

پھر انکے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی پس عنقریب وہ ملیں گے غی (جہنم کی ایک وادی) سے

نماز ضائع کرنے کے بہت سے درجے ہیں' مثلاً دل لگا کر اور خشوع وخضوع سے نماز نہ پڑھنا' مستحب وقت کی رعایت نہ کرنا' جماعت اور مسجد کی پابندی نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اچھی طرح نماز پڑھنے کا حکم' حدیث سے:

حضرت عثمان غنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلٰوةٌ مَّكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهَا وَ خُشُوْعَهَا وَ رُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَّ ذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ.

کوئی مسلمان نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کا یہ کرنا اس کے پہلے کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے جب تک کہ کسی کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ (مسلم ج ۱ص ۱۲۱)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پنجگانہ کو اچھی طرح وضو کر کے' ان کے اوقات میں ادا کرے' اور رکوع وسجدہ بھی ٹھیک ٹھیک کرے' اللہ کا اس کے لیے

مغفرت کا وعدہ ہے- اور جو شخص ایسا نہ کرے گا' اللہ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں ان شاء غفرله و ان شاء عذبه (اگر چاہے گا بخش دے گا' چاہے عذاب دے گا) (ابوداؤد ج ا ص ٦١)

مسند احمد میں ہے-

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةَ الَّذِیْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ لَايُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَ لَا سُجُوْدَهَا. (ج ۵ ص ۳۱۰)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے برا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اپنی نماز سے کیسے چوری کرے گا' فرمایا نماز کا رکوع وسجدہ مکمل نہ کرے-

ایک مرتبہ ایک صحابی خلاد بن رافع نے رکوع وسجدہ میں بہت زیادہ جلد بازی کی تو حضورؐ نے انہیں بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا- آخر کار انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ ہی مجھے نماز کا طریقہ بتا دیجئے' حضورؐ نے فرمایا:

اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا.

(بخاری ج ا ص ۱۰۹ مسلم ج ا ص ۱۷۰)

جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لو- پھر تمھیں قرآن سے جو آسان معلوم ہو پڑھو- تم رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں پورا اطمینان ہو جائے' پھر اپنا سر اٹھاؤ اور بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ- پھر سجدہ میں جاؤ یہاں تک کہ سجدہ میں پورا اطمینان ہو جائے پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ' یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ (پھر سجدہ کو مکمل کرنے کے بعد) سیدھے کھڑے ہو جاؤ- اور پوری نماز (اسی اطمینان کے ساتھ) ادا کرو-

چنانچہ نماز میں تعدیل ارکان (مثلاً رکوع وسجدہ کو بالکل صحیح صحیح' قاعدہ کے موافق ادا کرنا) واجب ہے' بلا قصد چھوڑنے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے بالقصد لاپروائی کرنے پر نماز ہی نہیں ہوتی۔

وضو کے احکام

نماز کے لیے وضو:

پچھلی کئی احادیث میں نماز کے ساتھ وضو کا بھی تذکرہ آیا ہے' نماز کے لیے وضو ضروری ہے' بلا وضو نماز نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ.

اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو دھوؤ اپنے چہروں کو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔ (مائدہ/۶)

اس آیت میں فرائض وضو کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو فلاں فلاں عضو کو دھوڈالو' فلاں کا مسح کرلو یعنی وضو کرلیا کرو۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ رواه احمد. (مشکوۃ ج ۱ ص ۳۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔

دوسری روایت میں ہے۔

لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَیْرِ طُهُوْرٍ.

کوئی نماز بغیر وضو کے قبول نہیں کی جاتی۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۱۹ عن ابن عمرؓ)

ایک اور روایت میں ہے۔

لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّاَ. (بخاری ج ۱ ص ۲۵ عن ابی ہریرہؓ)

جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو اس کی نماز قبول نہیں یہاں تک کہ وضو کرلے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاءُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَ كَانَ اَحَدُنَا يَكْفِيْهِ الْوُضُوْءُ مَالَمْ يُحْدِثْ رواه الدارمی۔ (مشکوٰۃ ا ص ۴۷)

رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور ہمارے لیے ایک وضو اس وقت تک کافی ہے کہ جب تک حدث نہ ہو (یعنی جب تک وضو توڑنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے)

اچھی طرح وضو کرنا:

وضو بھی اچھی طرح کرنا چاہیے' فرائض وسنن اور مستحبات کی رعایت کے ساتھ' تاکہ وہ اجر و ثواب ملے جس کا احادیث کریمہ میں وعدہ ہے۔ اور اس عذاب سے بچیں جو اچھی طرح وضو نہ کرنے کے نتیجے میں ہوگا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَ قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّاءُ وَ اَوْهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَ اَعْقَابِهِمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ۔ (مسلم ج ا ص ۱۲۵)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے۔ یہاں تک کہ جب راستے میں پانی پر سے گزر ہوا تو کچھ لوگوں نے جلدی کی عصر کے وقت' پس انھوں نے وضو کیا اور وہ جلد باز لوگ تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ گئی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہلاکت ہو ایڑیوں کے لیے جہنم سے اچھی طرح وضو کیا کرو۔

یہ تو اچھی طرح وضو نہ کرنے کا عذاب تھا' لیکن جو لوگ وضو قاعدہ کے مطابق کرتے ہیں اور جلد بازی میں کہیں تر کہیں خشک نہیں چھوڑتے' فرائض وسنن اور مستحبات پر بھی عمل کرتے ہیں' ان کا ثواب احادیث کریمہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ. (مسلم ج ا ص ۱۲۵ عن عثمان)

جس نے وضو کیا، پس اچھی طرح وضو کیا، اس کی خطائیں اس کے بدن سے نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخن کے نیچے سے بھی۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اُمَّتِیْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ. (بخاری ج ا ص ۲۵)

میری امت قیامت کے دن اس حال میں پکاری جائے گی کہ آثار وضو سے اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے پس تم میں سے جو شخص اپنی چمک میں اضافہ کر سکے اسے ضرور کرنا چاہئے۔

وضو کے فرائض:

جیسا کہ اوپر بتایا گیا، آیت کریمہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ الخ میں فرائض وضو کا تذکرہ ہے۔ آیت کریمہ مع ترجمہ ایک مرتبہ پھر ملاحظہ فرمالیں، دیکھئے اس میں ارکان وضو میں سے درج ذیل صرف چار چیزوں کا ذکر ہے۔

(۱) چہرہ دھونا۔

(۲) دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔

(۳) سر کا مسح کرنا۔

(۴) دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔

آیت کریمہ میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ سر کا مسح کرو، مگر سر کا مسح کہاں سے کہاں تک کریں، ایک دو بال کافی ہیں؟ یا پورے سر کا، یا آدھے یا چوتھائی سر کا مسح کرنا ہے؟ اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ کے اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بیان فرمادی اور بتا دیا کہ سر کے مسح کی فرض مقدار چوتھائی سر ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ. (مسلم ج ا ص ۱۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا پس اپنی پیشانی کی مقدار مسح کیا۔

دوسری روایت میں ہے۔

مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَ مُقَدَّمِ رَأْسِهٖ. (مسلم ج ۱ص ۱۳۴، ابوداؤد ج ۱ص ۳۱)

مسح کیا موزوں پر اور اپنے سر کے اگلے حصے پر۔

سر کے اگلے حصہ یا پیشانی کی مقدار' دونوں سے ایک ہی مراد ہے یعنی سر کا چوتھائی حصہ' کیونکہ پیشانی سر کے چوتھائی حصہ کے ہی برابر ہوتی ہے۔

وضو کے سنن و مستحبات:

وضو کے اگلے سنن و مستحبات درج ذیل احادیث سے مستفاد ہیں۔

(۱) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔(بخاری ج ۱ص ۲)

(۲) لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ. (ابوداؤد ج ۱ص ۲۴)

اس کا وضو نہیں جس نے اپنے وضو میں اللہ کا نام نہیں لیا۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے' انہوں نے جواب میں خود وضو کر کے دکھایا اور وہ اس طرح کہ انہوں نے۔

فَدَعَا بِاِنَاءٍ فَاَكْفَأَ مِنْهَا عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَ اسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا. الخ (مسلم ج ۱ص ۱۲۳)

پانی کا ایک برتن منگایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر بہایا اور انہیں تین بار دھویا پھر اپنے ہاتھ کو داخل کیا اور اس سے پانی نکالا' پس کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ ایک ہتھیلی سے' ایسے ہی تین بار کیا پھر اپنے ہاتھ کو داخل کیا پھر نکالا' پس اپنے چہرے کو تین بار دھویا۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دکھاؤں؟ پھر وضو کیا تو سارے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا فَتَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا (مسلم ج ۱ص ۱۲۱) اسی طرح ایک اعرابی کے سوال پر رسول اللہ ﷺ نے وضو کر کے دکھایا تو اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا فَاَرَاهُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا۔ اس کے بعد فرمایا:

هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَ تَعَدّٰى وَ ظَلَمَ. (نسائی ج ا ص ۳۳، ابوداؤد ج ا ص ۲۹)

یہ ہے کامل وضو پس جس نے اس پر زیادہ کیا پس اس نے (سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے) برا کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔

(۵) حضرت زید بن خالدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِىْ لَا مَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ. (ابوداؤد ج ا ص ۱)

اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت (وجوباً) مسواک کا حکم دیتا۔

(۶) عَنْ رُبَيِّعَةَ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَا رَاَتِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاءُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَاْسَهُ وَ مَسَحَ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَ صُدْغَيْهِ وَ اُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَ فِىْ رِوَايَةٍ اِنَّهُ تَوَضَّاءَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ حُجْرَىْ اُذُنَيْهِ. (ابوداؤد ج ا ص ۲۸)

ربیعہ بنت معوذؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، وہ کہتی ہیں کہ آپؐ نے اپنے سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا مسح کیا (یعنی پورے سر کا مسح کیا) اور دونوں کانوں کا اور دونوں کانوں کے سوراخ کا ایک مرتبہ، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو فرمایا پس داخل کیا اپنی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخ میں۔

وضو کے وقت ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں اور داڑھی کے خلال کا بھی احادیث میں ذکر آیا ہے (دیکھئے ابوداؤد ج ا ص ۳۰) اور جن جن حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ بیان فرمایا ہے سبھی نے بالترتیب اور لگاتار وضو کیا ہے (یعنی ایک عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھولیا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَؤُا بِمَيَامِنِكُمْ. (ابن ماجہ ج ا ص ۳۳)

جب وضو کرو تو شروع کرو دائیں طرف سے۔

گردن کا مسح:

گردن کا مسح مستحب ہے۔ حضرت موسیٰ بن طلحہؒ سے مروی ہے۔

مَنْ مَسَحَ قَفَاهُ مَعَ رَأْسِهِ وُقِيَ مِنَ الْغُلِّ[1] جس نے سر کے ساتھ اپنی گردن کا مسح کیا وہ بچا دیا گیا کینے سے۔

(شرح احیاء العلوم للعلامہ الزبیدی ج ۲ ص ۳۶۵ وغیرہ)

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں گردن کے مسح کا جو مخصوص ثواب و فائدہ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی اجتہاد یا رائے و قیاس کو دخل نہیں' کیونکہ کسی عمل کا مخصوص ثواب یا مخصوص عذاب بیان کیا جانا اجتہاد و قیاس سے خارج ہے۔ لہٰذا صحابی رسولؐ کی اس طرح کی حدیث حکماً حدیث مرفوع ہوتی ہے۔ شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصول حدیث کی مشہور کتاب شرح نخبۃ الفکر میں اس بات کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے ص ۷۶ و ص ۷۷)

مسند الفردوس میں علامہ دیلمیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے گردن کے مسح کی حدیث مرفوعاً نقل کی ہے (وقایہ ج ۱ ص ۹) گو یہ حدیث سنداً ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں بالاتفاق ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے (وقایہ ج ۱ ص ۹) اور گردن کا مسح بھی مستحب ہی کہا گیا ہے نہ کہ فرض یا سنت' مزید برآں کوئی روایت مانع بھی نہیں بلکہ متعدد احادیث کریمہ سے سر کے مسح کے ساتھ گردن کے کچھ حصہ کا مسح ثابت ہے[2] اور جب بھی گردن کا مسح کیا جاتا ہے وہ گردن کے کچھ ہی حصہ کا مسح ہوتا ہے' نہ کہ پوری گردن کا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سر کے علاوہ جن جن اعضاء میں یا جن جن مواقع پر مسح کی اجازت دی گئی ہے کہیں بھی اس عضو کا استیعاب شرط نہیں ہے۔ مثلاً کان کا مسح' موزوں کا مسح' پٹی کا

---

[1] عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ گردن کے مسح کی احادیث ابوداؤد' بزار اور طحاوی اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے نقل کی ہیں۔ (ص ۶۹ حاشیہ ۴)

[2] دیکھئے ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸' ترمذی ج ۱ ص ۷' ابن ماجہ ص ۳۵' خود اہل حدیث علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ گردن کے کچھ حصہ کا مسح احادیث سے ثابت ہے' دیکھئے صلوٰۃ النبی ص ۱۹ مطبوعہ الدار السلفیہ بمبئی' اب غور کیجئے کہ ان لوگوں کی بات کہاں تک صحیح ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ گردن کا مسح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ع گردن کے مسح کی مزید احادیث کے لیے دیکھئے اعلاء السنن ج ۱ ص ۶۹' سعایہ ج ۱ ص ۱۲۸-۱ تلخیص الجبیر مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کا رسالہ تحفۃ الطلبہ فی تحقیق مسح الرقبہ۔

مسح........ اس اعتبار سے گردن کا مسح بھی کچھ ہی حصے کا ہو گا نہ کہ پوری گردن کا۔ اور جو لوگ بھی گردن کے مسح کے قائل ہیں وہ تبعیض کے ہی قائل ہیں نہ کہ استیعاب کے۔

خلاصہ احادیث:

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ وضو کے سنن و مستحبات درج ذیل ہیں۔

(۱) نیت کرنا۔

(۲) ابتدائے وضو میں بسم اللہ پڑھنا۔

(۳) تین بار گٹوں تک ہاتھ دھونا۔

(۴) مسواک کرنا۔

(۵) تین بار کلی کرنا۔

(۶) تین بار ناک میں پانی ڈالنا۔

(۷) داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا۔

(۸) دھونے والے اعضاء کو تین تین بار دھونا۔

(۹) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔

(۱۰) سر کے ساتھ کان اور گردن کا مسح کرنا۔

(۱۱) اعضاء کو ترتیب وار دھونا۔

(۱۲) لگاتار دھونا' ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھو لے۔

(۱۳) دائیں جانب سے دھونا یعنی پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں' پہلے دایاں پاؤں پھر بایاں۔

وضو کے بعد کی دعاء:

وضو کے بعد کلمہ شہادت۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اور یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ.

اے اللہ بنادے مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے اور بنادے مجھ کو خوب پاکی حاصل کرنے والوں میں سے۔

(مسلم ج ا ص ۱۲۲' ترمذی ج ا ص ۹)

موزوں پرمسح:

وضو کرنے والا اگر اپنے پاؤں میں چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے ہو تو بجائے پاؤں دھونے کے انہیں موزوں پر مسح کرسکتا ہے' بشرطیکہ طہارت کاملہ یعنی وضو کرکے پہنا ہو اس کے بعد جب وضو ٹوٹے تو صرف ایک بار دونوں موزوں پر مسح کرلینا کافی ہوگا' پاؤں کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ مسح موزہ کے اوپر کے حصے میں تین انگلیوں سے خط کھینچتے ہوئے کیا جائے۔ مقیم ایک دن ایک رات مسح کرسکتا ہے۔ اور مسافر تین دن تین رات۔ (دیکھئے ابوداؤد ج ا ص ۳۱' ترمذی ج ا ص ۱۵' مسلم ج ا ص ۱۳۵' مشکوٰۃ ج ا ص ۵۲ وغیرہ)

تیمّم کا بیان:

سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ.

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو پس پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

(آیت نمبر/۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ تیمّم کون کرسکتا ہے اور یہ بھی بتادیا کہ تیمّم وضو اور غسل دونوں کے لیے ہوسکتا ہے اور ایک ہی جیسا تیمّم ہوگا' طریقے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ یہ بات احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے حضرت جابرؓ کی روایت ابوداؤد ج ا ص ۶۳۔ اور حضرت عطا ابن رباحؒ کی روایت ابن ماجہ ص ۴۳)

آیت کریمہ میں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ کن کن اعضاء کا تیمّم ہوتا ہے یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہوگا اور ہاتھ میں کہاں تک تیمّم کیا جائے گا۔ لہٰذا

احادیث نبویہ میں اس کی تفصیل آ گئی کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں یعنی دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے' ایک مرتبہ چہرہ کے لیے اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کے لیے' اور دونوں ہاتھوں کا تیمم کہنیوں تک ہوگا۔ جس طرح وضو میں کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔

(دیکھئے ابن ماجہ ص ۴۳' ابوداؤد ج ۱ ص ۶۲' ترمذی ج ۱ ص ۲۱)

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْقَوْمِ حِيْنَ نَزَلَتِ الرُّخْصَةُ فِي الْمَسْحِ بِالتُّرَابِ اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ فَاَمَرَنَا فَضَرَبْنَا وَاحِدَةً لِّلْوَجْهِ ثُمَّ ضَرْبَةً اُخْرٰى لِلْيَدَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَ قَالَ الْحَافِظُ فِي الدِّرَايَةِ بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ. (آثار السنن حصہ اول ص ۴۰)

حضرت عمارؓ سے مروی ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جن کے سامنے تیمم کی رخصت نازل ہوتی تھی پس حضورؐ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم ایک مرتبہ ہاتھ مٹی پر ماریں چہرہ کا مسح کرنے کے لیے' اور دوسری مرتبہ ماریں دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنے کے لیے روایت کیا اس کو بزار نے اور حافظ ابن حجر نے درایہ میں کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَ ضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ وَ الْحَاكِمُ وَ صَحَّحَهُ.

تیمم ایک ضرب ہے چہرہ کے لیے اور دوسری ضرب ہے دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک روایت کیا اس حدیث کو دار قطنی اور حاکم نے اور اسے صحیح قرار دیا۔

(حوالہ مذکورہ و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۸۰)

نافعؒ اور سالمؒ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تیمم کے لیے دو ضربوں کی روایت نقل کی ہے

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۶)

بلوغ المرام میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَ ضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ. (ص ۱۱ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۷۹)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تیمم دو ضرب ہے۔ ایک ضرب چہرے کے لیے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک روایت کیا ہے اسے دار قطنی نے۔

اب رہی یہ بات کہ تیمم کس چیز سے کیا جائے؟ آیت کریمہ اور احادیث نبویہ سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہے وہ یہ کہ مٹی ہو یا مٹی کی جنس کی کوئی چیز مثلاً ریت، بالو، پتھر، غبار، سرمہ، ہڑتال وغیرہ۔

آیت کریمہ میں صَعِیْدًا طَیِّبًا کے الفاظ آئے ہیں، جس کے معنی ہیں ''پاک زمین'' اور ''زمین'' کے حکم میں مذکورہ تمام چیزیں شامل ہیں، لیکن راکھ سے تیمم جائز نہیں اگر وہ لکڑی کی ہو، اور اگر پتھر کے کوئلے کی راکھ ہو تو جائز ہے کیونکہ پتھر زمین کی جنس سے ہے۔

عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَی النَّاسِ بِثَلٰثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا کَصُفُوْفِ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ جُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدًا وَّ جُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ. (مسلم ج۱ص۱۹۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم دوسری امتوں پر تین وجوہ سے فضیلت دیئے گئے ہیں۔ ہماری صفیں، ملائکہ کی صفوں کی طرح بنائی گئیں، ہمارے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی اور اس کی مٹی سبب طہارت بنائی گئی جب کہ ہم پانی نہ پائیں۔

دوسری حدیث میں ہے۔

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا. (مسلم ج۱ص۱۹۹، بخاری ج۱ص۶۲)

میرے لیے ساری زمین مسجد اور سبب طہارت بنا دی گئی۔

اس حدیث میں مٹی کی تعیین کے بغیر صراحتہً زمین کو ہی سبب طہارت فرمایا گیا ہے حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پاک زمین مسلمان کا وضو ہے۔ (ترمذی ج۱ص۱۷)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔

اِنَّ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا نَکُوْنُ بِالرِّمَالِ الْاَشْهُرَ الثَّلٰثَةَ اَوِ الْاَرْبَعَةَ وَ

کچھ جنگل کے رہنے والے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کیا ہم ریت اور بالو کے درمیان تین تین، چار چار ماہ تک

يَكُوْنُ فِيْنَا الْجُنُبُ وَ الْحَائِضُ وَ النُّفَسَاءُ وَ لَا نَجِدُ الْمَاءَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْاَرْضِ. (مسند احمد، مستدرک حاکم ج۱ص۱۷۹، عمدۃ الرعایۃ ج۱ص۹۸)

رہتے ہیں اور ہم میں جنبی، حائض اور نفاس والی عورتیں بھی ہوتی ہیں، ہم پانی پاتے نہیں (تو ہم کیا کریں؟) آپ نے فرمایا تمہارے لیے زمین سے تیمّم کرنا ہے۔

وہ چیزیں جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے:

(۱) پیشاب پاخانہ کے مقام سے جس چیز کا بھی خروج ہو وضوٹوٹ جائے گا، خواہ پیشاب پاخانہ ہو، مذی ہو یا ہوا خارج ہو یا کیڑا وغیرہ نکلے۔

ارشاد باری ہے۔

اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ. (مائدہ آیت:۶) یا آئے تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ.

اس شخص کی نماز قبول نہیں جس نے حدث کیا یہاں تک کہ وضو کرلے

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جب انہوں نے حضر موت میں یہ حدیث بیان کی تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ مَاالْحَدَثُ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ (حدث کیا ہے؟ اے ابو ہریرہؓ) انہوں نے جواب دیا فُسَاءٌ اَوْ ضُرَاطٌ (بلا آواز ہوا خارج ہونا یا آواز سے)

(بخاری ج۱ص۲۵، مسلم ج۱ص۱۱۹)

حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَذْيِ فَقَالَ مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوْءُ وَ مِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ. (ترمذی ج۱ص۱۶)

میں نے حضور ﷺ سے مذی کے بارے میں سوال کیا، آپؐ نے فرمایا مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل ہے۔

(۲) نیند جس سے استرخاء مفاصل ہو (جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں) سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّاْ. (ابوداود ج۱ص۳۹ عن علی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرین کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں، پس جو سو گیا، وہ وضو کرے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ.

(ترمذی ج اص ۱۲' ابوداؤد ج اص ۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو اس شخص پر ہے جو پہلو کے بل لیٹا ہو اس لیے کہ جب پہلو کے بل لیٹ گیا تو استرخاء مفاصل ہو گیا (جوڑ ڈھیلے پڑ گئے)

لہٰذا چت لیٹ کر سونا یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سونا کہ وہ اگر ہٹادی جائے تو ٹیک لگانے والا گر جائے' ناقض وضو ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے' لیکن اس کے علاوہ کھڑے' بیٹھے یا رکوع سجدہ میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ استرخاء مفاصل نہیں ہوتا۔ نشہ' بے ہوشی' اور جنون سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی استرخاء مفاصل موجود ہے۔ بلکہ یہ استرخاء مفاصل میں نیند سے بڑھ کر ہے۔

(۳) دم سائل (بہنے والا خون) جو بدن سے نکلے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جسے وضو یا غسل میں دھویا جاتا ہو' ناقض وضو ہے۔ یہ خون خواہ ناک سے بہے جسے نکسیر پھوٹنا کہتے ہیں یا بدن کے کسی دوسرے حصے سے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَهٗ قَيْئٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلْسٌ اَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلٰوتِهٖ وَ هُوَ فِيْ ذَالِكَ لَا يَتَكَلَّمْ.

(ابن ماجہ ص ۸۷' بلوغ المرام ص ۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے (نماز میں) قے ہو گئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا قے کا غلبہ ہو یا مذی کا خروج ہوا ہو' وہ جائے اور وضو کرے پھر اپنی نماز پر بنا کرے بشرطیکہ اس نے بات چیت نہ کی ہو (یعنی جتنی پڑھ چکا ہے وہیں سے آگے پڑھنا شروع کرے۔

موطا امام مالک میں ہے۔

عَنْ نَّافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ كَانَ اِذَا رَعَفَ انْصَرَفَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ

نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب (نماز میں) نکسیر پھوٹتی تو واپس جاتے' وضو

فَبَنٰی وَ لَمْ یَتَکَلَّمْ.

(ص۱۴، موطا امام محمد ص ۶۲)

کرتے پھر لوٹتے اور بناء کرتے اور کسی سے بات نہ کرتے۔

(۴) قے بھی نواقض وضو میں سے ہے بشرطیکہ منہ بھر کر ہو۔ قے کے ناقض وضو ہونے کا تذکرہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں آ چکا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی ج ۱ ص ۱۳ پر یہ روایت بھی موجود ہے۔

عَنْ مَعْدَانَ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّاءَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَکَرْتُ لَہٗ فَقَالَ صَدَقَ اَنَا صَبَبْتُ لَہٗ وَ ضُوْءَہٗ.

معدان بن ابی طلحہ سے مروی ہے انہوں نے ابودرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی، پس وضو کیا، (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی اور اس بات کا ذکر کیا، انہوں نے کہا ابودرداء نے سچ کہا، میں نے ہی حضورؐ کے وضو کے لیے پانی گرایا تھا۔

(۵) نماز میں، عاقل و بالغ کا قہقہہ بھی وضو کو توڑ دیتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ اِذَا دَخَلَ رَجُلٌ فَتَرَدّٰی فِیْ حُفْرَۃٍ کَانَتْ فِی الْمَسْجِدِ وَ کَانَ فِیْ بَصَرِہٖ ضَرَرٌ فَضَحِکَ کَثِیْرٌ مِّنَ الْقَوْمِ وَ ھُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحِکَ اَنْ یُّعِیْدَ الْوُضُوْءَ وَ یُعِیْدُ الصَّلٰوۃَ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَ رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ وَ الْاَرْسَالُ صَحِیْحٌ فِی الْبَابِ.

(آثار السنن الجزء الاول، دارقطنی ص ۵۹)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ایک آدمی داخل ہوا اور مسجد کے (صحن میں واقع) ایک گڑھے میں گر گیا۔ اس کی بینائی کمزور تھی۔ (اس کے گرنے پر) بہت سے لوگ نماز میں ہی ہنس پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو جو ہنس پڑے تھے وضو اور نماز کے دہرانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کو طبرانی نے اَلْمُعْجَمُ الْکَبِیْر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور اس باب میں یہ ارسال صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوالعالیہ سے یہی روایت موجود ہے (ج ا ص ۳۸۸) اس روایت کو مرسل صحیح' ابن رشد اندلسی مالکیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (دیکھئے بدایۃ المجتہد ج ا ص ۳۴)

ان چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا:

(۱) آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا' خواہ وہ اونٹ بکری وغیرہ کا گوشت ہو یا کوئی اور چیز۔ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَ لَمْ يَتَوَضَّأْ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری کا اگلا دست کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(بخاری ج ا ص ۳۴ مسلم ج ا ص ۱۵۷)

ام المومنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے یہاں بکری کا پہلو کھایا' پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا (حوالہ مذکورہ) اسی طرح ایک بار حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے گوشت روٹی کھائی مگر کسی نے وضو نہیں کیا۔ (ابن ماجہ ص ۳۸)

(۲) عورت کو چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ رِجْلَاىَ فِىْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِىْ فَقَبَضْتُ رِجْلَىَّ فَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا وَ الْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ.

میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سوئی رہتی تھی' میرے پیر اس طرف پھیلے ہوئے ہوتے تھے جدھر حضورؐ کو سجدہ کرنا ہوتا' پس جب سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے ٹھوکا دیتے' پس میں اپنے پیر سمیٹ لیتی پس جب کھڑے ہو جاتے تو میں دونوں کو پھیلا دیتی اور اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔

(بخاری ج ا ص ۵۶' مسلم ج ا ص ۱۹۸)

حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی موجود ہے۔

اِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ بَعْضَ نِسَائِهٖ ثُمَّ يُصَلِّىْ وَ لَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے روایت کیا اسے بزار نے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(آثار السنن الجزء الاول ص ۳۹' و ابن ماجہ ص ۳۸)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں لَیْسَ فِی الْقُبْلَةِ وُضُوْءٌ (بوسہ میں وضو نہیں ہے)

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۵)

(۳) ''مس ذکر'' (یعنی عضو تناسل کو چھو دینے) سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مَسَسْتُ ذَکَرِیْ اَوْقَالَ الرَّجُلُ یَمَسُّهٗ ذَکَرَهٗ فِی الصَّلٰوةِ اَعَلَیْهِ وُضُوْءٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لَا اِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِّنْکَ. (ابوداود ج ۱ ص ۳۶، ترمذی ج ۱ ص ۱۳، ابن ماجہ ص ۳۷)

طلق بن علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا میں نماز میں اپنے عضو تناسل کو چھوؤں یا کوئی شخص اپنا عضو تناسل چھوئے تو کیا اسے وضو کرنا پڑے گا؟ آپؐ نے فرمایا وہ تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے (یعنی جس طرح جسم کے کسی اور حصے کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح اس کے چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔)

اس روایت کے برخلاف حضرت بسرہؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مس ذکر (عضو تناسل کے چھو دینے) سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت طلق بن علیؓ اور حضرت بسرہؓ کی روایت کے درمیان فیصلہ کن نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں۔

اَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الطَّبْرَانِیُّ وَ ابْنُ حَزْمٍ وَ قَالَ ابْنُ الْمَدِیْنِیُّ هُوَ اَحْسَنُ مِنْ حَدِیْثِ بُسْرَةَ.

اس روایت کو پانچوں (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد) نے بیان کیا ہے اور ابن حبانؒ طبرانیؒ اور ابن حزمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن المدینیؒ نے کہا ہے کہ طلق بن علی کی روایت بسرہ کی روایت سے زیادہ عمدہ ہے۔

(آثار السنن الجزالاول ص ۳۶)

عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ حذیفہ بن یمانؓ سعد بن ابی وقاصؓ حضرت ابو درداءؓ وغیرھم بھی مس ذکر سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں، خواہ کپڑا درمیان میں حائل ہو یا نہ حائل ہو۔ (دیکھئے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۰، موطا امام محمد ص ۵۰)

(۴) دودھ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

البتہ دودھ پینے والے یا اور کوئی چیز کھانے پینے والے کو چاہیے کہ کلی کر کے نماز پڑھے خاص طور سے اس وقت جب کہ وہ چکنی ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ شَرِبَ اللَّبَنَ فَصَلّٰی.	عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ دودھ پیا پھر نماز پڑھی (وضونہیں کیا)
(آ ثار امام ابو یوسف ص ۸)	

مسند حارثی میں ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

رَاَیْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَتَمَضْمَضَ وَ صَلّٰی وَ لَمْ یَتَوَضَّاءَ.	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دودھ نوش فرمایا' پھر کلی کی اور نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔
(حوالہ مذکورہ حاشیہ ٦)	

❁ ❁ ❁

اذان واقامت

اذان کا ثبوت قرآن وحدیث سے:

اذان شعارِ دین میں سے ہے۔ اذان کا احترام' اذان سے محبت ہر مومن کا ایمانی تقاضا ہے' اور اذان کو کھیل تماشا' ہنسی مذاق کی چیز سمجھنا کفر کی علامت ہے' سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰالِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ. (آیت/٥٨)

اور جب تم پکارتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو یہ کفار اس کو ہنسی کھیل بناتے ہیں اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔

اس آیت کریمہ سے نماز کے لیے اذان کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے' اس کے علاوہ سورۂ جمعہ کی درج ذیل آیت سے بھی مشروعیت اذان ثابت ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ.

جب جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید فروخت چھوڑ دو۔ (جمعہ/٩)

مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَلْیُؤَذِّنْ لَکُمْ اَحَدُکُمْ وَ لْیَؤُمَّکُمْ اَکْبَرُکُمْ. (بخاری ا/ص ٨٨)

نماز پڑھو' جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو' پس جب نماز کا وقت آئے تو تم میں کا کوئی اذان دے اور تم میں کا بڑا امامت کرے۔

اذان واقامت کے کلمات اس حدیث سے ثابت ہیں جو کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے مروی ہے جس میں انہیں خواب میں فرشتے نے اذان واقامت سکھائی' خواب سے بیدار ہونے کے بعد وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب کا پورا واقعہ بیان کیا' حضورؐ نے ان کے خواب کی تصدیق فرمائی اور حکم دیا کہ بلال کو سکھا دو' چنانچہ عبداللہ بن زیدؓ بتاتے جاتے تھے اور حضرت بلالؓ کہتے جاتے تھے' اذان کی آواز سن کر حضرت عمرؓ بھی اپنے گھر سے دوڑتے ہوئے آئے انہوں نے فرمایا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ اللّٰہِ لَقَدْ رَاَیْتُ مِثْلَ الَّذِیْ رَاٰی (خدا کی قسم میں نے

بھی بالکل یہی خواب دیکھا جو عبداللہ بن زیدؓ نے دیکھا ہے) (بخاری ج ا ص ۸۵ ابن ماجہ ص ۵۱ ابوداود ج ا ص ۸۷ ترمذی ج ا ص ۲۶ وغیرہ)

اذان واقامت کے کلمات:

اذان کے کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ	اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ	اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ	حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ	حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ	لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کلمات اذان کی تفصیلات بخاری ج ا ص ۸۵ ابن ماجہ ص ۵۱ ابوداود ج ا ص ۸۷ ترمذی ج ا ص ۲۷ پر موجود ہیں۔

اقامت کے کلمات وہی ہیں جو اذان کے کلمات ہیں فرق یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ یہ کلمات بھی کہنا ہیں۔

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ. تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی۔

اذان کے کلمات بھی دو دو مرتبہ ہیں اور تکبیر کے کلمات بھی دو دو مرتبہ دیکھئے ترمذی ج ا ص ۲۷ اس کے علاوہ ابن ابی شیبہ کی یہ روایت۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنِ زَیْدِ الْاَنْصَارِیَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَ عَلَیْہِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰی

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰؒ سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن زید انصاری حضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک آدمی کھڑا ہے اس پر دو سبز چادریں ہیں اس نے دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دی اور دو دو مرتبہ

حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی اَقَامَ مَثْنٰی.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۰۲)

کلمات اذان ادا کیے اور اسی طرح اقامت بھی کہی دوٗ دومرتبہ۔

دوسری روایت میں ہے۔

اَلْاَسْوَدُ بْنُ یَزِیْدَ اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُثْنِی الْاَذَانَ وَ یُثْنِی الْاَ قَامَۃِ وَ اَنَّہٗ کَانَ یَبْدَاُ بِالتَّکْبِیْرِ وَ یُخْتِمُ بِالتَّکْبِیْرِ.
(مصنف عبدالرزاق ج ۱ص ۴۶۲، شرح معانی الآثارج ۱ص ۶۶، دارقطنی)

اسود بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات بھی دوٗ دومرتبہ ادا کرتے تھے اور اقامت کے کلمات بھی دوٗ دومرتبہ اور اللہ اکبر سے اذان شروع کرتے اور اسی پر ختم کرتے۔

حضرت ابومحذورہؓ کی روایت میں بھی اقامت کے سترہ کلمات کا ذکر ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اقامت کے کلمات بھی دوٗ دومرتبہ ہیں اور یہ سترہ کلمات اذان کے پندرہ کلمات میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے دومرتبہ پڑھے جانے سے ہوئے ہیں۔
(دیکھئے ترمذی ج ۱ص ۲۷، ابوداؤد ج ۱ص ۸۹، نسائی ج ۱ص ۱۰۳، ابن ماجہ ص ۵۲، مشکوٰۃ ج ۱ص ۶۵، آثارالسنن الجزءالاول ص ۵۳)

اس کے علاوہ سوید بن غفلہؓ، ابوجحیفہؓ، سلمہ بن اکوعؓ اور ثوبانؓ، کی روایات اذان کی طرح اقامت کے کلمات کو دوٗ دومرتبہ کہنے کا صریح ثبوت ہیں (دیکھئے شرح معانی الآثارج ۱ص ۶۵، آثارالسنن الجزءالاول ص ۵۳)

اذان میں ترجیع بھی نہ ہوگی یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو پہلے دھیمی آواز سے کہہ کر بلند آواز سے دہرانا نہیں ہے بلکہ صرف بلند آواز سے ہی کہنا ہے، کیونکہ عبداللہ بن زیدؓ کے خواب والی روایت جس کی حضرت عمر نے بھی تائید وتصویب کی تھی، میں جو اذان فرشتوں سے منقول ہے اور وہی اذان کی اساس و بنیاد ہے اس کے کل پندرہ ہی کلمے بلا ترجیع مذکور ہیں۔ (ملاحظہ ہو ترمذی ج ۱ص ۲۷، ابوداؤد ج ۱ص ۸۷، ابن ماجہ ص ۵۱ وغیرہ) اس کے علاوہ مسلم ج ۱ص ۱۶۷ پر حضرت عمرؓ کی روایت میں جس میں اذان کے جواب کا ذکر ہے اس میں بھی ترجیع نہیں ہے۔ حضرت بلالؓ جو عہد رسالت کے مؤذن خصوصی تھے، ان کی اذان میں بھی ترجیع نہیں ہے (بخاری ج ۱ص ۸۵) عدم ترجیع کی روایتیں صحت کے اعتبار سے قوی اور تعداد

کے اعتبار سے کثیر ہیں۔ مسجد قباء کے مؤذن حضرت سعد قرظ کی اذان میں پندرہ کلمے اور اقامت میں سترہ کلمے ہوا کرتے تھے اہل مدینہ کا تعامل بھی بلا ترجیع تھا۔ (کشف المعضلات ص ۱۶۵) عدم ترجیع کی روایتیں اپنے مدعا میں صریح ہیں جب ترجیع کی روایتیں اِختمالات سے پر (حوالہ مذکورہ)

فجر کی اذان:

فجر کی اذان بھی اسی طرح ہے جس طرح دوسرے وقتوں کی اذانیں، بس اتنا فرق ہے کہ فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نیند سے نماز بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے) کہنا چاہیے۔ اس کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر اذان ختم کرنی چاہیے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۸۸)

اذان و اقامت کا طریقہ:

اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے چاہئیں اور اقامت کے جلدی جلدی۔ (ترمذی ج ا ص ۲۷)

دونوں انگلیوں کو دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈال کر اذان دینی چاہیے ابن ماجہ کی روایت ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ یَّجْعَلَ اِصْبَعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ قَالَ اِنَّہٗ اَرْفَعُ بِصَوْتِکَ.

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیں، حضورؐ نے فرمایا یہ تمہاری آواز کو بلند کر دے گا۔ (ص ۵۲)

اذان و اقامت کا جواب:

اذان کا جواب دینے کی بہت فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو جنت کی خوشخبری دی ہے (مسلم ج ا ص ۱۶۷) اذان کے جواب میں وہی سارے کلمات ادا کیے جائیں گے جو اذان میں ہیں مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے وقت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہیے۔ (بخاری ج ا ص ۸۶)

اقامت کا جواب بھی بالکل اسی طرح دینا ہے جیسے اس کے کلمات ہیں، یعنی انہیں کلمات کو چپکے چپکے دہرانا ہے مگر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کی جگہ دونوں مرتبہ اَقَامَھَا اللّٰہُ وَ اَدَامَھَا (اللہ تعالیٰ اس نماز کو قائم و دائم رکھے) کہنا چاہیے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۹۴)

اذان کی دعاء

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اذان کے بعد یہ دعاء پڑھی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَ الصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَ عَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ (بخاری ج ا ص ۸۶ بیہقی ج ا ص ۴۱۰)

اے اللہ! جو کہ اس پوری پکار (اذان) اور قیامت تک قائم رہنے والی نماز کا پروردگار ہے، عطا کر محمد ﷺ کو وسیلا اور فضیلت اور پہنچا انہیں اس مقام محمود میں جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اذان کے بعد اس دعاء کو پڑھنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اہل ایمان ہی کے لیے ہوگی۔ (مرقات المفاتیح ج ا ص ۴۲۵)

اوقاتِ نماز

فجر کا وقت:

نماز فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ۔

نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے اس وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو۔

(مسلم ج ا ص ۲۲۳ عن عبداللہ بن عمروؓ)

دوسری حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:

وَ لَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَ لٰكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيْرُ فِی الْاُفُقِ۔

صبح کاذب تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے، صبح صادق تو افق میں ہوتی ہے۔

(ترمذی ج ا ص ۸۸ مسلم ج ا ص ۳۵۰ عن سمرۃ بن جندب)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہوتا ہے نہ کہ طلوع صبح

کاذب سے' اور صبح کاذب کا اجالا طول میں پھیلا ہوا ہوتا ہے اس کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے پھر صبح صادق نمودار ہوتی ہے اور اس کا اجالا افق کی جانب عرض میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

ظہر کا وقت:

ظہر کے وقت کی ابتداء زوال کے بعد سے ہوتی ہے اور اس کا آخری وقت عصر تک ہے۔ اور عصر کے وقت کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے' جب ہر چیز کا سایہ (اصلی سایہ کے علاوہ[1]) دو مثل ہو جائے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَوَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَ کَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ کَطُوْلِهٖ مَالَمْ یَحْضُرِ الْعَصْرِ. (مسلم ج ۱ ص ۲۲۳)

عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ظہر کا وقت اس وقت سے ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت تو زوال کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے مگر زوال کے فوراً بعد ظہر پڑھنی نہیں ہے بلکہ مؤخر کر کے پڑھنی ہے۔

مؤطا امام مالکؒ میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلٰی اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَاهُرَیْرَةَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ اَنَااُخْبِرُکَ صَلِّی الظُّهْرَاِذَا کَانَ ظِلُّکَ مِثْلُکَ وَ

عبداللہ بن رافع جو کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے غلام ہیں' نے حضرت ابوہریرہؓ سے نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا' ابوہریرہؓ نے جواب دیا' سنو! ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے مثل ہو جائے اور عصر اس

---

[1] سایہ اصلی کے علاوہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ جہاں کہیں بھی ایک مثل یا دو مثل سایہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں سایہ اصلی کی قید بہر حال موجود ہوتی ہے کیونکہ سایہ زوال کے بعد پڑنا شروع ہوتا ہے اور زوال کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہی اصلی سایہ کہلاتا ہے۔ (نودی علی المسلم ج ۱ ص ۲۲۴)

اَلْعَصْرِ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ. وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہو جائے۔ (مؤطا امام مالکؒ : ص۴)

اس کے علاوہ ظہر کے وقت کے سلسلے میں ان احادیث پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الْغِفَارِیِّؓ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ يُّؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ اَبْرِدْ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ.

(بخاری ج۱ص۷۸، مسلم ج۱ص۲۲۴)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے' مؤذن نے ارادہ کیا کہ ظہر کی اذان دے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈے وقت میں اذان دو' (کچھ دیر کے بعد) پھر اذان کا ارادہ کیا' حضورؐ نے پھر فرمایا ٹھنڈے وقت میں اذان دو یہاں تک کہ دیکھا ہم نے ٹیلہ کا سایہ' پس حضورؐ نے فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔ جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ الْيَوْمُ الْحَارُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

(مسلم ج۱ص۲۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب گرم دن ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَ ذَكَرَ اَنَّ النَّارَ اشْتَكَتْ اِلٰى رَبِّهَا فَاَذِنَ لَهَا فِیْ كُلِّ عَامٍ بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِی الشِّتَاءِ وَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب گرمی ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو' اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے' حضورؐ نے فرمایا کہ جہنم نے اپنے پروردگار سے شکایت کی تو اسے سال میں دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی گئی' ایک

نَفَسٍ فِي الصَّيْفِ. (حوالہ مذکورہ)

جاڑے میں ایک گرمی میں۔

(۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ قَالَتِ النَّارُ رَبِّ اَكَلَنِيْ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاْذَنْ لِيْ اَنْ اَتَنَفَّسَ فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَ نَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَمَا وَجَدْتُّمْ مِّنْ بَرْدٍ اَوْ زَمْهَرِيْرٍ فَمِنْ نَفَسِ جَهَنَّمَ حَرٍّ اَوْحَرُوْرٍ فَمِنْ نَفَسِ جَهَنَّمَ.

(حوالہ مذکورہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم نے کہا اے میرے پروردگار! میرے بعض حصے نے بعض کو کھالیا ہے پس مجھے سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما۔ چنانچہ اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی گئی۔ ایک سانس جاڑے میں ایک گرمی میں۔ پس جو سردی اور ٹھنڈک محسوس کرتے ہو وہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے اور جو گرمی و تپش محسوس کرتے ہو وہ بھی جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

یہ احادیث صرف بخاری و مسلم میں نہیں بلکہ بقیہ صحاح ستہ ابوداوٗد نسائی ترمذی ابن ماجہ کے علاوہ بھی بہت سی کتب حدیث میں موجود ہیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے دوسری طرف موسم گرما میں یہ ٹھنڈا وقت اسی وقت آتا ہے جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے خاص طور سے عرب جیسے گرم علاقے میں۔ اب جو لوگ ایک مثل پر ظہر کے وقت کو ختم سمجھتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ موسم گرما میں حدیث نبویؐ کے مطابق جب ظہر کا افضل وقت آتا ہے تو ان کے یہاں ظہر کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے اور حدیث نبویؐ کے مطابق مستحب وقت میں پڑھی ہوئی نماز ظہر ان کے نزدیک عصر کے وقت میں ادا ہوتی ہے یعنی قضا ہو چکی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ موطا امام مالکؒ کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ نے عبداللہ بن رافعؒ سے کہا تھا۔

صَلِّ الظُّهْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَ الْعَصْرِ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ. (ص۴)

ظہر پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے مثل ہو جائے اور عصر پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہو جائے۔

یہاں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس وقت میں نماز ظہر پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں وہ

مثل واحد کے قائلین کے نزدیک اختتام ظہر ہے نہ کہ وقت ظہر۔

ترمذی میں امامت جبرائیلؑ والی روایت میں ہے کہ دوسرے دن جبرائیلؑ نے ظہر کی نماز ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جانے کے بعد پڑھائی' وَصَلَّى الْمَرَّةَ الثَّانِيَةِ الظُّهْرِ حِيْنَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَهُ (ترمذی ج ا ص ۲۱) ظاہر ہے کہ دوسرے دن کی نماز ظہر' مثل ثانی میں ہوئی' اس سے صاف پتہ چلا کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک مثل ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے' اور اس وقت تک رہتا ہے' جب تک ہر چیز کا سایہ دو مثل نہ ہو جائے جیسا کہ موطا امام مالک کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا۔

بہر حال ان احادیث کا بدیہی تقاضا ہے کہ مثل واحد پر وقت ظہر کو ختم نہ کہا جائے بلکہ مثلین تک مانا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز ظہر مثل واحد تک پڑھ لی جائے اور نماز عصر مثلین سے قبل نہ پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازوں میں احتیاط کے پہلو پر عمل ہو جائے۔

عصر کا وقت:

ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔

مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرِ. (بخاری ج ا ص ۸۲' مسلم ج ا ص ۲۲۱)

جس نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی اس نے عصر پالی۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ

لَمَا كَانَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَاءَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَ بُيُوْتَهُمْ نَارًا كَمَا حَسَبُوْنَا وَ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ لِمُسْلِمِ فِيْ رِوَايَةِ شَغَلُوْنَا عَنِ

غزوہ احزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کفار کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے جیسے انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھنے دی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر

اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی صَلٰوةِ الْعَصْرِ. نہیں پڑھنے دی۔

(بخاری ج ۲ص ۵۹۰، مسلم ج اص ۲۲۶)

مغرب کا وقت:

نماز مغرب کا وقت سورج ڈوبتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور شفق ابیض کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔

وَ وَقْتُ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ. (مسلم ج اص ۲۲۳ عن ابن عمروؓ)

مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔

سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے۔

اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّی الْمَغْرِبِ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسِ وَ تَوَارَتِ بِالْحِجَابِ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب اس وقت ادا کرتے جب سورج ڈوب جاتا اور پردہ میں چھپ جاتا۔

(بخاری ج اص ۷۹، مسلم ج اص ۲۲۸)

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے۔

يُصَلِّی الْمَغْرَبِ حِيْنَ تُسْقِطِ الشَّمْسِ وَ يُصَلِّی الْعَشَآءِ حِيْنَ يَسْوَدَّ الْاُفُقُ وَ رُبَمَا يُؤَخِّرُهَا حَتّٰى يَجْتَمِعَ النَّاسُ. (ابوداؤد ج اص ۷۲)

نماز مغرب پڑھتے جب سورج ڈوب جاتا اور عشاء پڑھتے جب افق پر سیاہی پھیل جاتی اور کبھی اس کی مؤخر بھی کرتے یہاں تک کہ لوگ جمع ہو جاتے۔

بالاتفاق عشاء کا وقت مغرب کا وقت ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ افق کا سیاہ ہو جانا شفق ابیض کے بعد ہی ہوتا ہے کیونکہ شفق احمر کے بعد شفق ابیض طلوع ہوتی ہے اور شفق ابیض کے بعد رات کی سیاہی پھیلنے لگتی ہے۔

عشاء کا وقت:

مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی عشاء کا وقت آ جاتا ہے اور طلوع صبح صادق تک رہتا ہے۔

امامت جبرائیلؑ والی حدیث میں ہے۔

وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَآءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ. مجھے عشاء پڑھائی جب شفق غائب ہوگئی۔

(ابوداؤد ج اص ۷۱)

نافع بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کی جانب خط لکھا۔

وَصَلِّ الْعِشَآءَ اَیَّ اللَّیْلِ شِئْتَ وَلَا تُغْفُلْهَا. (شرح معانی الآثار ج اص ۷۸) عشاء پڑھو رات کے جس حصے میں چاہو اور اس سے غافل مت رہو۔

عبید بن جریج سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ ما افراط صلوٰۃ العشاء (عشاء کا آخری وقت کیا ہے؟) حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا طُلُوْعِ الْفَجْرِ (صبح صادق کا طلوع) (حوالہ مذکورہ)

وتر کا وقت:

عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھی جاتی ہے۔ وتر کے وقت کے متعلق خارجہ بن خذافہؓ فرماتے ہیں۔

قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَکُمْ بِصَلٰوۃٍ ھِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِّنْ حُمُرِ النَّعَمِ وَ ھِیَ الْوِتْرُ فَجَعَلَھَا لَکُمْ فِیْ مَا بَیْنَ الْعِشَآءَ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ.

رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اللہ نے تم لوگوں کو ایک ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے پس اسے بنایا ہے' تمہارے لیے عشاء اور طلوع صبح صادق کے درمیان۔

(ابوداؤد ج اص ۲۱۸' ترمذی ج اص ۴۰' ابن ماجہ ص ۸۳)

مستحب اوقات

یہاں تک نماز پنجگانہ کے ابتدائی اور انتہائی اوقات بیان کیے گئے' اب ان اوقات کو بیان کیا جارہا ہے جن میں نماز پنجگانہ کو ادا کرنا مستحب اور افضل ہے۔

فجر کا مستحب وقت:

نماز فجر کا مستحب وقت یہ ہے کہ اسفار کر کے پڑھی جائے یعنی ایسے وقت میں شروع ہو کہ روشنی خوب پھیل جائے' لیکن اتنا وقت ضرور ہو کہ اگر خدانخواستہ نماز کو دہرانا پڑ جائے تو طلوع

آفتاب سے پہلے ہی اسے مستحب طریقے سے دہرایا جا سکے۔

عَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ. (ترمذی ج ۱ ص ۲۲)

رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا فجر میں خوب اجالا کرو اس لیے کہ وہ اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

نسائی شریف میں ہے۔

مَا اَسْفَرْتُمْ بِالصُّبْحِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ. (ج ۱ ص ۹۴)

تم صبح کی نماز میں جس قدر اسفار کرو گے وہ اجر کے اعتبار سے بڑا ہے۔

ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے۔

اَصْبِحُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِاُجُوْرِكُمْ اَوْلِاَجْرِكُمْ.

(ابن ماجہ ص ۴۹، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۶)

صبح کی نماز خوب صبح کر کے پڑھو کیونکہ یہ چیز تمہارے لیے اجر وثواب کے اعتبار سے بڑی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا نور بصلاة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نیلهم من الاسفار (صبح کی نماز روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے تیراندازی کے نشانہ کو دیکھ لیں) (ج ۱ ص ۳۲۱)

ظہر کا مستحب وقت:

گرمی کے موسم میں نماز ظہر میں تاخیر اور سردی کے موسم میں تعجیل افضل ہے جیسا کہ گرمی میں نماز ظہر پڑھنے کے متعلق بخاری ومسلم کی یہ روایت گزر چکی ہے۔

فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ. (بخاری ج ۱ ص ۷۷، مسلم ج ۱ ص ۲۲۴)

جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

یا یہ روایت۔

اِذَا كَانَ الْيَوْمُ الْحَارُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. (مسلم ج ۱ ص ۲۲۴)

جب گرم دن ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لیے کہ گرمی کی سختی جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

اور سردی کے موسم میں نماز ظہر جلد پڑھنے کے متعلق یہ روایت ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ. (نسائی ج ا ص ۸۷، بخاری ج ا ص ۱۲۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرمی کے موسم میں نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے اور سردی میں جلدی پڑھتے۔

عصر کا مستحب وقت:

عصر کے وقت میں تاخیر مستحب ہے (دیکھئے ترمذی ج ا ص ۲۳، ام سلمہؓ کی روایت نیز تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۲ تحت آیت کریمہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ - الخ بخاری ج ا ص ۷۹، ابوداؤد ج ا ص ۵۹) لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ سورج غروب ہونے کے قریب آ جائے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ یَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اصْفَرَّتْ وَ کَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ قَامَ فَنَقَرَھَا اَرْبَعًا لَایَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْھَا اِلَّا قَلِیْلًا. (مسلم ج ا ص ۲۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی نماز یہ ہے کہ وہ بیٹھا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج پیلا پڑنے لگتا ہے اور غروب کے قریب ہوتا ہے تو اٹھ کر جلدی جلدی چار چونچیں مار لیتا ہے اور نہیں یاد کرتا اللہ کو اس میں مگر بہت کم۔

مغرب کا مستحب وقت:

نماز مغرب سورج ڈوبتے ہی بلا تاخیر ادا کرنی چاہیے۔

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْقَالَ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِکَ النُّجُوْمُ. (ابوداؤد ج ا ص ۵۷، ابن ماجہ ص ۵۰ عن عباس و مشکوٰۃ ج ا ص ۶۱)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر بھلائی پر رہے گی یا حضورؐ نے فرمایا فطرت اسلام پر رہے گی جب تک وہ لوگ مغرب کو اس وقت تک مؤخر نہیں کریں گے کہ ستارے نکل آئیں۔

عشاء کا مستحب وقت:

نماز عشاء کو آدھی رات یا تہائی رات تک مؤخر کرنا افضل ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۷، ۸۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَ مَرْتُهُمْ اَنْ یُؤَخِّرُوْا الْعِشَآءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو انہیں ضرور حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کریں۔

(ترمذی ج ۱ ص ۲۳، ابن ماجہ ص ۵۰)

لیکن اگر اتنی تاخیر کرنے سے یہ خطرہ ہو کہ لوگ جماعت میں زیادہ شریک نہ ہوں گے اور جماعت کم ہو جائے گی تو اتنی تاخیر نہیں کرنی چاہیے اور عشاء کا وقت ہو جانے کے بعد ایسے وقت میں نماز پڑھ لینی چاہیے، جس میں زیادہ لوگوں کے آنے کا امکان ہو۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز عشاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یوں بیان کرتے ہیں۔

وَ الْعِشَآءِ اِذَا کَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَ اِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ.

اور عشاء جب لوگ زیادہ ہوتے تو جلد پڑھاتے اور کم ہوتے تو مؤخر کرتے (اس خیال سے کہ جو لوگ نہیں آسکے ہیں وہ آجائیں اور جماعت بڑی ہو جائے)

(بخاری ج ۱ ص ۸۰، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت میں لوگوں کی کثرت تعداد کا لحاظ کیا جائے گا۔ جس وقت میں لوگوں کی زیادہ شرکت یقینی ہو اس وقت میں جماعت ہونی چاہیے اور جس وقت کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ کم تعداد میں لوگ شریک ہوں گے، وہ وقت جماعت کے لیے متعین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تکثیر جماعت اور تقلیل جماعت سے بھی نماز کے ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

وتر کا مستحب وقت:

جو آدمی اپنے اوپر یہ اعتماد رکھتا ہو کہ صبح صادق سے پہلے بیدار ہو سکتا ہے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے، وتر نہ پڑھے، اس کے بعد صبح صادق سے پہلے بیدار ہو کر وتر پڑھے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَ مَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ آخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَ ذَالِكَ اَفْضَلُ۔

(مسلم ج اص ۲۵۸' مشکوٰۃ ج اص ۱۱۱)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے یہ خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ نہیں پائے گا اسے اول شب میں ہی وتر پڑھ لینی چاہیے اور جسے آخر شب میں اٹھ جانے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے اس لیے کہ آخر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔

لیکن جس آدمی کو خوف ہو کہ وہ سوئے گا تو سویا ہی رہ جائے گا' نیند صبح صادق سے پہلے نہ کھلے گی' اسے نماز عشاء کے ساتھ ہی وتر پڑھ لینی ضروری ہے جیسا کہ خود حدیث سے ظاہر ہے---اور ''اول شب'' سے مراد عشاء سے قبل نہیں' عشاء کے بعد ہے کیونکہ وتر کا وقت ہی نماز عشاء کے بعد ہے جیسا کہ وتر کے وقت کی حدیث گزر چکی ہے۔

اول وقت سے کیا مراد ہے؟:

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر نماز' ہمیشہ اول وقت میں پڑھنا ہی مستحب و مسنون نہیں ہے بلکہ کبھی کسی نماز کی تاخیر مسنون و مستحب ہوتی ہے' کبھی تعجیل' مثلاً نماز عشاء کے متعلق ہی حضور ﷺ کا دونوں عمل (تعجیل و تاخیر کا) بخاری و مسلم کے حوالے سے گزر چکا ہے' اسی طرح عصر کی نماز بادل کے موسم میں جلدی پڑھ لینے کا حکم ہے (بخاری ج اص ۸۳) گرمی کی ظہر ٹھنڈے وقت میں اور سردی میں تعجیل کے ساتھ پڑھنے کی بھی احادیث گزر چکیں' نماز فجر کو تکثیر جماعت کی خاطر اسفار میں پڑھنے کی حدیث بھی گزر چکی- اسی طرح وتر کے متعلق بھی گزر چکا ہے کہ جو شخص خود سے بیدار ہو سکے اس کے لیے صبح صادق سے قبل وتر پڑھنا افضل و مستحب ہے اور جسے سوئے رہ جانے کا خطرہ ہو وہ عشاء کے بعد پڑھ لے۔

یہ تمام احادیث اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ تمام نمازوں کو اول وقت میں ہی پڑھنے کو افضل و مستحب قرار دینا احادیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے- رہیں وہ احادیث جن میں اول وقت میں نماز پڑھنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے' تو اس سے مراد مستحب وقت کا اول ہے نہ کہ نماز کے پورے وقت کا اول' گویا مستحب وقت شروع ہوتے ہی نماز ادا کر لینی چاہیے' اس میں قطعی تاخیر

نہیں کرنی چاہیے---- مثلاً یہ حدیث

يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَ الْجِنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَ الْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَّهَا لَهَا كُفُوًا. (ترمذی ج ۱ص ۲۴)	اے علیؓ! تین چیزوں کو مؤخر نہ کرنا' نماز جب اس کا وقت ہو جائے' جنازہ جب حاضر ہو جائے اور بن بیاہی لڑکی' جب اس کا کفو مل جائے (فوراً) شادی کر دینا۔

یعنی اے علیؓ! جب نماز کا مستحب وقت ہو جائے تو ادائیگی میں تاخیر نہ کرنا اور یہ حدیث

اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَ الْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰهِ. (ترمذی ج ۱ص ۲۴ عن ابن عمرؓ)	نماز کا اول وقت اللہ کی رضا مندی کا سبب ہے اور آخر وقت اللہ کی طرف سے معافی ہے۔

اس حدیث میں بھی اول وقت سے مستحب وقت کا اول مراد ہے اور یہ حدیث

عَنْ اُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا. (ترمذی ج ۱ص ۲۴' ابوداود ج ۱ص ۶۷)	ام فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا نماز اس کے اول وقت میں۔

یہاں بھی اول وقت سے مراد مستحب وقت کا اول ہے نہ کہ پورے وقت کا اول اسی طرح یہ احادیث۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْقَالَ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَاتَامُرُنِيْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّهٖ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ. (ابوداود ج ۱ص ۷۷)	حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوذرؓ! تمہارا کیا حال ہو گا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نماز کو مردہ کر کے پڑھیں گے' یا حضورؐ نے یوں فرمایا کہ نماز کو مؤخر کریں گے' میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا نماز کو نماز کے وقت میں پڑھ لینا۔ پس اگر ان کے ساتھ بھی پڑھنا پڑ جائے تو وہ بھی پڑھ لینا' وہ تمہارے لیے نفل ہو گی۔

دوسری روایت میں ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ بِکُمْ اِذَا اَتَتْ عَلَیْکُمْ اُمَرَاءُ یُصَلُّوْنَ الصَّلٰوۃَ لِغَیْرِ مِیْقَاتِهَا...الخ. (حوالہ مذکورہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہو جائیں گے جو نماز پڑھیں گے مگر غیر وقت میں۔

عبادہ بن صامتؓ کی روایت میں ہے۔

تَشْغَلُهُمْ اَشْیَاءُ عَنِ الصَّلٰوۃِ لِوَقْتِهَا حَتّٰی یَذْهَبَ وَقْتُهَا.

(ابوداؤد ج ا ص ٧٨)

دنیاوی چیزیں انہیں نماز کو نماز کے وقت میں پڑھنے سے غافل کر دیں گی یہاں تک کہ نماز کا وقت چلا جائے گا۔

قبیصہ بن وقاصؓ کی روایت میں ہے یوخرون الصلوۃ نماز کو مؤخر کریں گے۔ (حوالہ مذکورہ)

ان تمام احادیث کا مطلب یہی ہے کہ وہ امراء کاروبار حکومت میں لگے رہیں گے اور نماز سے غافل رہ کر مستحب وقت گزار کر پڑھیں گے کیونکہ ایسے وقت میں نماز ادا کرنا کہ نماز کا وقت جانے لگے یا نماز کو مار کر پڑھنا سوائے مکروہ وقت کے کسی اور میں نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان تمام احادیث میں ''اول وقت'' سے ''وقت مستحب'' کا اول مراد نہ لیا جائے تو ان احادیث اور سابقہ احادیث میں صریح تعارض پیدا ہو جائے گا جب کہ سابقہ احادیث کی صحت میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ لہٰذا جمعاً بین الاحادیث ضروری ہے کہ ان احادیث میں اول وقت سے مستحب وقت کا اول مراد ہو نہ کہ کسی نماز کے پورے وقت کا اول (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ١٦٩ جس میں صراحتہً امام ابن خزیمہؒ نے لکھا ہے کہ اول وقت اپنے لفظی عموم کے باوجود احادیث مذکورہ کے پیش نظر عام نہیں)

اوقاتِ ممنوعہ

طلوع، غروب، زوال:

درج ذیل تین اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

(۱) سورج نکلتے وقت (۲) زوال کے وقت (۳) سورج ڈوبتے وقت۔

مسلم شریف کی روایت ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلٰثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْنَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَ حِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَ حِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ. (ج ا ص ۲۷۶ بلوغ المرام ص ۱۳)

عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو تین اوقات میں نماز پڑھنے یا مردوں کو دفن کرنے (مراد نماز جنازہ پڑھنے) سے منع فرمایا ہے، جب سورج نکل رہا ہو یہاں تک کہ نکل کر بلند ہو جائے، اور جب کہ زوال کا وقت ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج غروب کے قریب ہو یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

ان اوقات میں نماز جنازہ بھی جائز نہیں کیونکہ الفاظ حدیث اَوْنَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا سے مراد بالا جماع نماز جنازہ ہی ہے ورنہ اوقات مذکورہ میں تدفین میت کسی کے نزدیک بھی ممنوع نہیں ----اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی جائز نہیں کیونکہ احکام کے اعتبار سے وہ بھی نماز کے معنی میں ہے[۱]

البتہ اسی دن کی عصر کی نماز سورج ڈوبتے ہوئے بھی جائز ہے، لیکن نماز فجر، سورج نکلتے ہوئے جائز نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ فجر کا وقت سورج نکلتے ہی ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت سورج ڈوبنے سے ختم نہیں ہو جاتا جب تک کہ بالکل نہ ڈوب جائے ہاں ڈوبتے وقت، عصر کا وقت کامل

---

[۱] لیکن اگر جنازہ اسی وقت تیار ہوا ہو یا آیت سجدہ اسی وقت تلاوت کی ہو تو نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت دونوں جائز ہیں وقت ناقص کا اعتبار کرتے ہوئے۔

نہیں ہوتا ناقص ہوتا ہے اور وجوب اداوقت کی طرف منسوب ہوتا ہے لہٰذا ناقص وقت میں وجوب بھی ناقص' لہٰذا ادائیگی بھی ناقص ہوگی۔ اور فجر کے وقت میں سورج نکلنا شروع ہونے تک وقت کامل تھا لہٰذا وجوب بھی کامل اور سورج نکلنا شروع ہوتے ہی وقت ختم ہوگیا لہٰذا کامل وجوب کو ناقص طریقے سے ادا کرنا درست نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِذَا اَدْرَکَ اَحَدُکُمْ سَجْدَۃً مِّنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْیُتِمَّ صَلٰوتَہٗ. (بخاری ج۱ص۷۹)

جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالے اسے چاہیے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔[1]

نماز فجر اور نماز عصر کے بعد:

نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک' اور نماز عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک' کوئی نفل یا سنت جائز نہیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ.

(بخاری ج۱ص۸۲' مسلم ج۱ص۲۷۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے' اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غائب ہو جائے۔

---

[1] کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہی حکم حدیث سے نماز فجر کے متعلق بھی ثابت ہوتا ہے' پھر سورج نکلتے ہوئے نماز فجر ادا کرنے کی اجازت کیوں نہیں۔ " جواب یہ ہے کہ عقبہ ابن عامر کی مذکورہ روایت اور اس روایت میں تعارض پیدا ہوا وہ یہ کہ اس حدیث سے سورج ڈوبتے وقت اور نکلتے وقت نماز کی ممانعت ثابت ہوئی ہے اور اس حدیث سے جواز' لہٰذا اصولاً اس بات کی طرف نظر کی گئی کہ سورج نکلتے ہی فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور سورج ڈوبتے ہی عصر کا وقت ختم نہیں ہو جاتا ہے' جب تک سورج مکمل ڈوب نہ جائے لہٰذا عصر کے وقت میں ناقص وقت کا اعتبار کرنے کی گنجائش نے نماز عصر کے متعلق حدیث کے جزء کو ترجیح دی۔ اور نماز فجر کے لیے کوئی وجہ ترجیح نہیں بلکہ تعارض پورا پورا موجود ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے طحاوی شریف ج۱ص۱۹۴)

حضرت عمر بن خطابؓ و عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی احادیث منقول ہیں۔ (بخاری ج ا ص ۸۲، مسلم ج ا ص ۲۷۵)

ایک اور روایت میں ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَ قَدْنَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ. (بخاری ج ا ص ۸۳)

حضرت معاویہؓ (اپنے زمانہ کے کچھ لوگوں کو مخاطب کر کے) کہتے ہیں تم لوگ (عصر کے بعد بھی) نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے۔ ہم نے حضورؐ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یعنی نماز عصر کے بعد دو رکعتیں۔

فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے سنت فجر بھی جائز نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے اس کے علاوہ ملاحظہ کیجئے یہ حدیث۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ. (ترمذی ج ا ص ۵۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں، وہ انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔

جن روایتوں سے نماز کے بعد ہی سنت پڑھنے کی اجازت ظاہر ہوتی ہے وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔ (دیکھئے ترمذی ج ا ص ۵۷، آثار السنن الجزالثانی ص ۳۴ تا ۳۷ مع حاشیہ)

جس شخص کی سنت کے ساتھ ساتھ نماز فجر بھی چھوٹ گئی ہو وہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد دونوں کی ایک ساتھ قضا کرے۔ پہلے سنت پڑھے پھر فرض پڑھے جیسا کہ لیلة التعریس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔[1] (مسلم ج ا ص ۲۳۸، ابوداؤد ج ا ص ۶۹، نسائی ج ا ص ۱۳۵)

---

[1] لیلة التعریس کا مفہوم ہے رات کے آخری حصے میں قیام، لیلة التعریس کا واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب، رات میں سفر کر رہے تھے۔ رات کے آخری حصے میں طلوع صبح صادق سے قبل ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ جاگتے رہیں۔ طلوع صبح صادق پر اذان دیں اور سب لوگوں کو جگائیں، اس کے بعد حضورؐ اور تمام صحابہ کرام سو گئے اور حضرت بلالؓ اپنے اونٹ کی پالان کی ٹیک لگا کر =

صبح صادق کے بعد:

صبح صادق طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی اور سنت یا نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نماز و عبادت میں اس قدر رغبت و خواہش رکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت ہی پڑھتے تھے اس کے علاوہ کوئی اور نفل یا سنت نہیں پڑھتے تھے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اُخْتِهٖ حَفْصَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُصَلِّىْ اِلَّا رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ.

(بخاری ج ا ص ۱۵۷، مسلم ج ا ص ۲۵۰ واللفظ لہٗ و ترمذی ج ا ص ۵٦)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع صبح صادق کے بعد سوائے دو ہلکی پھلکی رکعتوں کے کوئی اور (نفل یا سنت) نہیں پڑھتے تھے۔

غروب آفتاب کے بعد:

سورج ڈوبنے کے بعد مغرب سے پہلے بھی کوئی نفل جائز نہیں کیونکہ یہ تاخیر مغرب کو مستلزم ہے جب کہ نماز مغرب جلد پڑھنے کی تاکید ہے۔

عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اُمَّتِىْ بِخَيْرٍ اَوْقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَالَمْ

ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت برابر بھلائی پر رہے گی یا یہ فرمایا کہ فطرت اسلام پر رہے گی جب تک وہ

مشرق کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے کہ اسی طرف سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے مگر سب لوگوں کی طرح وہ بھی تھکے ہوئے تھے اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھنے سے انہیں بھی نیند آ گئی اب سب لوگ سو گئے، کسی کی نیند نہیں کھلی یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے جس کی نیند کھلی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ نے جلدی جلدی سب کو جگایا اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کیوں بلال! یہ کیا ہوا؟ حضرت بلال نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ! جس ذات نے آپ کو سلایا اسی نے مجھے بھی سلا دیا۔ آپؐ نے فرمایا یہاں سے چلو، یہ جگہ شیطانوں کا بسیرا ہے۔ چنانچہ سب لوگ وہاں سے چل پڑے اور کچھ دور جا کر پھر رکے فجر کی اذان ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام نے فجر کی دو رکعت سنت پڑھی پھر جماعت کے ساتھ نماز ہوئی۔

يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ. (ابوداؤد ج ا ص ۷۵) لوگ نماز مغرب میں تاخیر نہیں کریں گے۔

طاؤسؒ کی روایت میں ہے۔

سُئِلَ ابْنِ عُمَرَ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ فَقَالَ مَارَأَيْتُ اَحَدًا يُصَلِّيهِمَا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مغرب سے قبل دو رکعتوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے زمانے میں کسی کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔

خلفائے راشدین حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ وغیرہم نماز مغرب سے پہلے کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے بلکہ نماز مغرب ہی ادا کرتے تھے۔

(آثار امام محمد ص ۴۷، کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۲ عن منصور عن ابیہ)

خطبہ کے وقت:

خطبہ جمعہ کے وقت بھی کوئی نماز جائز نہیں۔ بس خاموشی کے ساتھ خطبہ کی طرف ہی متوجہ رہنا چاہیے۔

سلمان فارسیؓ کی روایت میں ہے۔

ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ. (بخاری ج ا ص ۱۲۱، ص ۱۲۴)

پھر نماز پڑھے جو مقرر کی گئی ہے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے۔

عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے۔

إِذَا قَعَدَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلٰوةَ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۱)

جب امام منبر پر بیٹھ جائے پس کوئی نماز جائز نہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ وَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلٰوةَ وَ لَا كَلَامَ حَتّٰى يَفْرُغَ الْإِمَامُ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْكَبِيْرِ. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۴)

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہو تو نہ کوئی نماز جائز ہے نہ بات چیت، یہاں تک کہ امام فارغ ہوئے۔

اس سلسلے کی مزید مفصل احادیث آگے آرہی ہیں۔

تعداد رکعات

فرض نمازوں کی تعداد رکعات:

فجر دو رکعات، ظہر چار رکعات، عصر چار رکعات، مغرب تین رکعات، عشاء چار رکعات ہیں- ان نمازوں کی تعداد رکعات کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک امت کا اجماعی عملی تواتر تو موجود ہے ہی، اس کے علاوہ ہر کتب حدیث کے کتاب الصلوۃ میں یہ سارے امور مفصل بیان کر دیئے گئے ہیں- یہاں تک کہ یہ بھی کہ کس کی کس رکعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سی سورہ یا کون سا رکوع پڑھا کرتے تھے-

سنت مؤکدہ:

پانچوں نمازوں میں سنت مؤکدہ بارہ رکعتیں ہیں- ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا-

مَنْ صَلّٰی فِیْ یَوْمٍ وَّ لَیْلَةٍ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً بُنِیَ لَهٗ بَیْتٌ فِی الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَهَا وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ. (ترمذی ج ا ص ٥٦)

جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا، چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے-

مسلم شریف کی روایت میں ہے-

ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً تَطَوُّعًا غَیْرَ فَرِیْضَةٍ. بارہ رکعتیں زائد، فرض کے علاوہ [1] (ج ا ص ٢٥١)

سنت غیر مؤکدہ:

(ا) ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے- (ترمذی ج ا ص ٥٧، ابوداؤد ج ا ص ١٩٦) ظاہر ہے کہ ظہر کے بعد دو رکعت تو سنت

---

[1] وتر کی تعداد رکعات کا مفصل بیان اسی کتاب کے ص ٢١٩ پر اور نماز جمعہ و عیدین کی تعداد رکعات کا ص ٢٣٢ پر آ رہا ہے ٢٥١

مؤکدہ ہوتی تھی، جیسا کہ حدیث گزری۔ اور بقیہ جو بچی وہ سنت غیر مؤکدہ ہوئی۔

(۲) ابن عمرؓ کی روایت میں ہے۔

رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاءً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا. — اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی۔ (ترمذی ج اص ۵۷، ابوداؤد ج اص ۱۹۶)

حضرت علیؓ کی ایک روایت میں دو رکعت کا بھی تذکرہ ہے (حوالہ مذکورہ) اس سے ثابت ہوا کہ گنجائش ہو تو چار رکعات پڑھے اور چار کی گنجائش نہ ہو تو دو ہی پڑھ لے۔

(۳) مکحولؒ کی روایت میں مغرب کے بعد دو سنت مؤکدہ کو شامل کر کے کل چار رکعات کا تذکرہ ہے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ج اص ۱۰۵ بحوالہ بیہقی) ظاہر ہے کہ بعد والی دو سنت غیر مؤکدہ میں داخل ہے۔

(۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءِ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَىَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْسِتَّ رَكَعَاتٍ. — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عشاء پڑھ کر میرے پاس آئے، آنے کے بعد چار رکعات یا چھ رکعات پڑھیں۔ (ابوداؤد ج اص ۲۰۱)

جماعت کے احکام

جماعت کے فضائل:

جماعت کی نماز، تنہا نماز سے ستائیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً. — جماعت کی نماز، تنہا کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔ (بخاری ج اص ۸۹ عن عبداللہ بن عمرؓ)

دوسری حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے قصد کر لیا تھا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان دی جائے، میں کسی کو حکم دوں کہ وہ نماز پڑھا دے، اور میں ان لوگوں کے یہاں جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوئے، اور ان سمیت ان کے گھروں کو جلا دوں (بخاری ج اص ۸۹) دوسری روایت میں ہے کہ اگر ان کی عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتا (کہ بے چارے بلا قصور ہلاک ہو جائیں گے) تو

میں ضرور ایسا کر گزرتا۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۸ بحوالہ مسند احمد)

ایک بار ایک نابینا صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی مسجد تک لانے والا نہیں ہے، کیا میں گھر میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے اجازت دے دی، جب وہ واپس جانے لگے تو حضورؐ نے پھر بلوایا اور فرمایا کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا: فاجب (تو جماعت میں ضرور شریک ہو)۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۳۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مومن کامل کی حیثیت سے ملاقات کرے، اسے چاہیے کہ وہ نماز پنجگانہ کو باجماعت ادا کرے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم منافقوں کی طرح بلا عذر مسجدوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے، اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جائے گے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۳۲)

جماعت کی کم سے کم تعداد:

اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم ہو جائے گی، ایک امام بنے، دوسرا مقتدی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اثْنَانِ فَمَا فَوْقَھُمَا جَمَاعَۃٌ. (ابن ماجہ ص ۶۹)	ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو یا دو کے اوپر جماعت ہیں۔

اس صورت میں امام، مقتدی کو اپنے دائیں جانب ذرا سا نیچے کھڑا کرے اور اگر ایک اور مقتدی آ جائے تو اسے بائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، اور نماز میں ہی امام آگے بڑھ جائے۔ (اگر آگے بڑھنے کی جگہ ہو) ورنہ مقتدی ہی پیچھے ہٹ کر عام جماعت کی طرح کھڑے ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۰)

امامت کا حق:

امامت کا حق دار وہ شخص ہے جو علم و فضل میں بڑھا ہوا ہو حضور ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کے لیے منتخب فرمایا (دیکھئے بخاری ج ۱ ص ۹۳) جب کہ قرآن پڑھنے میں حضرت ابی ابن کعبؓ ان سے آگے تھے، خود حضورؐ کا ارشاد تھا اقرء کم ابی بن کعب (تم میں سب سے اچھے قاری ابی بن کعبؓ ہیں) لیکن ان کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا

کہ وہ نماز پڑھائیں۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کا باب یوں باندھا ہے باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ (اہل علم وفضل امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

صفوں کی درستگی:

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

سَوُّوا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اَقَامَةِ الصَّلٰوةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ عَنْ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ. (بخاری ج۱ص۱۰۰، مسلم ج۱ص۱۸۲).

اپنی صفوں کو سیدھا رکھو اس لیے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا اقامت صلوٰۃ میں سے ہے۔ اور مسلم میں ہے کہ نماز کی تمامیت میں سے ہے۔

صفوں کی درستگی کا طریقہ یہ ہے کہ کندھا کندھے سے ملا رہے۔

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَا كِبَنَا فِي الصَّلٰوةِ وَ يَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَ لَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ. (مسلم ج۱ص۱۸۱)

ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو پکڑتے اور فرماتے سیدھے رہو اور مختلف (مثلاً اوپر نیچے) نہ رہو۔ ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔

دوسری روایت میں ہے۔

رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَ قَارِبُوْا بَيْنَهُمَا وَ حَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَاَنَّهَا الْحَذَفُ. (ابوداود ج۱ص۱۱۳)

اپنی صفوں کو خوب ملاؤ اور قریب قریب کھڑے ہو اور گردنیں ایک دوسرے کے برابر کے رخ پر رکھو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صفوں کے درمیان داخل ہوتا ہے گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو نماز میں کندھوں

الصَّلٰوۃِ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۱۴) کے اعتبار سے سب سے زیادہ نرم ہو۔

یعنی صفوں کی درستگی کے لیے اگر کوئی کندھا پکڑے تو اکڑ کر کندھا سخت نہ کرے بلکہ اپنے بھائی کی بات مان کر صف کو صحیح اور سیدھا کرلے۔

کندھے سے کندھا ملانے کی کچھ حدیثیں یہ ہیں۔

سَوُّوا صُفُوْفَکُمْ وَ حَاذُوْ بَیْنَ مَنَاکِبِکُمْ وَ لِیْنُوْا فِیْ اَیْدِیْ اِخْوَانِکُمْ وَ سُدُّوا الْخَلَلَ رَوَاہُ اُحْمَدُ. (مشکوٰۃ ج ا ص ۹۹)

صفوں کو برابر رکھو اور کندھے، کندھوں کے مقابل کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو اور رخنہ (چھوٹی ہوئی جگہ) بند کرو۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے۔

اَقِیْمُوا الصُّفُوْفَ وَ حَاذُوْا بَیْنَ الْمَنَاکِبِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ.

صفیں سیدھی قائم کرو اور کندھے، کندھوں کے مقابل رکھو۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۹۹)

کندھوں کو ملانے کے ساتھ ساتھ قدم بھی بالکل قریب قریب ہوں اور درمیان میں گنجائش چھوڑ کر نہ کھڑے ہوں اور صفیں بالکل برابر ہوں۔ (بخاری ج ا ص ۱۰۰، فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۱)

صفوں کی ترتیب:

صفوں کی ترتیب اس طرح ہو کہ امام بیچ میں کھڑا ہو اس کے بعد پہلی صف لگے، وہ پر ہو جائے تو دوسری، اسی طرح تیسری۔ مگر اس بات کا خیال رہے کہ اگلی صفیں بالغوں کی ہوں اور بچوں کو اس کے بعد الگ صف میں کھڑا کیا جائے اور مخنثوں کی صف اس کے بعد۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۱۴ عن ابی مالک الاشعری)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۱۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امام کو بیچ میں کھڑا کرو اور رخنہ پر کرو۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے۔

لِیَلِنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَ النُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ

تم میں سے وہ لوگ میرے قریب کھڑے ہوں جو عقل و شعور رکھنے والے بالغ ہیں پھر وہ جوان سے

ثلاثًا. (مسلم ج اص ۱۸۱) ملے ہوئے ہیں، حضورؐ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔

اَتِمُّوا الصَّفَّ الْاَوَّلَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْهِ فَاِنْ کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ. (نسائی ج اص ۱۳۱)

پہلی صف پر کرو، پھر اس کے بعد والی صف، پس اگر صفوں میں کوئی کمی ہو تو وہ آخر والی صف میں ہو۔

امام کی ذمہ داری:

امام کو مقتدیوں کے حال کی رعایت کرنی چاہیے اور بہت لمبی قرأت جو قرأت مسنونہ سے بھی بڑھ جائے، یا بہت لمبا رکوع وسجدہ جو کہ تسبیحات مسنونہ سے بھی زائد ہو نہیں کرنا چاہیے، ہاں تنہا پڑھنا ہو تو جتنا جی چاہے طول دے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَ السَّقِیْمَ وَ الْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْیُطَوِّلْ مَاشَاءَ. (بخاری ج اص ۹۷)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے اس لیے کہ جماعت میں ضعیف، بیمار، بوڑھے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور جب تنہا پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔

دوسری روایت میں ہے۔

فَاَیُّکُمْ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْیَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَ الْکَبِیْرَ وَ ذَا الْحَاجَةِ. (حوالہ مذکورہ)

تم میں سے جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ ذرا عجلت کے ساتھ پڑھائے۔ اس لیے کہ جماعت میں ضعیف، بوڑھے اور ضرورت والے بھی شامل ہوتے ہیں۔

مقتدی کے فرائض:

مقتدی کو اپنے امام کی مکمل متابعت کرنی چاہیے، امام کے ساتھ نیت باندھنی چاہیے، امام کے ساتھ رکوع، سجدہ کرنا چاہیے، امام کے ساتھ قومہ، جلسہ، سلام وغیرہ کرے لیکن امام سے پہلے نہیں بلکہ کچھ بعد میں، یعنی نہ امام سے پہلے نیت باندھنی جائز ہے، نہ امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جانا یا

سلام پھیرنا' لیکن اتنی تاخیر بھی نہ ہو کہ مثلاً امام سجدہ سے سر اٹھالے تو یہ جائے ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰی صَلَاتَهٗ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّكُوْعِ وَ لَا بِالسُّجُوْدِ وَ لَا بِالْقِیَامِ. (مسلم ج ا ص ۱۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی' جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں' پس رکوع' سجدہ اور قیام میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے۔

لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا. (مسلم ج ا ص ۱۷۲)

امام پر سبقت نہ کرو۔ جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو۔

رکوع یا سجدہ میں جو شخص امام سے پہلے سر اٹھالے اس کے لیے بڑی سخت وعید آئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا یَخْشَی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ. (بخاری ج ا ص ۹۶' مسلم ج ا ص ۱۸۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا وہ شخص ڈرتا نہیں جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے' یہ کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے۔

مقتدی کو سارے ارکان امام کی طرح ہی ادا کرنے ہیں مگر قرأت خواہ سورہ فاتحہ کی ہو یا کسی بھی سورہ کی' امام کے ساتھ نہیں کرنی چاہیے بلکہ چپ چاپ امام کی قرأت کو سننا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَهَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ اِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا. (ابن ماجہ ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔

یہی روایت نسائی ج ا ص ۱۴۶ پر بھی موجود ہے۔

مسلم کی روایت جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت قتادہؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں۔

وَ اِذَا قَرَأَ فَانْصِتُوْا. (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴) اور جب قرأت کرے تو خاموش رہو۔

مقتدی کو چاہیے کہ امام کو جس حال میں پائے جماعت میں شریک ہو جائے۔ اب اگر قیام یا رکوع میں پایا ہے تو وہ رکعت پالی ورنہ وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَ نَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَ لَا تَعُدُّوْهُ شَیْئًا وَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوةَ. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۵)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو شمار نہ کرو اور جس نے رکعت پا لی اس نے نماز پالی۔

اس حدیث میں رکعۃ بالاتفاق بمعنی رکوع ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل (صفحہ ۱۹۳) پر آئے گی۔ دوسری حدیث میں جو کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ. (ترمذی ج ۱ ص ۷۶)

جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی حال میں ہو تو خود بھی ویسا ہی کرے جیسے امام کر رہا ہے۔

قرأت مسنونہ:

نماز فجر کے لیے:۔ نماز فجر میں حضور ﷺ نے کبھی سورۂ ق وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ و اللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ اور سورۂ مومنون پڑھی، کبھی سورۂ بقرہ کا رکوع قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا، اور سورۂ آل عمران کا رکوع یَا اَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ پڑھا (مسلم ج ۱ ص ۱۸۶) کبھی سورۂ طور، کبھی تکویر، وَ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ. الخ پڑھی۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۲، بخاری ج ۱ ص ۱۰۶، نسائی ج ۱ ص ۱۵۱)

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الم تنزیل پہلی رکعت میں اور سورۂ دہر دوسری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۲۲)

نماز ظہر کے لیے:۔ نماز ظہر میں حضورؐ نے کبھی وَ اللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی، سَبِّحِ اسْمَ

رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھی۔ (مشکوۃ ج ۱ ص ۷۹)

ایک روایت میں ہے کہ کبھی حضور ﷺ نماز ظہر کی دونوں رکعتوں میں اتنی دیر قیام فرماتے جتنی کہ الٓمّ تَنْزِیْلُ السجدہ کے پڑھنے میں لگے' بعض روایت میں ہے کہ تیس آیت کی مقدار ایک رکعت میں قیام فرماتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۵)

نماز عصر کے لیے :۔ نماز عصر میں حضورؐ نے کبھی سورہ واللیل اور سورہ اعلیٰ پڑھی' کبھی وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اور وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ پڑھی (مشکوۃ ج ۱ ص ۷۹) (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۳) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نماز عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں حضورؐ کا قیام' نماز ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کے قیام سے نصف ہوتا تھا۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۵)

نماز مغرب کے لیے :۔ نماز مغرب میں حضور ﷺ نے کبھی سورۂ طور' سورۂ مرسلات پڑھی' کبھی پوری سورۂ اعراف دونوں رکعتوں میں پڑھی' کبھی حم الدخان پڑھی' کبھی سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵' مسلم ج ۱ ص ۱۸۷' نسائی ج ۱ ص ۱۵۴' ابن ماجہ ص ۶۰)

نماز عشاء کے لیے :۔ نماز عشاء میں کبھی حضورؐ نے سورۂ والتین' کبھی سورہ والشمس پڑھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵' مسلم ج ۱ ص ۱۸۷) کبھی سورۂ والشمس' واللیل اور سورۂ اعلیٰ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۵۵)

نماز وتر کے لیے :۔ رسول اللہ ﷺ کبھی وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ' دوسری میں سورۂ کافرون' تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے (ترمذی ج ۱ ص ۶۱' نسائی ج ۱ ص ۱۵۱) کبھی تینوں رکعتوں میں نو سورتیں پڑھیں' ہر رکعت میں تین سورتیں اور آخری رکعت میں جو تین سورتیں پڑھتے تھے ان میں آخری سورۂ' سورۂ اخلاص ہوتی تھی۔ (ترمذی ج ۱ ص ۶۱)

نماز جمعہ کے لیے :۔ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ جمعہ' دوسری میں اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ پڑھتے تھے۔ کبھی سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھی۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۸۷ و ص ۲۸۸)

نماز عیدین کے لیے :۔ عیدین میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھی ہیں۔ جب کبھی عید جمعہ کے دن پڑھی تو جمعہ و عید دونوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۸۸)

کبھی عیدین میں سورۂ ق اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ پڑھیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۹۱)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے سلسلے میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے مجموعی طور پر پتہ چلتا ہے، نماز فجر وظہر میں طوال مفصل نماز عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور نماز مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مسنون و مستحب ہے۔

(نسائی ج ا ص ۱۵۴، مشکوٰۃ ج ا ص ۸۰)

طوال مفصل:- حجرات سے بروج تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں۔

اوساط مفصل:- بروج سے لم یکن تک کی سورتیں اوساط مفصل کہلاتی ہیں۔

قصار مفصل:- لم یکن سے الناس تک کی سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب اطمینان سے نماز پڑھنے کا موقع ہو۔ ورنہ سفر یا دیگر ضرورت کے موقع پر حالات کے تقاضے کے مطابق بڑی سورتوں کی جگہ چھوٹی سورتیں پڑھی جا سکتی ہیں، حضورؐ کے عمل سے ثابت ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے نماز فجر کی ایک رکعت میں سورۃ کافرون دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ کبھی دونوں رکعتوں میں اذا زلزلت پڑھی (ابوداؤد ج ا ص ۱۳۴) ایک بار سفر میں نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ فلق، دوسری میں سورۂ الناس پڑھی۔

(نسائی ج ا ص ۱۵۱)

نماز فجر کی دونوں رکعتوں اور نماز مغرب وعشاء کی پہلی دونوں رکعتوں میں حضورؐ جہراً قرأت فرماتے تھے، اسی طرح جمعہ وعیدین میں بھی۔ نماز ظہر وعصر کی چاروں رکعتوں نماز مغرب کی تیسری اور نماز عشاء کی دونوں آخری رکعتوں میں سراً پڑھتے تھے۔ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت وغیرہ صرف پہلی ہی دو رکعتوں میں ملاتے تھے، تیسری یا چوتھی میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور پہلی رکعت میں قرأت دوسری رکعت سے لمبی ہوتی تھی۔

(دیکھیے مشکوٰۃ جلد اول ص ۷۸ باب القرأت فی الصلوٰۃ وغیرہ)

جہاں سورہ ملائی ہوتی ہے، وہاں یا تو سورۂ پڑھی جائے یا کسی سورۂ کی کچھ آیتیں مگر وہ آیتیں چھوٹی ہوں تو کم از کم تین ضرور ہوں اور بڑی ہو تو تین آیت کے برابر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے یہی ثابت ہے۔

جماعت ہو رہی ہو تو آنے والا کیا کرے؟

کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو اسے فوراً جماعت میں

شریک ہو جانا چاہیے اگرچہ ظہر کا وقت ہو' پھر بھی سنت نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شریک ہو' اور سنت بعد میں پڑھے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ. (مسلم ج ۱ ص ۲۴۷)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو کوئی نماز جائز نہیں سوائے فرض کے۔

فجر کی سنت کا حکم:

البتہ فجر کی سنت اس سے مستثنیٰ ہے۔ جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت اس وقت تک ضرور پڑھنا چاہیے جب تک یہ گمان ہو کہ سنت پڑھ کر کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ ضرور پا جاؤں گا۔ کیونکہ ایک رکعت پانے والے کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے' لہٰذا جب تک جماعت کا ثواب مل جانے کی امید ہو سنت فجر پڑھے' لیکن اگر ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہو تو سنت فجر چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور پھر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کرے۔

سنت فجر کا استثناء اس لیے ہے کہ کسی سنت کی اتنی تاکید نہیں آئی جتنی کہ اس سنت کے لیے ہے' اور کسی سنت کی اتنی فضیلت نہیں جتنی اس سنت کی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا. (مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' فجر کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے۔

لَمْ یَكُنِ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰى شَیْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدُّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ. (بخاری ج ۱ ص ۱۵۶' مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے۔ جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

سنت فجر کی اہمیت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ قضا نمازوں کے پڑھتے وقت سنتوں کی قضا نہیں ہوتی بلکہ صرف فرائض و واجبات کی قضا ہوتی ہے' مگر حضور ﷺ نے لیلة التعریس

میں نماز فجر کی قضا پڑھتے وقت سنت فجر کی بھی قضا کی۔ (مسلم ج اص ۲۲۸ ابوداؤد ج اص ۷۹ صحیح ابن خزیمہ ج ۲ص ۱۰۰) اس کے علاوہ حضور ﷺ کو اس سنت کے پڑھنے کی جتنی جلدی ہوتی تھی کسی سنت کی اتنی جلدی نہیں ہوتی تھی۔ (مسلم ج اص ۲۵۱ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ)

امت کو اس سنت کی تاکید اس حدیث میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ وَ لَوْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ. (ابوداؤد ج اص ۱۹۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو خواہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

ابوداؤد کے اسی صفحہ پر اس حدیث سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایک روایت موجود ہے جس میں سنت فجر کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غایت اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے ایک طرف اوپر والی حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی اور نماز جائز نہیں، دوسری طرف یہ احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی سنت کو ہر حال میں پڑھنا ہے خواہ مصلی پر کچھ بھی گزر جائے۔ لہٰذا جمعاً بین الحدیثین اور سنتوں کے برخلاف سنت فجر کے لیے اتنی گنجائش دی گئی کہ جب تک جماعت کی فضیلت مل جانے کی امید ہو اس سنت کو ترک نہ کرے اور صحیح وقت پر ہی اسے ادا کرے (یعنی فرض سے پہلے) لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ سنت میں مشغول ہونے پر جماعت کا ثواب ہی چلا جائے گا تو مجبوراً اسے مؤخر کرے۔ جماعت میں شریک ہو اور سورج نکلنے کے بعد اس کی قضا کرے (جماعت کے بعد نہیں پڑھ سکتا کیونکہ فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک کسی نفل وغیرہ کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ اوقات ممنوعہ کی تفصیل میں گزرا۔

صحابہ کرامؓ کا طرز عمل:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے باوجود سنت فجر پڑھی جا سکتی ہے، البتہ جماعت کی صفوں سے الگ ہو کر کسی گوشے وغیرہ میں پڑھی جائے۔

عَنْ مَّالِکِ بْنِ مِغْوَلٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا یَقُوْلُ اَیْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَ قَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَامَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

مالک بن مغولؒ کہتے ہیں کہ میں نے نافع کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نماز فجر کے لیے جگایا اور نماز کی اقامت کہی جا چکی تھی، پس کھڑے ہوئے، پس دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت ابودرداؓ کے متعلق بھی اس قسم کی روایت موجود ہے۔

اِنَّہٗ کَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَ النَّاسُ صُفُوْفٌ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَیُصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ فِیْ نَاحِیَۃِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِی الصَّلٰوۃِ۔ (حوالہ مذکورہ)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوتے اور لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے پس مسجد کے گوشے میں دو رکعت پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے۔

حضرات صحابہؓ میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حذیفہؓ، عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے اور حضرات تابعین میں ابوعثمان نہدیؒ، مسروقؒ اور حسن بصریؒ سے بھی۔

(دیکھئے طحاوی ج ۱ ص ۱۸۳، آثار السنن الجزء الثانی ص ۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۰)

سترہ کا بیان:

اگر ایسی جگہ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا جماعت ہو رہی ہو، جہاں آگے سے لوگوں کے گزرنے کا امکان ہو تو آگے سترہ قائم کر لینا چاہیے تاکہ گزرنے والے سترہ کے بعد سے گزریں اور گنہگار نہ ہوں اور یہ بھی ان کو گناہ گار بنانے یا پریشانی میں مبتلا کرنے کا باعث نہ بنے۔

سترہ کا مطلب کوئی ایسی چیز رکھ لے جو کم از کم ایک ہاتھ لمبی اور انگلی کے برابر موٹی ہو۔

عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِثْلَ مُؤْخِرَۃِ الرَّحْلِ فَلْیُصَلِّ وَ لَا یُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِکَ۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۵)

طلحہ بن عبیداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوہ کے آخری حصہ کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو نماز پڑھے، اور اس کے آگے سے گزرنے والوں کی پروانہ کرے۔

مؤخرۃ الرحل (کجاوہ کے آخری حصہ) کی لمبائی اکثر ایک ذراع (ایک ہاتھ) ہوتی تھی۔

دوسری حدیث میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُ وْ اِلَى الْمُصَلّٰى وَ الْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَ تُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّى اِلَيْهَا. (بخاری ج ۱ ص ۱۳۳)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عیدگاہ تشریف لے جاتے تو برچھی حضور ﷺ کے سامنے عیدگاہ میں کھڑی کر دی جاتی اور آپ اسی طرف نماز پڑھتے۔

عنزہ (برچھی یا نیزہ) کی بھی لمبائی ایک ذراع ہوتی تھی اور موٹائی ایک انگلی کے برابر نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ سترہ سجدہ گاہ کے قریب رکھے نہ کہ بہت دور تاکہ گزرنے والوں کو بہت آگے سے نہ گزرنا پڑے۔

اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۷)

جب کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس سے قریب رہے۔

سترہ اپنی پیشانی کے بالکل مقابل نہ رکھے بلکہ دائیں یا بائیں بھوں کی طرف ہٹا کر رکھے۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَارَاَيْتُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ اِلَى عُوْدٍ وَّ لَا عُمُوْدٍ وَّ لَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَ لَا يَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۶)

مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے مگر یہ کہ آپ اسے دائیں یا بائیں ابرو کی طرف رکھتے تھے اور بالکل ہی سیدھے اس کی طرف رخ نہیں کرتے تھے۔

اگر باجماعت نماز ہو رہی ہو تو ہر ہر مصلیٰ کے آگے سترہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف امام کے آگے سترہ ہونا چاہیے امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لیے کافی ہوگا۔ بخاری و مسلم کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر صحرا و میدان میں نماز پڑھائی اور سترہ صرف حضورؐ کے ہی آگے ہوتا تھا، گزرنے والے سترہ کے آگے ہر ایک کے سامنے سے گزرتے رہتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۱)

سترہ کے مسائل پر مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے۔

(طحاوی شریف ج ا ص ۲۲۱، مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۷۳)

نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ:

نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّىٰ مَا ذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَّقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ.

(مسلم ج ا ص ۱۹۷، مشکوٰۃ ج ا ص ۷۴)

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا بڑا گناہ لکھا گیا تو نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر اس کے لیے چالیس سال تک کھڑا رہنا ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اگر اسے گناہ کا اندازہ ہو جائے تو وہ زمین میں دھنس جانے کو اس گناہ کے مقابلے میں اپنے لیے زیادہ آسان سمجھے گا۔ (موطا امام مالک ص ۵۹)

سترہ قائم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص سترہ کے درمیان سے گزر رہا ہے تو اسے سختی سے باز رکھنا چاہیے۔ (بخاری ج ا ص ۷۲، مسلم ج ا ص ۱۹۶)

نماز کے مفسدات و مکروہات

نماز میں بات چیت کرنا' سلام کرنا' سلام کا جواب دینا' کسی درد کی وجہ سے آہ' اوہ یا اف کرنا' درد اور مصیبت کی وجہ سے آواز کے ساتھ رونا[1] چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا' کسی کی چھینک پر یرحمک اللہ یا اس کے جواب میں یھدیکم اللہ کہنا' بری خبر پر اناللہ الخ پڑھنا' اچھی خبر پر الحمدللہ کہنا۔ دیکھ کر قرآن پڑھنا' کھانا پینا' کوئی ایسا کام کرنا کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ نماز میں نہیں ہے۔ ان ساری باتوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

معاویہ بن حکمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَایَصْلُحُ فِیْهَا شَیْئٌ مِنْ کَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِیَ التَّسْبِیْحُ وَ التَّکْبِیْرُ وَ قِرَاۃُ الْقُرْاٰنِ. (مسلم ج ۱ ص ۲۰۳)

یہ نماز' کلام الناس میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتی' یہ تو بس تسبیح' تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے۔

کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِی الصَّلٰوةِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِیِّ سَلَّمْنَا عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْنَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَیْکَ فِی الصَّلٰوةِ فَتَرُدُّ عَلَیْنَا فَقَالَ اِنَّ فِی الصَّلٰوةِ لَشُغْلاً.

(بخاری ج ا ص ۱۶۰' مسلم ج ا ص ۲۰۴)

ہم لوگ نماز کے دوران ہی حضورؐ کو سلام کیا کرتے تھے اور حضورؐ جواب بھی دیتے تھے' جب ہم نجاشی کے یہاں سے آئے (یعنی حبشہ کی ہجرت سے آئے) تو ہم نے حضورؐ کو سلام کیا' حضورؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا' ہم نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! پہلے تو ہم نماز میں ہی آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ جواب بھی دیتے تھے (اب کیوں نہیں جواب دیا؟) آپؐ نے فرمایا نماز کی مشغولیت کی وجہ سے۔

نماز میں نماز کے علاوہ کاموں میں مشغول نہیں ہونا چاہیے' عبداللہ بن مسعودؓ کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے۔

---

[1] لیکن جنت اور دوزخ کے ذکر پر رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوۃُ لِقِرَاۃُ الْقُرْآنِ وَ ذِکْرُ اللّٰہِ فَاِذَا کُنْتَ فِیْھَا فَلْیَکُنْ ذٰلِکَ شَانُکَ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۵۰)

نماز، قرأت قرآن اور ذکر اللہ کا نام ہے، جب تم نماز میں ہو تو وہی تمہاری شان ہونی چاہیے۔

نماز میں مٹی وغیرہ سے بچنے کے لیے کپڑوں کو سمیٹنا، انگلیاں چٹخانا، سجدہ گاہ سے کنکریاں ہٹانا (بشرطیکہ ایک مرتبہ سے زائد ہو) انگڑائی لینا، بلاوجہ کھانسنا، نماز میں سستی کے ساتھ کھڑے ہونا، یہ سب چیزیں مکروہ ہیں۔

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ السَّدْلِ فِی الصَّلٰوۃِ وَ اَنْ یُغَطِّیَ الرَّجُلُ فَاہُ فِی الصَّلٰوۃِ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۱۰، ترمذی ج ا ص ۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی کہ آدمی نماز میں اپنے منہ کو ڈھانک لے۔

سدل کا مطلب ہے کہ اپنے سر یا کندھے پر رومال و چادر وغیرہ لٹکائے رکھنا اور اس کا ایک سرا دوسری طرف نہ پھینکنا یا شیروانی وغیرہ کو کندھے پر ڈال لینا بغیر آستین میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔

حضور علیہ السلام نے ایک بار ایک شخص کو سجدہ میں زمین برابر کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ؐ نے فرمایا۔

اِنْ کُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَۃً. (بخاری ج ا ص ۱۶۱)

اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو صرف ایک مرتبہ کرو۔

ننگے سر یا صرف بنیان پہن کر یا بلا کرتا پہنے صرف رومال لپیٹ کر نماز پڑھنا، یا ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جسے گھر میں تو پہن لیتا ہو مگر کسی بڑے سے ملنے کے وقت نہ پہنے، یہ ساری باتیں مکروہ ہیں، اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کا کوئی خاص اہتمام واحترام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے تیسے کپڑے پہن کر لاپروائی کے ساتھ مسجد آ گئے، حالانکہ نماز کو مومنین کی معراج کہا گیا ہے، نماز میں بندہ اپنے رب سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے نماز میں بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ایسے عالم میں یہ لاپرواہی اور سستی انتہائی نامناسب بات ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

یٰبَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ. (اعراف:۳۱)

اے اولاد آدم! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔

مفسدات و مکروہات کی مزید تفصیل کے لیے۔ (دیکھیے بخاری ج ا ص ۱۶۱، مسلم ج ا ص ۲۰۶، ترمذی ج ا ص ۴۹، ابوداؤد ج ا ص ۱۰۹ وغیرہ)

مسجد میں عورتوں کا آنا

بعض احادیث سے جماعت میں عورتوں کے آنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت میں آنے کی بجائے عورتوں کا اپنے گھر کے کونے میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ گویا مردوں اور عورتوں کے درمیان جس طرح دیگر بہت سے معاملات میں الگ الگ احکام ہیں اسی طرح نماز کے متعلق بھی دونوں کا علیحدہ حکم ہے۔ مرد اگر جماعت چھوڑ کر اپنے گھر میں نماز پڑھے تو یہ اس کے لیے بالکل ہی بہتر نہیں بلکہ حضورؐ اسی قدر ناراض ہوتے تھے کہ ایسے لوگوں کے گھروں کو جلا دینے کی وعید سناتے تھے اور یہ بھی کہ ایسے شخص کی نماز صرف ایک درجہ ثواب کے برابر ہے اور جماعت میں آ کر نماز ادا کرنے والے کا ثواب ستائیس درجہ بڑھا ہوا ہے۔

لیکن عورت کو اگرچہ بعض احادیث میں جماعت میں شامل ہونے کی اجازت دی، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری بہترین نماز وہی ہے جو جماعت میں آنے کے بجائے گھر کے اندر ہو۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۰)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو لیکن ان کے گھر ان کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔

دوسری روایت میں ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمَرْاَةِ فِىْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِىْ حُجْرَتِهَا وَ صَلٰوتُهَا فِىْ مُخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِىْ بَيْتِهَا.

(حوالہ مذکورہ)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی نماز اس کے شب باشی کے کمرے میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے اس نماز سے جو اس کے حجرے میں ہو اور اس کی نماز اس کے گھر کی کوٹھری میں افضل ہے اس کے شب باشی کے کمرے سے۔

تیسری روایت میں ہے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ.

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷، مسند حاکم ج ۱ ص ۲۰۹)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی سب سے اچھی مسجد ان کے گھر کا گوشہ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا صَلَّتِ امْرَاَةٌ خَيْرٌ لَّهَا مِنْ قَعْرِ بَيْتِهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ اَوْ مَسْجِدُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(الکبیر للطبرانی، آثار السنن ج ۱ ص ۶۲)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کسی عورت نے اس نماز سے بہتر نماز نہیں پڑھی جو اس کے گھر کے گوشے میں ہو، سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے۔

ان احادیث کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں بھیجنے پر زور دینا کسی طرح مناسب نہیں آتا۔ زور تو اس طریقے پر دینا چاہیے جو عورتوں کے لیے افضل ہو۔ جس میں انہیں اجر و ثواب زیادہ مل سکے یعنی انہیں گھر کے اندر ہی، وہ بھی الگ تھلگ کسی کونے میں نماز پڑھنے کی تلقین، نہ کہ انہیں مسجد میں لانے کی تبلیغ۔

ایک بار ابو حمید ساعدیؓ کی بیوی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ الصَّلٰوةَ مَعَكَ.

اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَدْ عَلِمْتُ اَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلٰوةَ مَعِيْ وَ صَلٰوتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ صَلٰوتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَ صَلٰوتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ صَلٰوتِكِ فِيْ دَارِكِ وَ صَلٰوتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ لَّكِ

میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہاری نماز جو تمہارے شب گزاری کے کمرے میں ہو وہ تمہارے لیے بہتر ہے تمہاری اس نماز سے جو تمہارے حجرے میں ہو اور تمہارے حجرے کی نماز تمہارے گھر کی نماز سے بہتر ہے اور تمہارے

مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ دَارِکِ خَیْرٌ لَّکِ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ۔

گھر کی نماز تمہارے محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

حضورؐ کے اس ارشاد کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھر میں سب سے الگ تھلگ کنارے ایک تاریک گوشہ کو نماز کے لیے منتخب کیا اور زندگی بھر اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۱)

اس کے علاوہ زمانہ کی فتنہ انگیزی اور حالات کے تغیر کی وجہ سے حضورؐ کی وفات کے بعد ہی جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور صحابیات عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنے لگی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر آج حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما ہوتے' تو وہ بھی حالات کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور روکتے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثَ النَّاسُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ کَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ (بخاری ج ۱۲۰' مسلم ج ا ص ۱۸۳' ابوداود ج ا ص ۱۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے جو لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں تو عورتوں کو ضرور مسجد جانے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان عورتوں کو جو مسجد میں آجاتی تھیں مسجد سے نکلوایا کرتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ عُمَرٍو الشَّیْبَانِیِّ اَنَّهٗ رَاٰی عَبْدَاللّٰهِ یُخْرِجُ النِّسَاءَ مِنَ الْمَسْجِدِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ یَقُوْلُ اُخْرُجْنَ اِلٰی بُیُوْتِکُنَّ خَیْرٌ لَّکُنَّ۔

(الکبیر للطبرانی' آثار السنن ج ا ص ۶۳)

ابو عمرو شیبانیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال رہے ہیں اور فرما رہے ہیں' اپنے گھر لوٹ جاؤ' وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

غور کیجئے! یہ اس زمانہ کی بات ہے جو خیر القرون تھا مگر وفات رسولؐ کے بعد جو بعض تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی وجہ سے صحابہ کرامؓ عورتوں کے مسجد میں جانے پر پابندی لگانے لگے تو آج کا زمانہ جو کہ شر و فتن' حالات کی ناسازگاری' عریانیت و فحاشی' بدکاری و بے حیائی میں پچھلے تمام زمانوں کو مات کیے دے رہا ہے۔ کیا آج عورتوں کو مسجد میں جانے کی اور جماعت میں شامل

ہونے کی اجازت دینا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں، خدانخواستہ اگر کہیں ناعاقبت اندیشی میں یہ قدم اٹھایا گیا تو مسجدوں کا تقدس برقرار رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ فتنوں کے ایسے ایسے دروازے کھلیں گے کہ خدا کی پناہ۔

جو حضرات دینی جلسوں اور تبلیغی پروگراموں میں عورتوں کی شرکت کو بنیاد بنا کر عورتوں کو مسجد میں لانے پر مصر ہیں، انہیں غور کرنا چاہیے کہ دینی جلسے کبھی کبھار ہوتے ہیں نہ کہ روزانہ، اس میں عورتوں کی نشست گاہ کے الگ انتظام کے علاوہ منتظمین عورتوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا بھی انتظام کر لیتے ہیں، کیونکہ منتظمین عام طور پر انتظام ہی میں رہتے ہیں، وہ اپنا منعقد کیا ہوا پروگرام کم ہی سن پاتے ہیں۔ اس کے برخلاف نماز میں تو سب کو شریک ہونا ہے، ایسا نہیں ہے کہ کچھ لوگ جماعت میں شریک ہوں، کچھ نگرانی کریں، پھر کسی کو کیا خبر کہ عورتوں کی صف میں کیا ہو رہا ہے، اور عورتوں کی وجہ سے کون کون لوگ کس نیت سے مسجد میں آنے لگے ہیں، نماز کا معاملہ جلسوں کی طرح کبھی کبھار کا بھی نہیں، روزانہ کا ہے اور وہ بھی پانچ وقت اور اگر صرف فجر وعشاء کے لیے ہی اجازت دی جائے تو بھی روزانہ دو وقت، روزانہ دو ہی وقت سہی، کون کس کا خیال کر پائے گا۔ جب کہ جلسوں کے موقع پر ایک دو دن کے لیے نگرانی اور حفاظت کا بندوست کوئی مشکل کام نہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ نماز خواہ وہ پنج وقتہ ہو یا جمعہ وعیدین کی، مرد فارغ ہی کب ہوں گے کہ وہ عورتوں کی طرف دھیان دے سکیں اور کوئی ناخوشگوار واقعہ ہونے سے روک سکیں۔ وہ سب کے سب خود بھی جماعت میں شریک ہوں گے اور وہ بھی اگلی صفوں میں لہٰذا دینی جلسوں پر جماعت کی حاضری کو قیاس کرنا ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں[1]

عورتوں کی تنہا جماعت:

عورتوں کی تنہا جماعت جس میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں مرد نہ ہوں مکروہ ہے کیونکہ اس میں جماعت کے صحیح طریقہ کا ترک لازم آئے گا، جماعت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ امام صفوں سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو مگر عورتوں کی جماعت میں جو عورت امام بنے گی اس کے لیے ضروری ہوگا

---

[1] بخاری ج ا ص ۱۲۳ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں عورتوں کا مسجد جانا ناپسند کرتے تھے۔

کہ وہ آگے بڑھ کر نہ کھڑی ہو بلکہ درمیان میں ذرا سا بڑھ کر کھڑی ہو جائے جیسے ان لوگوں کا امام جن کے پاس ستر پوشی کے لیے کپڑا نہ ہو۔صف کے بیچ میں ذرا سا آگے بڑھ کر امامت کرے گا۔ اور جس طرح ان لوگوں کی جماعت میں' جماعت کے اصل طریقے سے کچھ انحراف لازم آتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کی جماعت میں بھی' لہٰذا جس طرح ان لوگوں کی جماعت مکروہ ہے ایسے ہی عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے۔اس کے علاوہ اس جماعت میں یہ نقص بھی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اس لیے وہ جہری نماز میں بھی جہراً قرأت نہ کر سکے گی۔

سجدۂ سہو کا بیان

کسی رکن کے مقدم کردینے یا مؤخر کرنے یا مکرر کرنے یا کسی واجب کو بدل دینے یا سہواً ترک کردینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَاِنْ ذَكَرَ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَ اِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَ يَسْجُدْ سَجْدَةَ السَّهْوِ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام دو رکعت پر کھڑا ہو جائے (اور قعدہ اولیٰ میں نہ بیٹھے) پس اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۲۴)

گویا ترک واجب پر سجدۂ سہو کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ قعدہ اولیٰ واجب ہے سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ تشہد کے بعد صرف دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدہ کرے، اس کے بعد پھر تشہد، درود اور دعاء ماثورہ پڑھ کر حسب معمول سلام پھیر دے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے۔

فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کیے سلام کے بعد۔

(بخاری ج ا ص ۱۶۳)

یہ حدیث ترمذی ج ا ص ۵۲ پر بھی آئی ہوئی ہے اور اس حدیث کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں هذا حديث حسن صحيح. (یہ حدیث حسن صحیح ہے)

عبداللہ بن جعفرؓ کی روایت میں ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَكَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَاسَلَّمَ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی نماز میں شک کرے وہ سجدہ کرے دو سجدے سلام پھیرنے کے بعد۔

(نسائی ج ا ص ۱۸۵، ابوداؤد ج ا ص ۱۶۴)

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فِیْ کُلِّ سَھْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ. (ابن ماجہ ص ۸۶)	ہر سہو میں دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد۔

یہ حدیث قاعدہ کلیہ ہے جو کہ سہو کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

عمران بن حصینؓ کی روایت میں ہے۔

ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ. (مسلم ج ۱ ص ۲۱۴، ابو داؤد ج ۱ ص ۱۶۲)	پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔

علقمہؒ عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ۔

سَجَدَ سَجْدَتَیِ السَّھْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَ ذَکَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذَالِکَ. (ابن ماجہ ص ۸۶)	عبداللہ بن مسعودؓ نے دو سجدہ سہو کیے سلام کے بعد اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔

ابو قلابہؒ، عمران بن حصینؓ سے نقل کرتے ہیں کہ۔

فِیْ سَجْدَتَیِ السَّھْوِ یُسَلِّمُ ثُمَّ یَسْجُدُ ثُمَّ یُسَلِّمُ. (طحاوی ج ۱ ص ۲۱۴)	سجدۂ سہو میں سلام پھیرتے، پھر سجدۂ سہو کرتے پھر سلام پھیرتے۔

مسافر کی نماز

سفر میں چار رکعت والی نمازیں (مثلاً ظہر، عصر، عشاء) دو رکعت پڑھی جائیں گی لیکن دو رکعت اور تین رکعت والی نمازوں میں کوئی کمی نہ ہوگی، یعنی فجر اور مغرب حسب معمول دو اور تین رکعت پڑھی جائیں گی۔ (ترمذی ج ا ص ۷۲ و بخاری ج ا ص ۱۴۸)

اگر کوئی مسافر، مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی متابعت میں اسے بھی چار رکعت والی نماز کو چار رکعت ہی پڑھنا ہے۔ (مسلم ج ا ص ۲۴۳)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَ تُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۱۹)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نماز دو رکعت ہی فرض تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہجرت کے بعد چار رکعت فرض ہوئی، اور سفر کی نماز پہلے ہی طریقہ پر (دو رکعت) چھوڑ دی گئی۔

عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے۔

فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ. (مسلم ج ا ص ۲۴۱)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض کی۔

عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ دونوں سے روایت ہے کہ۔

سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَ هُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَ الْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ. (ابن ماجہ ص ۷۲، مشکوٰۃ جلد اول)

سفر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت بیان فرمائی ہے اور وہ دونوں رکعتیں بالکل مکمل ہیں، ناتمام نہیں اور وتر سفر میں سنت مستمرہ ہے۔

اگر کسی مقام پر پندرہ روز اقامت کی نیت ہو تو قصر جائز نہیں۔ اب چار رکعت کی چار رکعت ہی پڑھی جائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۳)

مریض کی نماز

سورۂ نساء میں ارشادِ ربانی ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ. (آیت:۱۰۳)

اللہ کو یاد کرو کھڑے ہو کر، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل۔

عمران بن حصینؓ نے اپنی ایک بیماری میں رسول ﷺ سے نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا، حضورؐ نے فرمایا۔

صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جُنُبٍ. (بخاری ج۱ص ۱۵۰)

کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو کے بل۔

نسائی میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (دار قطنی ص ۴۴۶)

اگر تم پہلو کے بل بھی نماز پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہو تو چت لیٹ کر پڑھو۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

نافع، عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ۔

كَانَ يَقُوْلُ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمَرِيْضُ السُّجُوْدَ اَوْ مَاَ اِيْمَاءً وَ لَمْ يَرْفَعْ اِلٰى جَبْهَتِهٖ شَيْئًا. (مؤطا امام مالک)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب مریض سجدہ کی استطاعت نہ رکھے تو اشارہ سے نماز پڑھے مگر (سجدہ کرنے کے لیے) اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے۔

اشارہ سے مراد سر سے اشارہ کرنا ہے نہ کہ آنکھوں یا پلکوں سے اشارہ کیونکہ سر کا ہی اشارہ احادیث سے ثابت ہے۔

نماز کا طریقہ

قبلہ رو ہونا:

نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو ارشاد ربانی ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. (بقرہ:۱۴۴)

پس پھیر لیجئے اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف پھیر لو۔

سفر ہو یا حضر، ہر جگہ رخ قبلہ کی طرف ہی ہونا چاہیے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. (بقرہ:۱۵۰)

جہاں کہیں آپ نکلیں، اپنے چہرے کو مسجد حرام کی جانب پھیر لیجئے۔ اور (اے مسلمانو!) تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اسی کی جانب اپنے چہروں کو پھیر لو۔

نیت:

نیت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس بات کا قصد اور ارادہ ہو کہ ہم یہ نماز جو کہ فلاں وقت کی ہے خالص اللہ کے لیے پڑھ رہے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ. (بینہ:۵)

اور وہ لوگ نہیں حکم دیئے گئے مگر اسی بات کا کہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ. (بخاری ج ا ص ۹)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اصل نیت تو دل کے ارادہ کا ہی نام ہے، لیکن اگر زبان سے بھی کر لی جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس سے دل اور زبان دونوں میں مطابقت پیدا ہوگی۔

تکبیر تحریمہ:

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا - ارشاد ربانی ہے-

وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ. (مدثر:۳) اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کیجئے -

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی. (اعلیٰ:۱۵) کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے پاکی اختیار کی اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی-

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا-

مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ وَ تَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ وَ تَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ. (ترمذی ج ا ص ۳) نماز کی کنجی وضو ہے اور اس کی تحریم اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا ہے اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے-

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے-

اِذَا قُمْتُ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَۃَ فَکَبِّرْ. (مسلم ج ا ص ۱۷۰) جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے اللہ اکبر کہو-

ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ قبلہ رو ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اس کے بعد اللہ اکبر کہتے- (ابن ماجہ ص ۵۸)

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھانا:

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا چاہیے جیسا کہ حضور ﷺ اٹھاتے تھے-

عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا اُذُنَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ. (مسلم ج ا ص ۱۶۸) مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کے بالمقابل لے آتے- اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کی لو کے برابر لے آتے-

عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ اَبْصَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی کَانَتَا بِحِیَالِ مَنْکِبَیْهِ وَ حَاذٰی بِاِبْهَامَیْهِ اُذُنَیْهِ ثُمَّ کَبَّرَ.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۱)

وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسولؐ کو دیکھا کہ آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ آپؐ کے دونوں کندھوں کے مقابل میں آ گئے۔ اور آپ کے دونوں انگوٹھے آپ کے دونوں کانوں کے برابر آ گئے۔ پھر آپؐ نے اللہ اکبر کہا۔

وائل بن حجرؓ کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے۔

قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ یَدَیْهِ حِیَالَ اُذُنَیْهِ قَالَ ثُمَّ اَتَیْتُهُمْ فَرَاَیْتُهُمْ یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ اِلٰی صُدُوْرِهِمْ فِی افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَ عَلَیْهِمْ بَرَانِسُ وَ اَکْسِیَةٌ.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۱)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز شروع کرتے وقت دیکھا کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کی لو تک اٹھائے' پھر (کچھ دن بعد) میں صحابہ کرام کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں تک اٹھاتے ہیں اس حال میں کہ ان پر گرم کپڑے اور چادریں تھیں۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر (سردی وغیرہ کے موسم میں) ہاتھ چادر میں لپٹے ہوئے ہوں تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے کیا تھا۔ لیکن جب چادر وغیرہ میں لپٹے ہوئے نہ ہوں تو ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا چاہیے جیسا کہ حضور ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ اگر کانوں کی لو چھو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس طرح کانوں کی لو تک پہنچنا بالکل یقینی ہو جاتا ہے ورنہ آدمی خود تو دیکھتا نہیں کہ اس کا ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچا یا نہیں اور اس صورت میں خود اسے بھی کانوں کی لو تک پہنچ جانے کا یقین اور سنت نبوی پر عمل ہو جانے کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ ویسے کانوں کی لو کو چھونا ضروری نہیں ہے۔

ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا:

(۱) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ

علقمہ بن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰' تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۱۴' آثار السنن ج ۱ ص ۶۹)

روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہیں ناف کے نیچے۔

(۲) عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ اَوْسَاَلْتُهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ اَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَ يَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ. (حوالہ مذکورہ)

حجاج بن حسان رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابومجلز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ہاتھ کہاں رکھوں؟ انہوں نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے کرے۔

عَنْ اِبْرٰهِيْمَ قَالَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

(حوالہ مذکورہ)

ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے ناف کے نیچے۔

یہ ساری حدیثیں صحیح الاسناد ہیں' اس کے بالمقابل وہ حدیثیں جن میں ہاتھ سینے پر باندھنے یا ناف کے اوپر باندھنے کا تذکرہ ہے' وہ سب کی سب ضعیف اور غیر محفوظ ہیں۔ تفصیل کے لیے۔

(دیکھئے آثار السنن الجزء الاول ص ۶۴ تا ص ۷۱)

ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

وَ رُوِيَ ذَالِكَ عَنْ عَلِيٍّ وَ اَبِي هُرَيْرَةَ وَ اَبِي مِجْلَزٍ وَ النَّخْعِيِّ وَ الثَّوْرِيِّ وَ اِسْحٰقَ لِمَارُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ هٰذَا يَنْصَرِفُ اِلٰى سُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (المغنی ج ۲ ص ۴۷۲)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابومجلزؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ سے مروی ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے' روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے' اور سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔

وَ الْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ التَّا بِعِیْنَ وَ مِنْ بَعْدِهِمْ یَرَوْنَ اَنْ یَضَعَ الرَّجُلُ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ فِی الصَّلٰوةِ وَ رَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ یَّضَعَهَا فَوْقَ السُّرَّةِ وَ رَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ یَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ وُ کُلُّ ذَالِکَ وَ اسِعٌ عِنْدَهُمْ۔ (ترمذی ج ا ص ۳۴)

اہل علم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہ و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کا عمل اسی پر ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں پر رکھے، پھر بعض کہتے ہیں کہ ناف کے اوپر (نہ کہ سینے کے اوپر) رکھے اور بعض کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے رکھے۔ اور محدثین کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ امام شافعیؒ کی تین روایتوں میں سے ایک روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی ہے اور یہی حال امام احمد بن حنبلؒ کا ہے اور احناف تو اسی کے قائل ہیں۔ (الکوکب الدری ج ا ص ۱۲۹) گویا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت کو اکثر ائمہ کی تائید حاصل ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۱۳)

ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھنا:

تکبیر تحریمہ اور سورہ فاتحہ کے درمیان سراً (خاموشی سے) ثنا پڑھنی چاہیے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَ لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے تو یوں پڑھتے ((سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَ لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ))۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۲۹، ترمذی ج ا ص ۳۳)

ابن ماجہ ص ۵۸، و نسائی ج ا ص ۱۴۳ پر یہ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔

اسی مفہوم و مضمون کی درج ذیل احادیث بھی موجود ہیں۔

عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَ كِتَابُهُ الْمُفْرِدُ فِي الدُّعَاءِ وَ اَسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

حمید طویل رحمۃ اللہ علیہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ ....

....

دار قطنی اور شرح معانی الآ ثار میں ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی پڑھتے تھے۔ (دیکھئے شرح معانی الآ ثار ج اص ۹۶ آ ثار السنن الجزء الاول ص ۷۲ و ۷۳)

تعوّذ اور بسم اللہ پڑھنا:

ثنا کے بعد چونکہ اب قرأت کرنی ہے (یعنی سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھنا ہے) اس لیے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر قرأت شروع کی جائے۔

ارشاد باری ہے۔

وَ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. (نحل/۹۸)

اور جب آپ قرآن پڑھے تو اللہ کی پناہ مانگئے شیطان رجیم (کے شر) سے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھیے۔

ثناء کے بعد اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ پڑھنے کے متعلق (دیکھئے نسائی ج اص ۱۴۳ صحیح ابن خزیمہ ج اص ۲۴۰، آ ثار السنن ج اص ۷۳ وغیرہ) نماز خواہ جہری ہو یا سری ان دونوں کو ہمیشہ سراً ہی پڑھنا ہے۔ (نسائی ج اص ۱۴۴ عن عبداللہ بن مسعودؓ)

سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورہ ملانا:

اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے اور سورۂ فاتحہ ختم ہونے کے بعد سراً آمین کہنا ہے پھر کوئی سورۂ ملانی ہے یا کسی سورہ کی چند آیتیں پڑھنی ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَ الْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(مسلم ج۱ص۱۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تھے اَللّٰهُ اَكْبَرُ سے اور قرأت شروع کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. الخ سے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے اور سورت ملانے کے متعلق احادیث یہ ہیں۔

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

(بخاری ج۱ص۱۰۴)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

مسلم کی روایت میں ہے۔

لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا.

(ج۱ص۱۶۹)

جس نے سورہ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھا۔

سورۂ فاتحہ فرض ہے یا واجب؟

نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ قرآن کی کوئی متعین سورۂ پڑھنا فرض ہے یا بلاتعین قرآن کی کوئی سورہ یا کوئی بھی حصہ پڑھنا فرض ہے۔

قرآن وحدیث کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بلاکسی تعین کے کوئی بھی سورہ پڑھ دی جائے' فرضیت قرأت' ادا ہو جائے گی۔ ادائیگی فرضیت کسی مخصوص سورہ کے پڑھنے پر موقوف نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کے نماز کے معاملے میں سورۂ فاتحہ کو بہت اہمیت حاصل ہے مگر اس کے باوجود سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے' واجب ہے۔ اگر کوئی شخص بھول کر سورۂ فاتحہ نہ پڑھے' لیکن قرآن کی کوئی سورہ یا چھوٹی تین آیات یا ایک بڑی آیت پڑھ لے تو فرضیت ادا ہوگئی۔ البتہ واجب چھوٹ گیا' اس کا تدارک یوں ہوگا کہ آخر میں سجدۂ سہو کرلے' کیونکہ بھول کر واجب ترک کردینے کا یہی حکم ہے' لیکن اگر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہو تو سورہ فاتحہ بھول کر بھی چھوڑ دینے سے نماز نہ ہوگی۔ خواہ سجدہ سہو کرلیا ہو کیونکہ سجدہ سہو سے فرض کا تدارک نہیں ہوتا' واجب کا تدارک ہوتا ہے۔

آیئے دیکھیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟

سورۂ مزمل میں تہجد (صلوٰۃ لیل) کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد باری ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ. (آیت ۲۰ پ ۲۹) پس پڑھیے جو آسان ہو قرآن سے۔

اسی آیت میں آگے فرمایا جارہا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. (سورہ مزمل) پس پڑھو جو آسان ہو اس سے۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے' اور وہ بھی وہ حصہ جو نماز پڑھنے والا بسہولت پڑھ سکے۔ کوئی لازمی نہیں کہ وہ سورۂ فاتحہ ہی ہو' کوئی بھی سورۂ ہوسکتی ہے۔

بعض حضرات اس آیت سے تلاوت قرآن مراد لیتے ہیں کہ روزانہ جتنا بسہولت پڑھا جا سکے تلاوت ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن یہ بات درج ذیل وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) ان دونوں آیتوں کے آگے پیچھے نماز (نماز تہجد) کا ذکر ہے اور اسی میں قرآن پڑھنے کا حکم

بیان کیا جا رہا ہے' اسی سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں کا تعلق نماز میں قرآن پڑھنے سے ہے۔

نماز تہجد کی فرضیت اگرچہ منسوخ ہو گئی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی مخصوص نماز فرض نہ رہے تو نماز کے اندر جو چیز بطور رکن و فرضیت ثابت ہو وہ بھی منسوخ ہو جائے۔

اِنَّمَا نُسِخَ وُجُوْبُ قِيَامِ اللَّيْلِ دُوْنَ فَرْضِ الصَّلٰوةِ وَ شَرَائِطِهَا وَ سَائِرِ اَحْكَامِهَا. (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۱۱)	قیام لیل (تہجد) کا وجوب منسوخ ہوا ہے نہ کہ نماز کے فرائض اور اس کے شرائط' اور اس کے سارے احکام۔

رمضان المبارک کا روزہ فرض ہونے سے پہلے' یوم عاشورہ (۱۰/محرم الحرام) کا روزہ فرض تھا' بعد میں یہ روزہ نفل بن گیا' (مسلم ج ۱ ص ۳۵۸) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عاشورہ کا روزہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک تھا تو رمضان کے روزہ کا کچھ اور حکم ہو جائے گا' اس میں کھانا پینا' بیوی کے قریب جانا منع تھا تو رمضان میں اس کا حکم بدل جائے' کسی چیز کی فرضیت کی منسوخی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر وہی چیز کسی اور موقع پر کرنے کا حکم ہو تو وہ بدل جائے۔ ارکان و شرائط میں تبدیلی ہو جائے۔

(۲) دونوں آیتوں میں صیغۂ امر کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور خارج نماز قرآن پڑھنا کسی کے نزدیک فرض نہیں' ہاں مسنون ضرور ہے۔ قرآن پڑھنے کی فرضیت صرف نماز میں ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ دونوں آیتیں نماز سے ہی متعلق ہیں۔

(۳) اسی مفہوم سے ملتی جلتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے۔ ایک صحابی خلاد بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں آئے اور آ کر نماز پڑھنی شروع کر دی' مگر نماز صحیح طریقے کے مطابق ادا نہ کر سکے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر انہوں نے تین مرتبہ نماز دہرائی' پھر بھی صحیح نہ ہو سکی۔ آخر کار انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ''اے اللہ کے رسول! آپ ہی مجھے سکھا دیجئے۔'' چنانچہ آپؐ نے انہیں نماز سکھائی اور اس میں فرمایا۔

ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.	پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو' پھر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لو پھر پڑھو جو آسان ہو

(بخاری ج ا ص ۱۰۵، مسلم ج ا ص ۱۷۰) تمہارے ساتھ قرآن سے[1]

(۴) ایک اور حدیث میں رسول اللہ علیہ نے نماز کی اصل حقیقت تسبیح، تکبیر اور قرأت قرآن بتائی ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصِحُّ فِيْهَا شَیْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَاهِیَ التَّسْبِيْحُ وَ التَّكْبِيْرُ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ. (مسلم ج ا ص ۲۰۳، بلوغ المرام ص ۱۶)

معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ نماز نہیں صحیح ہوتی ہے اس میں کلام الناس میں سے کوئی چیز، یہ تو بس تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے۔

اس حدیث میں بھی سورۂ فاتحہ کے بجائے نماز کی اصل حقیقت ''قرأت قرآن'' بتائی گئی یعنی قرآن پڑھنا، خواہ کہیں سے پڑھا جائے، یہ فرض نہیں کہ وہ سورۂ فاتحہ ہی ہو۔

اور یہ حدیث نبویؐ:

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ سورۂ فاتحہ کو فرض کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے لیکن کسی اور سورۂ کو پڑھ لے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، خواہ بھول کر چھوڑے یا جان بوجھ کر، اور واجب کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بھول کر سورۂ فاتحہ چھوڑنے والا اگر سجدۂ سہو کرلے تو نماز ہو جائے گی اور جان بوجھ کر چھوڑے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ ترک واجب کا یہی حکم ہے۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں مطلق قرأت قرآن کی فرضیت تو ثابت ہوتی ہے، خاص طور پر سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن ایک اور حدیث بھی ہے جس سے اس کے برعکس حکم ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ثم اقرأ بما تیسر معک من القران سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مراد ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی آسان ہے۔ لیکن یہ بات صراحتہً غلط ہے اول تو اس لیے کہ پس پڑھو جو آسان ہو قرآن سے حکم عام ہے، اس میں کسی سورۂ کی تخصیص نہیں۔ لہٰذا آیت سے سورۂ فاتحہ کی تخصیص بلا دلیل ہے۔ دوم اس لیے کہ قرآن میں سے صرف سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا آسان نہیں بلکہ بہت سی سورتیں سورۂ فاتحہ سے بھی چھوٹی ہیں اور ان کا یاد کرنا اور پڑھنا سورۂ فاتحہ سے بھی آسان ہے۔ لہٰذا نووی علی المسلم ج ا ص ۱۷۰ وغیرہ پر اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی تخصیص اور سورۂ فاتحہ کا ہی پڑھنا آسان قرار دیا جانا بلاوجہ کی زبردستی ہے۔

عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (بخاری ج ا ص ۱۰۴)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ گویا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں فرض ہے۔ لیکن آیئے! ذرا دیکھیں کہ اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟۔

حدیث کے الفاظ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی) میں دو احتمالات ہیں۔ ایک تو یہ کہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی۔ دوسرا یہ کہ کامل نماز نہیں ہوتی نماز تو ہو جاتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے۔

ارشاد نبوی لاصلوۃ الخ کے اندر یہ دونوں احتمالات بالکل یقینی اور شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں "لا" کا لفظ کبھی نفی وجود پر دلالت کرتا ہے اور کبھی نقص اور نفی کمال پر۔

"لا" نفی وجود کے معنی میں:

(۱) مثلاً کلمہ توحید

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ نہیں ہے کوئی طاقت اور نہ قوت مگر اللہ ہی کی طرف سے۔

(۳) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. (یوسف:۹۲) آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

"لا" نفی کمال کے معنی میں:

(۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ رَوَاهُ الْبَيهقى فى شعب الايمان. (مشکوۃ ج ا ص ۱۵)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہو اور یہ بات نہ کہی ہو کہ اس کا ایمان نہیں جس کے اندر امانت کی صفت نہیں' اس کا دین نہیں جس کے اندر پاس عہد نہیں۔

حدیث کے الفاظ ''لا ایمان'' اور ''لا دین'' سے مراد باتفاق محدثین ایمان اور دین کے وجود کی نفی نہیں بلکہ کمال ایمان اور کمال دین کی نفی مراد ہے۔

(۲) لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ. (دار قطنی ج ۱ ص ۱۶۱) نہیں ہے نماز مسجد کے پڑوسی کی مگر مسجد میں۔

یہاں بھی نماز جائز نہیں ہونے کا مطلب کامل و مکمل نماز کی نفی ہے نہ یہ کہ سرے سے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

(۳) لَا صَلٰوۃَ بِحَضْرَۃِ الطَّعَامِ. نہیں ہے نماز کھانے کی موجودگی میں۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۰۸)

اس حدیث میں بھی کمال کی نفی مراد ہے نہ کہ وجود کی۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں لَا یُصَلِّ اَحَدُکُمْ بِحَضْرَۃِ الطَّعَامِ (نہ نماز پڑھے تم میں کا کوئی کھانے کی موجودگی میں) کیونکہ بھوک لگی رہنے اور کھانا حاضر ہو جانے کی صورت میں نماز میں دل نہیں لگے گا۔

لَا صَلٰوۃَ لِلْعَبْدِ الْاٰبِقِ. نہیں ہے نماز بھاگے ہوئے غلام کی۔

(۵) یہ تو احادیث نبویہ تھیں، قرآن مجید میں بھی ''لا'' عدم کمال کے معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد ربانی ہے۔

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ اِنَّھُمْ لَا اَیْمَانَ لَھُمْ. (توبہ:۱۲) پس قتال کرو کفر کے سرداروں سے بے شک ان کی کوئی قسم ہی نہیں۔

یہاں پر لَا اَیْمَانَ لَھُمْ (ان کی کوئی قسم ہی نہیں) سے ان کی قسموں کا پختہ و کامل نہ ہونا مراد ہے نہ کہ ان کی قسموں کا وجود میں نہ ہونا۔ کیونکہ اس سے قبل یوں ارشاد ہوا ہے۔

وَ اِنْ نَّکَثُوْا اَیْمَانَھُمْ مِنْ بَعْدِ عَھْدِھِمْ. اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد۔

اور بعد میں یوں ارشاد ہوا۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْا اَیْمَانَھُمْ وَ ھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ. (توبہ:۱۳) کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑ دیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں۔

اگر ان کی قسموں کا وجود ہی نہ ہوتا تو قسموں کو توڑنے کا کیا معنی۔

عربی کے ایک شاعر کا مصرع ہے۔

لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ وَ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ۔ کوئی جوان نہیں' سوائے علیؓ کے اور کوئی تلوار نہیں سوائے ذوالفقار کے[۱]

ظاہر ہے کہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت علیؓ کے سوا کسی جوان کا وجود ہی نہیں' اور ذوالفقار کے سوا کسی تلوار کا وجود ہی نہیں۔

حدیث عبادہؓ میں نفی کمال مراد ہے:

رہی یہ بات کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی) میں جو ''لا'' استعمال ہوا ہے وہ ''ذات صلوٰۃ'' کی نفی کے لیے ہے یا ''کمال صلوٰۃ'' کی نفی کے لیے؟ تو دوسری احادیث کریمہ جو اسی معنی ومفہوم کی ہیں ''لا'' کو نفی کمال کے معنی میں متعین ومؤکد کرتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَّمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَھِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرُ تَمَامٌ۔
(مسلم ج ۱ ص ۱۶۹' ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۴' ترمذی ج ۱ ص ۴۰' صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۸' موطا امام مالک ص ۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کوئی نماز پڑھی اور سورۂ فاتحہ اس میں نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے' ناقص ہے' ناتمام ہے۔

اس حدیث میں لفظ ''خداج'' تین مرتبہ استعمال ہوا' پھر اس کے بعد اس کی تشریح حدیث کے اندر ہی لفظ ''غیر تمام'' (مکمل نہیں) سے آ گئی' جس سے ثابت ہو گیا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ونامکمل ہوتی ہے نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی۔

---

[۱] اس مصرع سے شیعیت ٹپکتی ہے' ہم نے یہ مصرع عقیدہ کے طور پر نہیں لکھا بلکہ صرف یہ بتانے کے لیے کہ جس طرح ''لا'' نفی کمال کے لیے قرآن وحدیث میں مستعمل ہے اسی طرح کلام عرب میں بھی ---- ان مثالوں کے دیکھنے کے بعد ان حضرات کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے جو کہتے ہیں کہ ''لائے نفی جنس'' نفی کمال کے لیے نہیں بلکہ نفی ذات کے لیے ہی آتا ہے (تحقیق الکلام حصہ اول ص ۱۵) کیونکہ ہم نے جتنی مثالیں پیش کی ہیں' ہر جگہ لائے نفی جنس ہی آیا ہے اور نفی ذات کے بجائے نفی کمال مراد ہے۔

"خداج" کا ترجمہ "غیر تمام" خود اسی حدیث سے ثابت ہے[1] اس کے علاوہ اس حدیث سے بھی۔

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِیْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ تَخَشُّعٌ وَ تَضَرُّعٌ وَ تَمَسْكُنٌ وَ تَقْنَعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلاً بِبُطُوْنِهَا وَجْهَكَ وَ تَقُوْلُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَ مَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَهُوَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَ قَالَ غَيْرُ ابْنِ الْمُبَارَكِ فِیْ هٰذَا الْحَدِيْثِ مَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَهُوَ خِدَاجٌ.

(ترمذی ج ا ص ۵۰)

فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز دو دو رکعت ہے تشہد پڑھنا ہے ہر دو رکعت میں اور خشوع اور تضرع اختیار کرنا اور مسکینی ظاہر کرنا ہے اور نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاؤ رحم طلب کرنے کے لیے یعنی انہیں اٹھاؤ اپنے پروردگار کی طرف (یعنی دعا مانگو) اس حال میں کہ ہتھیلی کا رخ اپنے چہرے کی طرف رکھے اور کہو اے رب! اے رب! جو ایسا نہ کرے اس کی نماز ایسی ہے اور ایسی ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں کی اسی حدیث میں ہے کہ جو ایسا نہ کرے اس کی نماز خداج (ناقص) ہے۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ صَلٰوةٍ لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِیَ خِدَاجٌ. (ابن ماجہ ص ۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہے۔

(۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ

عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی

---

[1] لغت میں بھی خداج کے معنی ناقص و ناتمام کے آتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں خدجت الناقۃ اونٹنی نے ناتمام بچہ گرایا۔ (دیکھئے کتب لغت ونووی شرح مسلم ج اص ۱۶۹)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلٰوةٍ لَّا يَقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ فَهِيَ خِدَاجٌ. (حوالہ مذکورہ)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہے، ناقص ہے۔

(۴) صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ لَا يَقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (ج ا ص ۲۴۸)

وہ نماز کافی نہیں جس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔

نماز کا کافی نہ ہونا دوسری بات ہے، اور نماز ہی نہ ہونا دوسری بات، سورۂ فاتحہ کے بغیر احناف کے یہاں بھی نماز ناکافی ہوتی ہے اور بھول کر نہ پڑھنے سے سجدۂ سہو سے اس کی تلافی کا حکم ہوتا ہے اور بالقصد چھوڑنے پر اعادہ نماز کا۔

سورۂ فاتحہ فرض نہ ہونے کے مزید دلائل:

عبادہ بن صامت کی بخاری والی روایت مسلم میں یوں آئی ہے۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا. [۱] (مسلم ج ا ص ۱۶۹)

اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھا۔

لہٰذا اگر حضرت عبادہؓ کی بخاری والی روایت سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیا جائے تو مسلم شریف کی اس روایت سے سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کی کوئی اور سورت یا آیات پڑھنا بھی فرض کہنا ہوگا۔ یعنی یا تو دونوں کو فرض کہیے یا دونوں کو واجب کیونکہ دونوں کے متعلق ایک ہی انداز سے حدیث موجود ہے احناف تو دونوں کو واجب کہتے ہیں اور مطلق قرأت قرآن کو فرض لیکن مقام

---

[۱] فصاعدا کی زیادتی ابوداؤد ج ا ص ۱۳۵، نسائی ج ا ص ۱۴۵، اور ابن حبان میں بھی ہے اور اس زیادتی میں معمرؒ کے متابع موجود ہیں یعنی سفیان بن عیینہؒ ابوداؤد میں، اور عبدالرحمٰن بن اسحٰق ؒ بخاری کے جزء القراۃ میں، اور اوزاعیؒ اور شعیب بن حمزہؒ بیہقی میں فتح الملہم ج ۲ ص ۶۰، بذل المجہود ج ۲ ص ۵۱، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۴ یہ تو متابع کا حال تھا اس کے علاوہ اس روایت کی "شاہد" متعدد روایات موجود ہیں جو آگے آ رہی ہیں۔ لہٰذا تحقیق الکلام حصہ اول ص ۳۲ پر اس کے مصنف یا کسی کا بھی یہ دعویٰ کہ فصاعدا کی زیادتی میں معمرؒ کا متابع موجود نہیں، صحیح نہیں۔

حیرت ہے ان لوگوں پر جو بخاری والی حضرت عبادہؓ کی روایت کو بنیاد بنا کر سورۂ فاتحہ کو فرض کہتے ہیں لیکن حضرت عبادہؓ ہی کی مسلم والی روایت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ ملانے کو فرض نہیں کہتے [1]

تنہا مسلم کی ہی روایت نہیں، دیگر روایات بھی موجود ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِخْرُجْ فَنَادِ فِی الْمَدِیْنَةِ اَنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقُرْاٰنٍ وَّ لَوْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فَمَازَادَ. (ابوداؤد ص ۱۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا نکلو، پس مدینہ میں پکار آو کہ کوئی نماز نہیں مگر قرآن پڑھنے سے، اگرچہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا اس سے زائد۔

یہ روایت اس طرح بھی آئی ہوئی ہے۔

وَ اُنَادِیْ اَنَّهٗ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاْءَةِ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ فَمَازَادَ. (حوالہ مذکورہ)

میں پکار آوں کہ کوئی نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد پڑھنے سے۔

پہلی روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق قرأت فرض ہے نہ کہ سورۂ فاتحہ کا ہی پڑھنا۔ اور دوسری روایت سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ ملانا، دونوں کا حکم ایک ہی انداز کا معلوم ہوتا ہے، یعنی سورۂ فاتحہ فرض ہو تو سورت ملانا بھی فرض ہونا چاہیے، اور وہ فرض نا ہو تو سورت کا ملانا بھی فرض نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی عبادہ بن صامتؓ کی مسلم والی روایت کے مثل۔

ترمذی میں حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِالْحَمْدِ وَ سُوْرَةٍ فِیْ فَرِیْضَةٍ اَوْ غَیْرِهَا. (ج ۱ ص ۳۲)

اس کی نماز نہیں جس نے الحمد اور سورت نہیں پڑھی، فرض یا غیر فرض میں۔

---

[1] کچھ حضرات نے اس اعتراض کے جواب میں سورۂ فاتحہ اور سورہ ملانے میں فرق کرنے والی کچھ احادیث پیش کی ہیں مگر ان میں سے کوئی نہ حقیقتاً مرفوع ہے نہ حکماً (دیکھئے بذل ج ۲ ص ۴۹) اس کے برعکس دونوں کو ایک حیثیت عطاء کرنے والی بکثرت احادیث مرفوعہ موجود ہیں جیسا کہ یہی مسلم کی روایت اور آگے آنے والی دوسری روایتیں بھی۔

یہی روایت ابن ماجہ ص ۶۱ پر بھی ہے۔ یہ روایت بھی حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مسلم والی روایت کے مثل سورہ فاتحہ اور سورت ملانے کو ایک نہج پر رکھنے کی دعوت دیتی ہے، نہ کہ تفریق پر، کہ ایک کو فرض کہیں، دوسری کو فرض نہ کہیں، ایک کو واجب کہیں دوسرے کو واجب نہ کہیں۔

ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۴، احمد، ابویعلی اور ابن حبان کی روایت میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَّقْرَاَ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَ مَا تَیَسَّرَ.

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم سورہ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو۔

طحاوی اور بیہقی کی روایت میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ وَ کُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ اِلَّابِقِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا فَوْقَ ذَالِکَ اَوْفَمَا اَکْثَرَ مِنْ ذَالِکَ.

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حدیث بیان کرتے تھے کہ کوئی نماز نہیں مگر سورہ فاتحہ اور اس کے زائد کے پڑھنے

رفاعہ بن رافعؓ کی حدیث میں مسند احمد میں ہے۔

ثُمَّ اقْرَاْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَاْ بِمَاشِئْتَ.

پھر سورہ فاتحہ پڑھو، پھر جو چاہو پڑھو۔

بعض روایات میں ثم اقرا بام القران و بما شاء اللہ (پھر سورہ فاتحہ پڑھو اور جو اللہ چاہے) بعض میں شئی معھا (سورہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور) بعض میں معھا غیرھا (سورہ فاتحہ کے ساتھ اس کے علاوہ) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہ ساری روایات سورہ فاتحہ کو ہی نماز میں فرض قرار دینے سے مانع ہیں۔ (بذل ج ۲ ص ۵۱ وغیرہ)

ایک طرف وہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ہیں (جن کا حوالہ شروع میں دیا گیا ہے) جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق قرأت (کہیں سے بھی قرآن کا پڑھ دینا) فرض ہے۔ دوسری طرف یہ احادیث نبویہ ہیں جن سے سورہ فاتحہ اور سورت کا ملانا فرض ثابت ہوتا ہے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے لہٰذا قرآن و حدیث دونوں پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے مطلق قرأت چونکہ قرآن سے بھی ثابت ہے اس لیے اسے فرض کہا جائے اور سورہ فاتحہ اور کسی سورت کا ملانا چونکہ صرف حدیث سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا انہیں واجب کہا جائے، تاکہ قرآن و حدیث میں سے کسی کے حکم کو ترک کرنا بھی لازم نہ آئے اور قرآن پر حدیث کو ترجیح دینے والی بات بھی پیدا نہ ہو۔

علامہ شعرانی ؒ شافعی کا اعتراف حق:

مشہور بزرگ اور عالم شیخ عبدالوہاب شعرانی ؒ اگرچہ شافعی المسلک ہیں مگر وہ سورۂ فاتحہ کو فرض کے بجائے واجب قرار دینے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بے حد مداح ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سے ثابت احکام ہیں جس فرق مراتب کا لحاظ امام ابوحنیفہ ؒ نے کیا ہے، کسی نے نہیں کیا۔

فَرَحِمَ اللّٰهِ الْاِمَامَ اَبَا حَنِيْفَةَ حَيْثُ غَايَرَ بَيْنَ لَفْظِ الْفَرْضِ وَ الْوَاجِبِ وَ بَيْنَ مَعْنَاهُمَا فَجَعَلَ مَافَرَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلٰى مِمَّا فَرَضَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنْ كَانَ لَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اَدَبًا مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ نَفَسَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْدَحُ الْاِمَامَ اَبَا حَنِيْفَةَ عَلٰى مِثْلِ ذَالِكَ لِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ رَفْعَ رُتْبَةَ تَشْرِيْعَ رَبِّهٖ عَلٰى تَشْرِيْعِهٖ هُوَ وَ لَوْ كَانَ ذَالِكَ بِاِذْنِهٖ تَعَالٰى وَ لَمْ يَنْظُرْ اِلٰى ذَالِكَ مَنْ جَعَلَ الْفَرْضِ وَالْوَاجِبِ مُتَرَادِفَيْنِ.

(المیزان الکبریٰ، فتح الملہم ج ۲ص ۱۹)

اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ ؒ پر رحم فرمائے کہ انہوں نے فرض اور واجب کے الفاظ اور ان کے معنی جدا جدا رکھے۔ پس جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا اس کا درجہ اونچا رکھا، اس چیز سے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کیا، اللہ تعالیٰ کے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے نہیں کہتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام ابوحنیفہ کی ایسی چیزوں پر مدح فرماتے ہیں کیونکہ اگرچہ آپ ؐ کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے، پھر بھی آپ ؐ اپنے رب کے جاری کردہ قانون کے درجہ کو اپنے جاری کردہ قانون پر بلند رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس بات کی طرف ان لوگوں نے نظر نہیں کی جنہوں نے فرض اور واجب کو مترادف قرار دیا ہے۔

قرأت خلف الامام

اس بات کے منقح ہو جانے کے بعد کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے ایک دوسرا مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر نماز باجماعت ہو رہی ہو تو مقتدی قرأت کرے گا یا نہیں؟ اسی مسئلہ کا نام ہے ''قرأت خلف الامام''

تنقیح مسئلہ:

اس مسئلہ کے تعلق سے چند باتیں بطور تمہید جان لینا ضروری ہیں۔

(۱) قرأت میں عام طور پر دو چیزیں شامل ہوتی ہیں' ایک سورۂ فاتحہ دوسرے کسی سورہ یا چند آیات کا ملانا.......... اختلاف صرف سورۂ فاتحہ کے بارے میں ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہیں' اس کے علاوہ جو سورۃ ملائی جاتی ہے یا جو رکوع وغیرہ پڑھا جاتا ہے وہ کسی کے نزدیک مقتدی کو نہیں پڑھنا ہے' بلکہ سارے ائمہ کے نزدیک اس میں امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہو جاتی ہے' مقتدی کو نہ امام والا رکوع یا سورہ پڑھنی ہوتی نہ کوئی سورہ یا رکوع اپنی طرف سے پڑھنا ہوتا۔ بس چپ چاپ کھڑے رہنا ہے' اگر جہری نماز ہو تو دھیان لگا کر امام کی قرأت سنے' ورنہ خاموشی کے ساتھ اللہ کی طرف لو لگائے رہے۔

(۲) اختلاف صرف اس میں ہے کہ سورہ یا رکوع کی طرح امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی مقتدی کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں' اگر کافی ہوگا تو کیا جہری اور سری ہر نماز میں' یا صرف جہری میں یا صرف سری نماز میں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری ہر نماز میں دیگر سورہ یا رکوع کی طرح' امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی مقتدی کی طرف سے کافی ہوگا۔ لہٰذا مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں۔ (موطا امام محمد ص ۹۴' فیض الباری ج ۲ ص ۲۷۴)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہری نمازوں (فجر' مغرب' عشاء) میں امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے لیے کافی ہوگا' لہٰذا جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے بلکہ چپ چاپ خاموشی کے ساتھ امام کی قرأت سننی چاہیے اور اگر کوئی مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا...... اور سری نمازوں (ظہر' عصر) میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے'

واجب یا فرض نہیں۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ص ۱۲۱' المیزان الکبریٰ للشعرانی ج ۱ص ۱۵۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی وفات سے دو سال قبل مصر میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ ان کا اسی آخری دور کا قول یہ ہے کہ ہر نماز میں خواہ جہری ہو یا سری مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ص ۱۳۷) لیکن مصر آنے سے پہلے امام مالکؒ کی طرح وہ بھی جہری نماز میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ کہتے تھے۔ (کشف المعضلات ص ۱۹۳)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہری نمازوں میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اور سری نمازوں میں مستحب ہے اور جہری نمازوں میں بھی اس وقت مستحب ہے جب مقتدی امام کی قرأت کو سن نہ سکے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ص ۲۶۶)

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ اقوال کتاب الام ج ۱ص ۹۳ سے مترشح ہوتا ہے کہ جہری نماز میں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔

(کشف المعضلات ص ۱۹۳)

(۴) ائمہ اربعہ کے مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ جہری نمازوں میں عام طور پر سبھی حضرات نے امام کے سورۂ فاتحہ کے پڑھ لینے کو مقتدی کے لیے کافی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی لیے فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

مَا سَمِعْنَا اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ يَقُوْلُ اِنَّ الْاِمَامَ اِذَا جَهَرَ بِالْقِرَاۃِ لَا تُجْزِئُ صَلٰوۃُ مَنْ خَلْفَهٗ اِذَا لَمْ يَقْرَأْ وَ قَالَ هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُهٗ وَ التَّابِعُوْنَ وَ هٰذَا مَالِكٌ فِيْ اَهْلِ الْحِجَازِ وَ هٰذَا الثَّوْرِيُّ فِيْ اَهْلِ الْعِرَاقِ وَ هٰذَا الْاَوْزَاعِيُّ فِيْ اَهْلِ الشَّامِ وَ هٰذَا اللَّيْثُ فِيْ اَهْلِ مِصْرَ مَا قَالُوْا الرَّجُلُ صَلّٰى وَ قَرَأَ اِمَامُهٗ وَ لَمْ يَقْرَأْ هُوَ صَلَاتُهٗ

ہم نے اہل اسلام میں سے کسی شخص کو بھی نہیں سنا کہ جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہراً قرأت کرے تو جس نے اس کے پیچھے قرأت نہیں کی اس کی نماز کافی نہیں ہوئی۔ اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ یا تابعینؒ نے اس طرح کی بات کہی ہو۔ یہ اہل حجاز میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں' یہ اہل عراق میں سفیان ثوریؒ ہیں' یہ اہل شام میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' کسی نے بھی نہیں کہا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اور امام نے قرأت کی اور اس نے قرأت نہیں کی تو اس

بَاطِلَةٌ. (ج ۱ص ۵۶۴) کی نماز باطل ہے۔

(۵) یہ تو جہری نمازوں کا معاملہ ہوا' سری نمازوں میں بھی بعض صورتوں میں ائمہ اربعہ نے امام کی قرأت کو مقتدی کے لیے کافی قرار دیا ہے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں اس وقت آئے جب جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور امام رکوع میں جا چکا ہو' لہٰذا یہ بھی فوراً نیت باندھ کر رکوع میں چلا جائے (خواہ نماز سری ہو یا جہری) ایسی صورت میں ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق اس شخص نے وہ رکعت پالی اور بالاجماع اس پر قرأت واجب نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳' فتح الملہم ج ۲ ص ۲۱)

صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہوئی ورنہ خود اس نے تو سورۃ فاتحہ وغیرہ پڑھی نہیں کیونکہ اس پر قرأت واجب ہی نہ تھی۔ اس کے باوجود اس کی وہ رکعت مل گئی۔

(۶) مذکورہ تنقیحات سے صاف ظاہر ہے کہ قرأت خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت اور امام کی قرأت کو مقتدی کی قرأت قرار دینے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تنہا نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ امام صاحبؒ سری اور جہری دونوں ہی نمازوں میں امام کی قرأت کو مقتدی کے لیے کافی کہتے ہیں اور دیگر ائمہ صرف جہری میں لیکن مدرک فی الرکوع کے مسئلہ میں تو سب امام صاحبؒ کے ہی مسلک کو قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

اب امام صاحبؒ کے مسلک کے دلائل اور وجہ ترجیح ملاحظہ کیجیے۔

مقتدی قرأت نہ کرے

قرآن سے ثبوت:

سورہ اعراف میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (آیت:۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہوتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیت نماز' اور بعض کے نزدیک خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ نماز میں جب قرآن پڑھا جائے تو اس وقت خاموش رہنا ہے اور اسے غور سے سننا ہے۔ اسی طرح جمعہ کے خطبہ کے وقت بھی نہ نماز جائز ہوگی نہ بات چیت' بلکہ صرف خطبہ ہی سننا ہے۔

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ وَ قَرَاَ اَصْحَابِهٖ وَرَاءَ هٗ رَافِعِيْنَ اَصْوَاتِهِمْ فَخَلَطُوْا عَلَيْهِ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ. (ج۴ص۵۰۰)

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز میں قرأت کی اور آپ کے پیچھے آپ کے اصحاب نے بھی بلند آواز سے قرأت کی' جس سے حضور کی قرأت میں گڑبڑ پیدا ہوئی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

روح المعانی میں ہے۔

فَقَدْ اَخْرَجَ عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَ بَيْهَقِیٌّ فِیْ سُنَنِهٖ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَرَاَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوةِ فَنَزَلَتْ وَ اِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ الخ وَ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَغَيْرُهٗ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ صَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ فَسَمِعَ اُنَاسًا يَقْرَءُوْنَ

عبد بن حمیدؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اور بیہقیؒ نے اپنی سنن میں مجاہدؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں قرأت کی تو یہ آیت واذا قری القران ..الخ نازل ہوئی۔ اور ابن جریرؒ وغیرہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو نماز پڑھائی' پس سنا کہ کچھ لوگ پیچھے قرأت کر رہے ہیں پس

خَلْفَهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا اِنْ لَكُمْ اَنْ تَفْهَمُوْا اَمَا اَنْ تَعْقِلُوْا وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَ اَنْصِتُوْا كَمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى. (ج۹ص۱۵۰)

جب حضورؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا کیا تم سوچتے اور سمجھتے نہیں، دیکھو جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے اور اصحابؓ رسولؐ میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مغفلؓ اور تابعین میں سعید بن جبیرؒ، عطاء بن رباحؒ، عبدالرحمٰن بن زیدؒ بن اسلمؒ ابراہیمؒ نخعیؒ، شعبیؒ، حسن بصریؒ، ابن شہاب زہریؒ، مجاہد، قتادہؒ اور عبیدؒ بن عمیر کے اسمائے گرامی نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان تمام حضرات کی روایات کے مطابق اس آیت کریمہ کا تعلق نماز میں قرآن پڑھنے اور خطبہ سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۰ و ص ۲۸۱)

ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں۔

قَالَ اَحْمَدُ فَالنَّاسُ عَلٰى اِنَّ هٰذَا فِى الصَّلٰوةِ وَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَ الْحَسَنِ وَ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَ الزُّهْرِيِّ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِىْ شَانِ الصَّلٰوةِ وَ قَالَ زَيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَ اَبُو الْعَالِيَةِ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَنَزَلَتْ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَ قَالَ اَحْمَدُ فِىْ رِوَايَةِ اَبِىْ دَاوٗدَ اَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰى اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ وَ لِاَنَّهٗ عَامٌّ فِيْنَا وِلُ بِعُمُوْمِهِ الصَّلٰوةُ. (ج۱ص۵۶۳)

امام احمدؒ نے فرمایا سب لوگ اسی کے قائل ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے، سعید بن المسیبؒ، حسنؒ، ابراہیمؒ، محمد بن کعبؒ اور زہریؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زید بن اسلمؒ اور ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو آیت واذا قری القران الخ نازل ہوئی، ابو داؤد کی ایک روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ آیت عام ہے۔ لہٰذا اپنے عموم کی وجہ سے نماز کو بھی شامل ہوگئی۔

یہی بات امام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں یوں فرماتے ہیں۔

وَ قَدْ اِسْتَفَاضَ عَنِ السَّلَفِ اِنَّهَا

سلف سے شہرت اور استفاضہ کے طریقہ سے

نَزَلَتْ فِی الْقِرَاۃِ فِی الصَّلٰوۃِ وَ قَالَ بَعْضُھُمْ فِی الْخُطْبَۃِ وَ ذَکَرَ اَحْمَدُ بْنِ حَنْبَلِ الْاَجْمَاعِ عَلٰی اَنَّھَا نَزَلَتْ فِیْ ذَالِکَ.

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۶۹)

مروی ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت سے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خطبہ کے بارے میں ہے- اور امام احمد بن حنبلؒ نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی-

دوسری جگہ لکھتے ہیں-

اَحَدُھَا مَا ذَکَرَہُ الْاِمَامِ اَحْمَدُ مِنْ اَجْمَاعِ النَّاسِ عَلٰی اَنَّھَا نَزَلَتْ فِی الصَّلٰوۃِ وَ فِی الْخُطْبَۃِ وَ کَذَالِکَ قَوْلَہٗ وَ اِذَا قُرِیَ فَاَنْصِتُوْا.

(ج ۲۳ ص ۳۱۲)

ایک تو وہ جسے امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی' ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان و اذا قری فانصتوا (جب امام قرات کرے تو تم چپ رہو)

آیت کریمہ اور اس کی تفسیر کی روشنی میں درج ذیل امور منقح ہو کر سامنے آ گئے-

(۱) نماز میں جب قرآن پڑھا جائے تو سب لوگوں کو خاموشی کے ساتھ اسے سننا ہے اور خود نہیں پڑھنا ہے' کیونکہ اگر خود پڑھنے لگیں تو غور سے سننا اور خاموش رہنا کیسے پایا جائے گا-

(۲) ظاہر ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنے والا امام ہو گا اور جنہیں خاموش رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ مقتدی ہیں-

(۳) قرآن کا لفظ عام ہے' سورۂ فاتحہ بھی قرآن ہے اور دیگر سورتیں بھی' لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھی جائے یا کوئی اور سورۂ' ہر حال میں مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے' ایسا نہیں ہے کہ امام کے سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت مقتدی خود بھی پڑھنے لگیں اور دیگر سورتوں کے پڑھتے وقت خاموش رہیں-

(۴) آیت کریمہ میں مقتدی کے لیے بلا کسی قید کے مطلقاً قرأت کی ممانعت ہے' خواہ جہری نماز ہو یا سری' لہٰذا جس طرح بلا کسی تخصیص کے جہری اور سری دونوں نمازوں میں امام قرأت کرتا ہے اسی طرح بلا کسی تخصیص کے چپ رہنا اور غور سے سننا بھی دونوں میں ممکن ہے لہٰذا یہ حکم دونوں کو عام ہو گا-

(۵) مطلق قرأت' امام اور مقتدی دونوں پر فرض ہوتی ہے- اس آیت کریمہ میں مقتدی کو قرأت

کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا- اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز باجماعت میں قرأت مقتدی کے ذمہ نہیں، بلکہ یہ فرض اس کی طرف سے امام ادا کرے گا اور مقتدی خاموش رہے گا- اور امام کا ادا کرنا مقتدی کی طرف سے کافی ہو جائے گا-

آیت کا تعلق اہل ایمان سے ہے:

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آیت کریمہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ... الخ نماز میں قرآن پڑھنے اور خطبہ سے متعلق ہے، تو یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آیت کا شان نزول مسلمان ہیں نہ کہ کفار، ظاہر ہے کہ نماز کون پڑھے گا؟ جمعہ کا خطبہ سننے کون آئے گا پھر یہ کہ سابقہ حوالوں میں صراحت کے ساتھ گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرأت کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کیا اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیت کریمہ کا شان نزول مسلمان ہیں یا کفار؟-

اس کے ساتھ ہی آیت کا سیاق و سباق بھی گواہی دیتا ہے کہ آیت کا تعلق مسلمانوں سے ہے نہ کہ کفار و مشرکین .... چنانچہ اس سے پہلی آیت میں یہ ارشاد خداوندی ملتا ہے-

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (اعراف/۲۰۳)	یہ بصیرت کی چیزیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں-

ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں اہل ایمان کا تذکرہ ہے- اور اس کے فوراً بعد آیت زیر بحث آتی ہے-

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (اعراف/۲۰۳)	اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے-

گویا کہا جا رہا ہے کہ جب یہ قرآن مومنین کے لیے بصیرت اور ہدایت کی چیز ہے تو انہیں اس کو خاموشی کے ساتھ غور سے سننا چاہیے، خواہ وہ جب بھی پڑھا جائے نماز میں یا غیر نماز میں، اور نماز میں تو خاص طور سے خاموش رہتے ہوئے غور سے سننا چاہیے کیونکہ نماز بندہ کے باری تعالیٰ کی طرف پوری توجہ لگا دینے کا سب سے خاص وقت ہوتا ہے، اس لیے اور بھی اس کے کلام کو بغور سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے- لہٰذا مومنین اگر ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر رحم و

کرم کی امید ہے۔

پھر فرمایا جا رہا ہے۔

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ.

اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو' صبح کے وقت اور شام کے وقت اور نہ ہو غافلوں میں سے۔

آیت کا تعلق کفار سے نہیں:

امام رازیؒ آیت کریمہ کے متعلق ایسے چار اقوال[۱] نقل کرنے کے بعد جن سے اہل ایمان سے خطاب ہونا ظاہر ہوتا ہے' لکھتے ہیں۔

وَ فِي الْاٰيَةِ قَوْلٌ خَامِسٌ وَ هُوَ اَنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا خِطَابٌ مَعَ الْكُفَّارِ فِيْ اِبْتِدَاءِ التَّبْلِيْغِ وَ لَيْسَ خِطَابًا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ.

اور آیت کے بارے میں ایک پانچواں قول بھی ہے' وہ یہ کہ اس آیت میں ابتدائے تبلیغ میں کفار سے خطاب ہے۔ مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج۴ص۵۰۲)

مگر امام رازیؒ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ پانچواں قول کس کا ہے اور صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین

---

[۱] چاروں اقوال امام رازیؒ کی ترتیب کے مطابق یہ ہیں۔ (۱) آیت اپنے عموم پر جاری ہے۔ لہٰذا جس جگہ بھی قرآن پڑھا جائے غور سے سننا اور سکوت اختیار کرنا ضروری ہے' اس قول کی بنیاد پر راستہ چلنے والے اور بچوں کے اساتذہ پر بھی خاموش رہ کر غور سے سننا واجب ہے' حسن اور اصحاب ظواہر کا یہی قول ہے (۲) نماز میں پہلے بات چیت کی اجازت تھی۔ اس آیت کے ذریعہ وہ اجازت منسوخ ہوگئی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ (۳) اس آیت کے ذریعہ امام کے پیچھے جہراً قراءت ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے۔ (۴) اس آیت میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور خطبہ کو غور سے سننے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ اور امام شافعیؒ و دیگر بہت سے لوگوں سے منقول ہے۔

قارئین کرام اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ ان چاروں اقوال میں جس قول کو بھی اختیار کیا جائے خطاب مسلمانوں سے ہی ہوگا نہ کہ کفار سے۔

میں سے کس سے منقول ہے۔ جب کہ بقیہ چاروں قولوں کے متعلق تصریح کرتے گئے کہ یہ فلاں کا قول ہے اور یہ فلاں کا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پانچواں قول صحابہ، تابعین، تبع تابعین، یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، یہ امام رازیؒ کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے کہ انہوں نے بتایا کہ آیت کریمہ میں ایک پانچواں احتمال بھی نکل سکتا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں بجائے مسلمانوں کے کفار سے خطاب ہو۔

اب پانچویں قول کے مطابق آیت کریمہ میں بجائے مسلمانوں کے، کفار سے خطاب ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اس سلسلے میں امام رازیؒ لکھتے ہیں۔

وَ مِمَّا یُقَوِّیْ اَنَّ حَمْلَ الْاٰیَۃِ عَلٰی مَاذَکَرْنَاہُ اَوْلٰی وَ جُوْہٌ (اَلْاَوَّلُ) اَنَّہٗ تَعَالٰی حَکٰی عَنِ الْکُفَّارِ اَنَّھُمْ قَالُوْا لَاتَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْافِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ فَلَمَّا حَکٰی عَنْھُمْ ذَالِکَ نَاسَبَ اَنْ یَّاْمُرَھُمْ بِالْاِسْتِمَاعِ وَ السُّکُوْتِ حَتّٰی یُمَکِّنَھُمْ الْوُقُوْفَ عَلٰی مَا فِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْوُجُوْہِ الْکَثِیْرَۃِ الْبَالِغَۃِ اِلٰی حَدِّ الْاَعْجَازِ (وَ الْوَجْہُ الثَّانِیْ) اَنَّہٗ تَعَالٰی قَالَ قَبْلَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ ھٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ فَحُکْمُ تَعَالٰی یَکُوْنُ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ رَحْمَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی سَبِیْلِ الْقَطْعِ وَ الْجَزْمِ ثُمَّ قَالَ وَ اِذَا قُرِیَ

آیت کو ہمارے[1] بیان کردہ قول پر محمول کرنے کو اولیٰ قرار دینے کے کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور کرو تاکہ تم غالب آ جاؤ، پس جب ان کے متعلق یہ بات بیان فرمائی تو مناسب ہوا کہ انہیں غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دے تاکہ ان کے لیے قرآن کے ان وجوہ کثیر پر مطلع ہونا ممکن ہو جائے جو حد اعجاز کو پہنچے ہوئے ہیں، دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلے فرمایا ہے ''یہ بصیرت کی چیزیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے مومنین کے لیے'' پس اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو مومنین کے لیے قطعی اور یقینی طور پر رحمت قرار دیا، پھر فرمایا ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو

---

[1] ثابت ہوا کہ یہ امام رازیؒ کا اپنا قول ہے۔ نہ کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین یا ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔

الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ انْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَ لَوْ كَانَ الْمُخَاطِبُوْنَ بِقَوْلِهٖ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ انْصِتُوْاهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَمَا قَالَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ لِاَنَّهٗ جَزَمَ تَعَالٰى قَبْلَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ يَكُوْنُ الْقُرْاٰنُ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ قَطْعًا فَكَيْفَ يَقُوْلُ بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ لَعَلَّ اِسْتِمَاعَ الْقُرْاٰنِ يَكُوْنُ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اَمَّا اِذَا قُلْنَا اِنَّ الْمُخَاطِبِيْنَ بِقَوْلِهٖ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ انْصِتُوْاهُمُ الْكَافِرُوْنَ صَحَّ حِيْنَئِذٍ قَوْلُهٗ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ لِاَنَّ الْمَعْنٰى فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ انْصِتُوْا فَلَعَلَّكُمْ تَطَّلِعُوْنَ عَلٰى مَافِيْهِ مِنْ دَلَائِلِ الْاِعْجَازِ فَتُؤْمِنُوْا بِالرَّسُوْلِ فَتَصِيْرُوْا مَرْحُوْمِيْنَ فَثَبَتَ اِنَّا لَوْ حَمَلْنَاهُ عَلٰى مَا قُلْنَاهُ حَسُنَ قَوْلُهٗ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَ لَوْ قُلْنَا اِنَّ الْخِطَابَ خِطَابٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَمْ يَحْسُنْ ذِكْرُ لَفْظِ لَعَلَّ.

(ج ۴ص ۵۰۲)

اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' اگر فاستمعوا له و انصتوا سے مخاطب مومنین ہوتے تو لعلکم ترحمون نہ فرماتا۔ اس لیے کہ اس آیت سے پہلے قطعی طور پر قرآن کو مومنین کے لیے رحمت فرمایا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے فوراً بعد بلافصل فرمائے گا کہ امید ہے کہ قرآن کو غور سے سننا مومنین کے لیے رحمت ہو۔ لیکن جب ہم فاستمعوا له و انصتوا کا مخاطب کافروں کو قرار دیں تو اس وقت لعلکم ترحمون کہنا صحیح ہو جائے گا۔ اس لیے کہ مطلب یہ ہوگا کہ پس قرآن کو غور سے سنو اور خاموش رہو پس ہوسکتا ہے کہ تم قرآن کے دلائل اعجاز پر مطلع ہو پس ایمان لے آؤ اور تم رحم کیے ہوئے لوگوں میں ہو جاؤ' پس ثابت ہوا کہ اگر ہم اسی پر محمول کریں جو ہم نے کہا تو لعلکم ترحمون کہنا درست رہے گا' اور اگر ہم کہیں کہ خطاب مومنین سے ہے تو ''لعل'' کا لفظ درست نہیں رہے گا۔

استدلال کی کمزوری:

لیکن جمہور کے مقابلے میں امام رازیؒ کے یہ دونوں استدلال غلط ہیں۔ پہلا استدلال غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی دلیل میں سورہ حم سجدہ کی درج ذیل آیت پیش کی ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

اور کافروں نے کہا کہ مت سنو اس قرآن کو اور شور کرو اس کے پڑھنے میں' شاید تم غالب

تَغۡلِبُوۡنَ. (آیت/۲۶)　　آ جاؤ.

کہ کفار، قرآن سننے سے منع کرتے تھے اور جب قرآن پڑھا جاتا تو شور و غوغا کرتے تاکہ ان کے شور و شغب میں قرآن کی آواز دب جائے۔ تب انہیں حکم دیا گیا کہ قرآن کو غور سے سنو اور شور و غوغا نہ کرو بلکہ خاموش رہو تاکہ تم قرآن کے معجزانہ اسلوب سے مطلع ہو سکو۔

فَلَمَّا حَکٰی عَنۡهُمۡ ذَالِکَ نَاسَبَ اَنۡ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡاِسۡتِمَاعِ وَ السُّکُوۡتِ حَتّٰی یُمَکِّنَهُمُ الۡوُقُوۡفَ عَلٰی مَا فِی الۡقُرۡاٰنِ مِنَ الۡوُجُوۡهِ الۡکَثِیۡرَةِ الۡبَالِغَةِ اِلٰی حَدِّ الۡاَعۡجَازِ. (ج۴ص۵۰۲)

پس جب ان کے متعلق یہ بات بیان فرمائی مناسب ہوا کہ انہیں غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دے تاکہ ان کے لیے قرآن کے ان وجوہ کثیر پر مطلع ہونا ممکن ہو جائے جو حد اعجاز کو پہنچے ہوئے ہیں۔

گویا امام رازیؒ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ سورۂ حم سجدہ کی آیت وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ الخ پہلے نازل ہوئی اور اس میں قرآن پڑھتے وقت کفار کے شور و غوغا کا ذکر کیا گیا، اس کے بعد سورۂ اعراف کی زیر بحث آیت اِذَا قُرِیَٔ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَ اَنۡصِتُوۡا نازل ہوگئی اور کفار کو خاموش رہ کر قرآن غور سے سننے کا حکم دیا گیا۔

حالانکہ معاملہ برعکس ہے، کیونکہ سورۂ اعراف پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ حم سجدہ بعد میں۔

(دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن ج۱ص۱۱، عبداللہ بن عباسؓ کی روایت)

ممکن ہے کہ ہمارے اس اعتراض سے بچنے کے لیے کوئی صاحب کہیں کہ سورۂ اعراف اور سورۂ حم سجدہ دونوں مکی ہیں، یہ صحیح ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ حم سجدہ سے پہلے سورۂ اعراف نازل ہوئی ہے، مگر سورۂ اعراف کی آیت زیر بحث اِذَا قُرِیَٔ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَ اَنۡصِتُوۡا. الخ سورۂ حم سجدہ کے بعد نازل ہوئی کیونکہ یہ آیت مدنی ہے جیسا کہ بیہقیؒ وغیرہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک انصاری نے نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی تو یہ آیت کریمہ اِذَا قُرِیَٔ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَ اَنۡصِتُوۡا الخ نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ انصار مدینہ کو انصار کا لقب مدینہ ہجرت کے بعد ہی ملا۔ اس سے پتہ چلا کہ سورۂ اعراف اگرچہ مکی ہے مگر خاص یہ آیت مدنی ہے، اور حم سجدہ پوری مکی ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیت حم سجدہ کی آیت وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الخ سے نزول کے اعتبار سے مؤخر ہو جائے گی۔

مگر اس کا سیدھا سادہ جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ جب یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور انصاری صحابی کا نماز میں ''قرأت'' کرنا اس کا شان نزول ہے تو کفار کو اس کا مخاطب قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے' اس سے خود ثابت ہو گیا کہ آیت کے مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ کفار۔

اب یا تو یہ ثابت کیجئے کہ حم سجدہ' سورۂ اعراف سے پہلے نازل ہوئی ہے' یا یہ ثابت کیجئے کہ اعراف ہی پہلے نازل ہوئی ہے' مگر اسی سورۂ کی آیت زیر بحث حم سجدہ کے بعد مکہ میں ہی نازل ہوئی ہے' نری قیاس آرائی سے کام نہیں چلے گا' مدلل و مکمل ثبوت چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا الخ میں ایک عام حکم دیا جا رہا کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے اسے غور سے سنو اور خاموش رہو' ایسا نہیں ہے کہ غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم کفار کو تو ہو مگر مسلمانوں کو نہ ہو' مسلمان تو اس حکم کے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مخاطب ہیں کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو خواہ نماز میں یا نماز کے باہر' تو خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔

امام رازیؒ کا دوسرا استدلال آیت کے الفاظ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ سے تھا انہیں سب سے بڑی پریشانی لفظ ''لَعَلَّ'' سے تھی کہ اس میں رحم کیے جانے کی قطعی بات نہیں کہی گئی' حالانکہ یہ خطاب مومنین سے ہوتا تو جس طرح قرآن کو اس سے قبل والی آیت هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ میں مومنین کے لیے سبب رحمت قطعی طور پر کہا گیا تو اس سے فوراً آنے والی زیر بحث آیت میں بھی قطعی حکم ہی ہونا چاہیے۔

لیکن قطعی حکم نہ ہونے پر حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ عقائد کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ پر اصلح للعبد واجب نہیں[1]۔ اسی طرح طاعت پر ثواب دینا اور معصیت پر سزا دینا بھی اللہ پر واجب نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ طاعت پر ثواب دیتا ہے تو یہ اس کا کرم ہے اور معصیت پر سزا نہیں دیتا تو بھی عین عدل ہے' اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں' خود امام رازیؒ تفسیر کبیر کی اسی جلد میں شروع میں لکھ چکے ہیں۔

دَلَالَةُ الْاٰيَةِ عَلٰى اَنَّ الطَّاعَةَ لَا آیت نے دلالت کیا کہ طاعت' ثواب کو واجب

---

[1] شرح عقائد نسفی ص ۷۵۔

تُوجِبُ الثَّوَابَ وَ الْمَعْصِيَةِ لَا تُوجِبُ الْعِقَابَ. نہیں کرتی اور معصیت عقاب کو واجب نہیں کرتی۔ (ج ۴ ص ۲۵)

لہٰذا اگر مومنین کو خطاب کرنے کے باوجود رحم کیے جانے کی قطعی بات نہیں کہی گئی ہے تو بھی اس سے مومنین کے مخاطب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

علامہ آلوسیؒ نے اس کے علاوہ دو جوابات دیئے ہیں' فرماتے ہیں۔

أُجِيبُ بِأَنَّ الرَّحْمَةِ الْمَرْجُوَّةَ غَيْرُ تِلْكَ الرَّحْمَةِ وَ لَئِنْ سَلَّمَ كَوْنُهَا إِيَّاهَا فَالَا طَمَاعِ مِنَ الْكَرِيمِ وَاجِبٌ فَلَمْ يَبْقِ فَرْقٌ.

جواب دیا گیا ہے کہ رحمت جس کی (لعلکم ترحمون) میں امید دلائی گئی ہے وہ اس رحمت کے علاوہ ہے (جو و رحمة لقوم یومنون میں ہے لیکن اگر مان لیا جائے کہ یہ بھی وہی رحمت ہے تو بھی کریم ذات (باری تعالیٰ) سے امید رکھنا واجب ہے' لہٰذا دونوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۳)

اس ذیل میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ کا تحقیق الکلام حصہ دوم ص ۶۴ پر امام رازیؒ کے قول کو نظم قرآن سے مرتبط کہنا اور مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی پر رد کرنا سراسر غلط ہے۔ کیونکہ نظم قرآن اس آیت کا مخاطب اہل ایمان کو ہی قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ علامہ طیبیؒ نے بھی اسی بات کو مفصل و مکمل بیان کیا ہے۔ (دیکھیے روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۳)

قرأت خلف الامام پر امام رازیؒ کے اعتراضات:

امام رازیؒ کے اس قول سے کچھ لوگ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام رازیؒ قرأت خلف الامام کے قائل تھے' حالانکہ اسی آیت کی تفسیر میں قول رابع کے تحت امام رازی نے قرأت خلف الامام پر اتنے اعتراضات کیے ہیں کہ قائلین قرأت سے شاید ہی ان کے جوابات بن پڑیں۔

امام رازیؒ کی اصل عبارت پیش کرنے سے قبل ہم بطور تمہید تین باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ قدماء کا طریقہ ہے کہ اگر وہ اپنی کتاب میں کسی اختلافی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور اس میں کوئی اعتراض کی گنجائش ہوتی ہے تو عام طور پر اعتراض کو بجائے اپنی طرف منسوب کرنے کے پیرایہ بیان بدل کر یوں کہتے ہیں لقائل ان یقول (کسی کہنے والے کو حق ہے کہ وہ کہے) اس کے بعد اصل اعتراض لکھتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اعتراض انہیں کا ہوتا ہے۔ مگر اسے کسی مجہول قائل

کی طرف منسوب کر دیتے ہیں-قدماء کا یہ انداز اعتراض اتنا عام ہے کہ درس وتدریس سے شغف رکھنے والا ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ ایسے موقعوں پر اعتراض کس کا ہوتا ہے-

دوسری بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی جہری نمازوں میں عین امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت کو معیوب اور آیت کریمہ اِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا اور ارشاد نبویؐ وَ اِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا (جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو) کے خلاف سمجھتے ہیں' لہٰذا وہ بھی سکتات امام میں مقتدی کو قرأت کا حکم دیتے ہیں-یعنی جب امام ایک آیت پڑھ کر رک جائے اور سانس توڑ دے تو پہلی آیت اور دوسری آیت کے درمیان خاموشی کا جو وقفہ ہوتا ہے' اسی وقفہ میں مقتدی کو قرأت کی اجازت دیتے ہیں[1]

تیسری بات یہ ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ نے بھی اس معاملے میں امام شافعیؒ کی ہمنوائی کی ہے' لکھتے ہیں-

''پس ہر امام کے واسطے سکتات واوقاف مذکورہ کم سے کم مسنون تو ضرور رہوں گے'جب تم یہ سب باتیں معلوم کر چکے تو سنو کہ آیۃ واذا قری القران سے ان سکتات واوقاف امام میں قرأت خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی-'' (تحقیق الکلام حصہ دوم ص ۵۶)

ان تمہیدات وتوضیحات کے بعد اب سنئے کہ امام رازیؒ سکتات امام میں مقتدی کے قرأت کرنے پر کس طرح اعتراض کرتے ہیں-

وَ لِقَائِلٍ اَنْ يَقُوْلَ سُكُوْتُ الْاِمَامِ اِمَّا اَنْ نَقُوْلَ اَنَّهٗ مِنَ الْوَاجِبَاتِ اَوْ لَيْسَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَ الْاَ وَّلُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ وَ الثَّانِيْ يَقْتَضِيْ اَنْ	کسی کہنے والے کو حق ہے کہ کہے کہ امام کا سکوت یا تو ہم اسے واجب کہیں گے یا واجب نہیں کہیں گے'واجب کہنا بالاجماع باطل ہے'اور واجب نہ ہونے کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ امام

---

[1] یہ سارے اعتراضات اس بنیاد پر ہیں کہ جب آیت میں قرأت قرآن کے وقت خاموش رہنے اور غور سے سننے کا ایک عام حکم دیا جا رہا ہے-تو سورۂ فاتحہ کی تخصیص کر کے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ امام شافعیؒ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ سکتاب واوقاف امام میں مقتدی پڑھے گا تو آیت کے عموم کی مخالفت لازم نہیں آئے گی-لیکن امام رازیؒ اس جواب سے مطمئن نہیں ہیں چنانچہ وہ اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں-جیسا کہ آ رہا ہے-

يَجُوْزَ لَهُ اَنْ لَا يَسْكُتَ فَتَقْدِيْرُهُ اَنْ لَا يَسْكُتَ يَلْزَمُ اَنْ تَحْصُلَ قِرَاةِ الْمَامُوْمِ مَعَ قِرَاةِ الْاِمَامِ وَ ذَالِكَ يُفْضِيْ اِلٰى تَرْكِ الْاِسْتِمَاعِ وَ اِلٰى تَرْكِ السُّكُوْتِ عِنْدَ قِرَاةِ الْاِمَامِ وَ ذَالِكَ عَلٰى خِلَافِ النَّصِّ وَ اَيْضًا لِهٰذَا السُّكُوْتِ لَيْسَ لَهُ حَدٌّ مَحْدُوْدٌ وَ مِقْدَارٌ مَخْصُوْصٌ وَ السَّكْتَةُ لِلْمَامُوْمِيْنَ مُخْتَلِفَةٌ بِالثِّقْلِ وَ الْخِفَّةِ فَرُبَمَا لَا يَتَمَكَّنُ الْمَامُوْمُ مِنْ اِتْمَامِ قِرَائَةِ الْفَاتِحَةِ فِيْ مِقْدَارِ سُكُوْتِ الْاِمَامِ وَ حِيْنَئِذٍ يَلْزَمُ الْمَحْذُوْرُ الْمَذْكُوْرُ وَ اَيْضًا فَالْاِمَامُ اِنَّمَا يَبْقٰى سَاكِتًا لِيَتَمَكَّنَ الْمَامُ مِنْ اِتْمَامِ الْقِرَاةِ وَ حِيْنَئِذٍ يَنْقَلِبُ الْاِمَامُ مَامُوْمًا وَ الْمَامُوْمُ اِمَامًا لِاَنَّ الْاِمَامَ فِيْ هٰذَا السُّكُوْتِ يَصِيْرُ كَالتَّابِعِ لِلْمَامُوْمِ وَ ذَالِكَ غَيْرُ جَائِزٍ.

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۰)

سکوت نہ کرے۔ لہٰذا اگر امام سکوت نہ کرے تو مقتدی کی قرأت' امام کی قرأت کے ساتھ پائی جائے گی اور اس سے امام کی قرات کے وقت غور سے سننے اور خاموش رہنے کا ترک لازم آئے گا اور یہ بات نص کے خلاف ہے۔ اسکے علاوہ اس سکوت کی کوئی حد یا کوئی مخصوص مقدار نہیں اور امام کا سکتہ' مقتدیوں (کے مختلف الاحوال ہونے کی وجہ سے) ثقل اور خفت میں مختلف ہوتا ہے۔ پس بسا اوقات امام کے سکوت کی مقدار میں' مقتدی مکمل سورہَ فاتحہ پڑھنے پر قادر نہیں ہوتا (لہٰذا اگر وہ امام کی قرات کے ساتھ اپنی سورہَ فاتحہ مکمل کرنے لگے تو) پھر وہی سابقہ خرابی لازم آئے گی یعنی نص کے خلاف عمل کرنا علاوہ ازیں امام کا اس لیے سکوت اختیار کرنا کہ مقتدی سورہَ فاتحہ مکمل کر لے اس میں قلب موضوع ہے کہ امام مقتدی بن گیا اور مقتدی امام اس لیے کہ اس صورت میں جب مقتدی کے واسطے امام سکوت اختیار کرے گا تو وہ مقتدی کے تابع ہو گیا اور یہ جائز نہیں (کیونکہ امام اس لیے ہوتا ہے کہ مقتدی اسکے تابع ہوں نہ اس لیے کہ امام مقتدی کے تابع ہوں)

اس اعتراض کے بعد .... جو سکتات و اوقاف امام میں مقتدی کی قرات کرنے سے متعلق تھا........ امام رازیؒ ایک دوسرا اعتراض کرتے ہیں' دوسرے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ زیر بحث آیت کریمہ میں فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (غور سے سنو اور خاموش رہو) کے الفاظ ہیں' اور ''انصات'' جہراً قرأت نہ کرنے کا نام ہے۔ اہل عرب اس شخص

کو "منصت" کہتے ہیں جو جہراً نہ پڑھے اگر چہ دل میں بایں طور پڑھے کہ کوئی دوسرا نہ سنے۔ لہٰذا امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت اس طور پر ملے گی کہ وہ جہراً قرأت نہ کرے مگر دل میں پڑھے اور کسی کو نہ سنائے۔

امام رازیؒ مقتدی کی اس طرح کی قرأت کے بھی مخالف ہیں اور آیت کریمہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کے خلاف سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

وَ لِقَائِلٍ اَنْ يَّقُوْلَ اِنَّهٗ تَعَالٰى اَمَرَهٗ اَوَّلًا بِالْاِسْتِمَاعِ وَ اشْتِغَالِهٖ بِالْقِرَاۃِ يَمْنَعُهٗ مِنَ الْاِسْتِمَاعِ لِاَنَّ الْاِ سْمَاعَ غَيْرٌ وَّ الْاِ سْتِمَاعِ غَيْرٌ فَالْاِ سْتِمَاعِ عِبَارَۃٌ عَنْ كَوْنِهٖ بِحَيْثُ يُحِيْطُ بِذَالِكَ الْكَلَامُ الْمَسْمُوْعِ عَلَى الْوَجْهِ الْكَامِلِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُوْسٰى وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى وَ الْمُرَادُ مَا ذَكَرْ نَاهُ وَ اِذَا ثَبَتَ هٰذَا وَ ظَهَرَ اَنَّ الْاِشْتِغَال بِالْقِرَاۃِ مِمَّا يَمْنَعِ الْاِسْتِمَاعِ عَلِمْنَا اَنَّ الْاَمْرَ بِالْاِسْتِمَاعِ يُفِيْدُ النَّهْىَ عَنِ الْقِرَاۃِ.

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۲)

کسی کہنے والے کو حق ہے کہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے غور سے سننے کا حکم دیا ہے اور مقتدی کا قرأت میں مشغول ہونا، امام کی قرأت کو غور سے سننے سے مانع ہے۔ اس لیے کہ اسماع ایک الگ چیز ہے اور استماع ایک الگ چیز، پس استماع نام ہے اس بات کا کہ کلام مسموع کا پورے طور پر احاطہ کر لیا جائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا انا اخترتک فاستمع لما یوحی میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو یعنی اس کا پورے طور پر احاطہ کرو۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ (اللہ تعالیٰ نے غور سے سننے کا حکم دیا ہے) تو ظاہر ہو گیا کہ مقتدی کا قرأت میں مشغول ہونا امام کی قرأت کو غور سے سننے اور اس کا پورے طور پر احاطہ کرنے سے روک دے گا۔ معلوم ہوا کہ غور سے سننے کا حکم، قرأت کی ممانعت کا فائدہ دیتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ مقتدی کی قرأت کے مخالف:

امام ابن تیمیہؒ مقتدی کی قرأت کے سخت مخالف ہیں اور انہوں نے قرأت خلف الامام کی ممانعت پر سورۂ اعراف کی اسی آیت سے استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں۔

قَوْلَهُ تَعَالٰی وَ اِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَفْظٌ عَامٌّ فَاَمَّا اَنْ یَخْتَصَّ فِی الْقِرَاۃِ فِی الصَّلٰوۃِ اَوْفِی الْقِرَاۃِ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوۃِ اَوْیَعُمَّهَا وَ الثَّانِیْ بَاطِلٌ قَطْعًا لِاَنَّهٗ لَمْ یَقُلْ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّهٗ یَجِبُ الْاِسْتِمَاعِ خَارِجَ الصَّلٰوۃِ وَ لَا یَجِبُ فِی الصَّلٰوۃِ لِاَنَّ اسْتِمَاعِ الْمُسْتَمِعُ اِلٰی قِرَاۃِ الْاِمَامِ الَّذِیْ یَاتِمُّ بِهٖ وَ یَجِبُ عَلَیْهِ مُتَابَعَتُهٗ اَوْلٰی مِنِ اسْتِمَاعِهٖ اِلٰی قِرَاۃِ مَنْ یَقْرَأ خَارِجَ الصَّلٰوۃِ دَاخِلَۃٌ فِی الْاٰیَۃِ اِمَّا عَلٰی سَبِیْلِ الْخُصُوْصِ وَ اِمَّا عَلٰی سَبِیْلِ الْعُمُوْمِ وَ عَلَی التَّقْدِیْرَیْنِ فَالْاٰیَۃُ دَالَّۃٌ عَلٰی اَمْرِ الْمَاْمُوْمِ بِالْاِنْصَاتِ لِقِرَاۃِ الْاِمَامِ وَ سَوَا کَانَ اَمْرَایْجَابٍ اَوِ اسْتِحْبَابٍ فَالْمَقْصُوْدُ حَاصِلٌ فَاِنَّ الْمُرَادَاَنِ الْاِسْتِمَاعِ اَوْلٰی مِنَ الْقِرَاۃِ وَ هٰذَا صَرِیْحٌ دَلَالَۃُ الْاٰیَۃِ عَلٰی کُلِّ تَقْدِیْرٍوَ الْمُنَازِعُ یُسَلِّمُ اَنَّ الْاِسْتِمَعِ مَاْمُوْرِبِهٖ دُوْنَ الْفَاتِحَۃِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ وَ هِیَ الَّتِیْ

اللہ تعالیٰ کا فرمان اذا قری القران فاستمعوا له و انصتوا عام الفاظ ہیں۔ پس یا تو یہ حکم نماز کی قرات کے ساتھ خاص ہوگا یا نماز کے علاوہ کی قرأت کے ساتھ خاص ہوگا۔ یا نماز وغیر نماز سب کی قرأت کو عام ہوگا۔ دوسری صورت قطعی طور پر باطل ہے کیونکہ کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ خارج نماز قرأت کو غور سے سننا واجب ہے اور نماز میں قرأت کو غور سے سننا واجب نہیں۔ اس لیے کہ مقتدی کا اپنے اس امام کی قرات کو غور سے سننا جس کی وہ اقتداء کر رہا ہے اور جس کی متابعت اس پر لازم ہے اولیٰ ہے اس شخص کی قرأت کو غور سے سننے سے جو خارج نماز قرات کر رہا ہے۔ لہٰذا نماز کی قرات آیت میں داخل ہے۔ یا خصوصیت کے ساتھ (پہلی شق کے مطابق) یا عموم کے طریقے پر (تیسری شق کے مطابق اور دوسری شق کا بطلان تو ظاہر ہی ہو چکا) دونوں صورتوں میں آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کے لیے خاموش رہنا ہے خواہ یہ حکم ایجابی ہو یا استحبابی مقصود دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ مقتدی کا امام کی قرأت کو توجہ سے سننا خود قرأت کرنے سے اولیٰ ہے۔ یہ آیت کی صریح دلالت ہے۔ دونوں میں سے ہر صورت میں اور فریق مخالف (شوافع وغیرہ) اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد میں مقتدی کے لیے غور سے سننے کا ہی

لَابُدَّ مِنْ قِرَاْتِهَا فِیْ کُلِّ صَلٰوةٍ وَ الْفَاتِحَةِ اَفْضَلُ سُوَرِ الْقُرْاٰنِ وَ هِیَ الَّتِیْ لَمْ یَنْزِلْ فِی التَّوْرَاةِ وَ لَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَ لَا فِی الزَّبُوْرِ وَ لَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا فَیَمْتَنِعُ اَنْ یَکُوْنَ الْمُرَادُ بِالْاٰیَةِ الْاِسْتِمَاعَ اِلٰی غَیْرِهَا دُوْنَهَا مَعَ اِطْلَاقِ لَفْظِ الْاٰیَةِ وَ عُمُوْمِهَا مَعَ اَنَّ قِرَاْتَهَا اَکْثَرُ وَ اَشْهَرُ وَ هِیَ اَفْضَلُ مِنْ غَیْرِهَا فَاِنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰی اِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ یَتَنَا وَ لَهَا وَ لَا یَتَنَاوَلُ غَیْرَهَا لَفْظًا وَ مَعْنًی وَ الْعَادِلُ عَنِ اسْتِمَاعِهَا اِلٰی قِرَاْتِهَا اِنَّمَا یَعْدِلُ لِکَوْنِ قِرَاْتِهَا عِنْدَهٗ اَفْضَلُ مِنَ الْاِسْتِمَاعِ وَ هٰذَا غَلَطٌ مُخَالِفٌ لِلنَّصِّ وَ الْاِ جْمَاعِ فَاِنَّ الْکِتَابَ وَ السُّنَّةَ اُمِرَتَ الْمُنوتم بِالْاِ سْتِمَاعِ دُوْنَ الْقِرَاءَةِ وَ الْاُمَّةُ مُتَّفِقَةٌ عَلٰی اَنَّ اسْتِمَاعَهٗ لِمَا زَادَ عَلَی الْفَاتِحَةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاْتِهٖ لِمَا زَادَ عَلَیْهَا.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۶۹ تا ص ۲۷۱)

حکم ہے نہ کہ قرأت کا۔ اور اس آیت نے' جب بھی قرآن پڑھا جائے سکوت کا حکم دیا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ ام القرآن ہے' اسے ہر نماز میں پڑھنا ضروری ہے۔ سورۃ فاتحہ قرآن کی تمام سورتوں سے افضل ہے۔ اسی جیسی سورہ نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ خود قرآن میں' پس یہ بات محال ہے کہ آیت کریمہ میں سورہ کے علاوہ کا غور سے سننا تو مراد ہو مگر خود سورۃ فاتحہ کا غور سے سننا مراد نہ ہو جب کہ آیت کے الفاظ میں اطلاق بھی ہے اور تعمیم بھی۔ حالانک[ہ] سورۃ فاتحہ ہی سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اور سب سے زیادہ مشہور بھی ہے' اور تمام سورتوں سے افضل بھی جب کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ اذا قری القران لفظ اور معنی کے اعتبار سے سورۃ فاتحہ کو ضرور شامل ہو نہ ک[ہ] اس کے غیر کو۔ جو شخص سورۃ فاتحہ کے غور سے سننے کے بجائے اس کی قرأت کی طرف عدول کرتا ہے وہ اس لیے عدول کرتا ہے۔ کہ اس کے نزدیک سورۃ فاتحہ کی قرأت' سورۃ فاتحہ کو غور سے سننے سے افضل ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اور نص اور اجماع کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ کتاب وسنت نے مقتدی کو اپنے امام کی قرأت کو توجہ سے سننے کا حکم دیا ہے نہ کہ قرأت کا۔ اور امت متفق ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے زائد کو غو[ر] سے سننا اس کی قرأت سے افضل ہے۔

اس کے بعد یہ بتاتے ہوئے کہ جب امام کے پیچھے زائد علی الفاتحہ کو غور سے سننا پڑھنے [سے] افضل ہے' تو سورۃ فاتحہ کو بھی پڑھنے کے بجائے غور سے سننا اور خاموش رہنا ہی افضل ہوگا۔ لہٰ[ذا]

افضل (استماع و انصات) کو چھوڑ کر غیر افضل (قرات فاتحہ) کو اختیار کرنا درست نہیں، امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

اَلْمَصْلَحَةُ الْحَاصِلَةُ لَهُ بِالْقِرَاءَةِ يَحْصُلُ بِالْاِ سْتِمَاعِ مَا هُوَ اَفْضَلُ مِنْهَا بِدَلِيْلِ اسْتِمَاعِهِ لِمَازَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ فَلَوْلَا اَنَّهُ يَحْصُلُ لَهُ بِالْاِسْتِمَاعِ مَا هُوَ اَفْضَلُ مِنَ الْقِرَاءَةِ لَكَانَ الْاَوْلٰى اَنْ يَفْعَلَ اَفْضَلُ الْاَمْرَيْنِ وَ هُوَ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا دَلَّ الْكِتَابُ وَ السُّنَّةُ وَ الْاِ جْمَاعُ عَلٰى اَنَّ الْاِ سْتِمَاعَ اَفْضَلُ مِنَ الْقِرَاءَةِ عَلٰى اَنَّ الْمُسْتَمِعَ يَحْصُلُ لَهُ اَفْضَلُ مِمَّا يَحْصُلُ لِلْقَارِئِ وَ هٰذَا الْمَعْنٰى مَوْجُوْدٌ فِي الْفَاتِحَةِ وَ غَيْرِهَا فَالْمُسْتَمِعُ لِقَرَاءَةِ الْاِمَامِ يَحْصُلُ لَهُ اَفْضَلُ مِمَّا يَحْصُلُ بِالْقِرَاءَةِ وَ حِيْنَئِذٍ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُؤْمَرَ بِالْاَ دْنٰى وَ يُنْهٰى عَنِ الْاَعْلٰى۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۱)

جو مصلحت قرأت سے حاصل ہوتی ہے وہ امام کی اس سورہ کی قرأت کو غور سے سننے سے بھی حاصل ہوگئی جو کہ بقیہ کی قرات سے افضل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد کو مقتدی کو غور سے سننے کا حکم ہے۔ پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سورۂ فاتحہ کے زائد کو غور سے سننا قرأت سے افضل ہے تو دو امروں میں سے افضل کو ہی کرنا اولی تھا۔ یعنی قرأت لیکن سورۂ فاتحہ سے زائد میں قرأت کا حکم نہ دے کر سکوت و استماع اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرأت سے افضل سکوت و استماع ہی ہے) دوسری طرف کتاب و سنت اور اجماع سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مقتدی کیلئے قرات سے افضل امام کی قرات کو غور سے سننا ہے، علاوہ ازیں غور سے سننے والے کو اس سے زیادہ فضیلت حاصل ہوگی جو قرات کرنے والے کو ہوگی (جیسا کہ سورۂ فاتحہ سے زائد میں یہی صورت حال ہے) اور یہ معنی (مقتدی مستمع کا مقتدی قاری سے افضل ہونا) سورۂ فاتحہ اور غیر فاتحہ سب میں موجود ہے لہٰذا امام کی قرات کو توجہ سے سننے والے کو اس سے افضل ثواب ملے گا جو قرأت سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جائز نہیں کہ مقتدی کو ادنیٰ کا حکم دیا جائے۔ (یعنی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا جب کہ افضل غور سے سننا ہے) اور اعلیٰ سے منع کیا جائے (یعنی غور سے سننے سے منع کر کے قرأت فاتحہ کا حکم دیا جائے)

احادیث سے ثبوت

مقتدی کے قرأت نہ کرنے کے متعلق سورۂ اعراف کی جو آیت گزری' اس میں ایک عام حکم دیا گیا تھا اور ہر صورت میں مقتدی کی قرات ممنوع تھی' خواہ جہری نماز ہو یا سری' سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہو یا کسی دوسری سورۂ کا' اب ہم یہاں ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں گے۔

جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت:

(۱) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَلْیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ وَ اِذَا قَرَاَ الْاِ مَامِ فَاَنْصِتُوْا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۱۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھایا کہ جب تم لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو اور تم میں کا کوئی امامت کرے پس جب امام قرات کرے تو تم لوگ خاموش ہو جاؤ۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَ اِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا وَ اِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴' ج ۱ ص ۱۴۴' ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۵' ابن ماجہ ص ۶۱' نسائی ج ۱ ص ۱۴۲' مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۷۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' جب وہ اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھے تو تم لوگ بھی اسی طرح نیت باندھ لو اور جب وہ قرأت شروع کرے تو تم لوگ چپ رہو' اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم لوگ آمین کہو۔

(۳) عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَہَ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنِ ابْنِ اُکَیْمَۃَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصْحَابِہٖ

سفیان بن عیینہ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن اکیمہؒ نے کہا کہ میں نے ابوہریرہؓ کو فرماتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ حضورؐ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی (راوی کہتے ہیں کہ) غالباً وہ صبح کی نماز تھی۔ نماز کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ

صَلٰوۃٌ نَّظُنُّ اَنَّھَا الصُّبْحُ فَقَالَ ھَلْ قَرَاَ مِنْکُمْ اَحَدٌ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ۔ (ابن ماجہ ص ۶۱)

تم میں سے کسی نے قرأت کی؟ ایک شخص نے جواب دیا میں نے اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا میں بھی کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے کہ میں قرآن کے بارے میں نزاع کیا جا رہا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے۔

فَسَکَتُوْا بَعْدُ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ الْاِمَامُ۔ (حوالہ مذکورہ)

پس صحابہ کرامؓ خاموش ہو گئے ان نمازوں میں جن میں امام جہر کرتا ہے۔

نسائی میں ہے۔

فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَۃِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذَالِکَ۔ (ج ا ص ۱۴۶)

پس لوگ رک گئے قرأت سے اس نماز میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہراً قرأت کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سننے کے بعد۔

موطا امام مالکؒ میں ہے۔

فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَۃِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذَالِکَ۔ (ص ۳۱)

پس لوگ ان نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأت سے رک گئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجہر قرأت فرماتے، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بات سنی۔

بہرحال مذکورہ بالا احادیث میں امام و مقتدی کے فرائض بتا دیئے گئے کہ جب وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو تم بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہو مگر جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو وغیرہ وغیرہ۔ اگر مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی ہوتی تو ضرور کہا جاتا کہ جب امام قرأت کرے تو تم بھی سورۂ فاتحہ ضرور پڑھ لو۔ بلکہ اس کے برعکس کہا گیا کہ وَ اِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا (جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو)

جہری و سری سب نمازوں میں مقتدی کی قرأت ممنوع:

(۱) عَنْ عِمْرَانِ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ

عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرِ فَجَعَلَ رَجُلٌ یَقْرَأُ خَلْفَہٗ بِسَبِّحِ اسْمِ وَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَیُّکُمْ قَرَأَ اَوْ اَیُّکُمُ الْقَارِیُٔ قَالَ رَجُلٌ اَنَا فَقَالَ قَدْ ظَنَنْتُ اَنَّ بَعْضَکُمْ خَالَجَنِیْھَا. (مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ نسائی ج ۱ ص ۱۴۶، ابوداود ج ۱ ص ۱۳۶)

اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، پس ایک آدمی حضورؐ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلی پڑھنے لگا۔ سلام پھیرنے کے بعد حضورؐ نے فرمایا، تم میں سے کس نے پڑھا تھا۔ اسی آدمی نے جواب دیا کہ میں نے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی گمان کیا کہ تم میں کا کوئی اس کو مجھ سے چھین رہا ہے۔

مسلم شریف کے اسی صفحہ پر اسی مضمون کی دو روایتیں اور بھی ہیں۔ یہ روایت نسائی ج ۱ ص ۱۴۶ پر بھی موجود ہے، امام نسائیؒ نے اس حدیث کا باب یوں باندھا ہے۔

تَرْکُ الْقِرَاۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْمَا لَمْ یَجْھَرْ فِیْہِ.

اس نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کا بیان جس میں امام نے جہراً قرأت نہیں کی۔

(۲) ابوالاحوصؒ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

کَانُوْا یَقْرَأُوْنَ خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَلَطْتُمْ عَلَیَّ الْقِرَاۃَ. (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۶، طبرانی)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے مجھ پر قرأت گڑبڑ کردی۔

(۳) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاۃٌ.

جس کے لیے امام ہو پس امام کی قرأت اسی کی قرأت ہے۔

(موطا امام محمد ص ۹۸، طحاوی ص ۱۰۶، کتاب الآثار ص ۷۰، دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۲، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۲۹)

اس حدیث کو حافظ احمد بن منیع نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ (آثار السنن الجزاء الاول ص ۸۷)

یہی روایت ابن ماجہ ص ۶۱ پر بھی موجود ہے، مگر ہم نے اسے بالقصد نقل نہیں کیا، کیونکہ اس کے سلسلہ سند میں جابر جعفی کا نام آ گیا ہے، جسے لے کر بہت سے "کرم فرما" بہت شور مچاتے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس روایت کو چھوڑ کر موطا امام محمد وغیرہ والی روایت لی، جس کے سلسلہ سند میں کلام

کرنے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں' ہاں اگر کوئی معاندت ومخالفت پر ہی آمادہ ہو تو اس کی زبان کون بند کر سکتا ہے-

حافظ ابن تیمیہؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں-

وَ ثَبَتَ اَنَّهٗ فِیْ هٰذَا الْحَالِ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ كَمَا قَالَ ذٰلِکَ جَمَاهِيْرًا لِسَّلَفِ وَ الْخَلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ وَ فِیْ ذٰلِکَ الْحَدِيْثِ الْمَعْرُوْفِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ وَ هٰذَا الْحَدِيْثِ رُوِیَ مُرْسَلًا وَ مُسْنِدًا لٰكِنْ اَكْثَرِ الْاَئِمَّةِ الثِّقَاةِ رَوَوْهُ مُرْسَلًا عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَسْنَدَهٗ بَعْضُهُمْ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهَ مُسْنِدًا وَ هٰذَا الْمُرْسَلُ قَدْ عَضَدَهٗ ظَاهِرَ الْقُرْاٰنِ وَ السُّنَّةِ وَ قَالَ بِهٖ جَمَاهِيْرُ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ وَ مُرْسَلُهٗ مِنْ اَكَابِرِ التَّابِعِيْنَ وَ مِثَالُ هٰذَا الْمُرْسِلِ يَحْتَجُّ بِهٖ بِاتِّفَاقِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ وَغَيْرِهِمْ وَ قَدْنَصَّ الشَّافِعِیُّ عَلٰى جَوَازِ الْاِحْتِجَاجِ بِمِثْلِ هٰذَا الْمُرْسَلِ.

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳' ص ۲۷۱)

ثابت ہوا کہ اس حالت میں امام کی قرات مقتدی کی قرأت ہے جیسا کہ جماہیر سلف و خلف' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم اس کے قائل ہیں- اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف حدیث بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے لیے امام ہو' پس امام کی قرأت اسی کی قرات ہے- یہ حدیث مرسل ومسند دونوں طرح مروی ہے- لیکن اکثر ائمہ ثقات نے اس حدیث کو عبداللہ بن شداد سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے- اور بعض نے اس کو سند متصل سے روایت کیا ہے' ابن ماجہ نے اسے مسند ذکر کیا ہے' اور ظاہر قرآن وسنت اس مرسل کی تائید کرتے ہیں جماہیر اہل علم صحابہؓ وتابعین اسی کے قائل ہیں- اس حدیث کو مرسل نقل کرنے والے اکابر' تابعین میں سے ہیں- اس قسم کی مرسل حدیث سے ائمہ اربعہ و دیگر اہل علم کے نزدیک بالاتفاق استدلال صحیح ہے- اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کی مرسل روایت سے استدلال جائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے-

حافظ ابن تیمیہؒ کی اس عبارت سے درج ذیل نکات سامنے آئے۔

(الف) یہ حدیث (من کان له امام فان قراۃ الامام له قراۃ) مسند بھی مروی ہے اور مرسل بھی۔ (چنانچہ مسند احمد' مسند احمد بن منیع' مسند عبد بن حمید موطا امام محمد اور طحاوی میں سند متصل کے ساتھ بروایت ثقات موجود ہے۔)

(ب) جہاں پر یہ حدیث مرسل منقول ہے وہاں بھی ثقات نے مرسلاً روایت کیا ہے۔

(ج) مرسل ہونے کے باوجود ظاہر کتاب وسنت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا محدثین کے قاعدہ کے مطابق بالاتفاق ایسی مرسل حدیث سے استدلال جائز ہے۔ (کتاب اللہ سے تائید ہونے کی بحث ص ۱۰۸ پر گزر چکی ہے اور احادیث سے تائید کا تذکرہ چل ہی رہا ہے)

(د) جماہیر صحابہؓ، تابعینؒ نے اسی حدیث کے مطابق فتاویٰ دیئے ہیں۔

(صحابہ کرامؓ کے فتوے ص ۱۳۲ پر اور تابعین کے فتوے ص ۱۳۸ پر آرہے ہیں)

وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ فَيَسْمَعُ الْمُشْرِكُوْنَ قِرَاءَتَكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا عَنْ اَصْحَابِكَ اَسْمِعْهُمُ الْقُرْاٰنَ وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيْلًا يَقُوْلُ بَيْنَ الْجَهْرِ وَ الْمُخَافَةِ. (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	مت پڑھیے بلند آواز سے اپنی نماز کہ مشرکین سنیں آپ کی قرأت کو اور نہ بالکل آہستہ پڑھیے اپنے اصحاب سے' بلکہ انہیں قرآن سنایئے اور بہت بلند اور بہت آہستہ کے درمیان راستہ اختیار کیجئے۔

یہ روایت بخاری جلد ثانی ص ۶۸۶ پر بھی موجود ہے۔

اس روایت میں اسمعھم القران (انہیں قرآن سنایئے) کے الفاظ موجود ہیں غور کرنے کی بات ہے کہ اگر امام کے ساتھ مقتدی بھی قرأت کریں تو انہیں امام قرآن کیسے سنا سکے گا کیونکہ وہ خود ہی اپنے پڑھنے میں مصروف ہوں گے' دوسری طرف توجہ اور دھیان دینے کا موقع کہاں ملے گا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قرات کو نہ سنیں تو امام کی جہراً قرأت کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ جہری نمازوں میں امام کی جہراً قرأت تو ضروری ہو مگر خاموشی کے ساتھ اسے غور سے سننا جائز نہ ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں' ورنہ پھر جہراً قرات بے فائدہ اور بے مقصد رہی .... بہر حال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کے وقت صحابہ کرامؓ قرأت نہیں کرتے تھے' ورنہ پھر انہیں قرآن سنانے کی صورت واضح طور پر متصور نہیں ہو سکتی۔

مقتدی قرأت نہ کرے

آثار صحابہؓ:

یہاں تک رسول اللہ علیہ السلام کے ارشادات گرامی نقل کیے گئے۔جن سے پتہ چلتا ہے کہ جہری وسری تمام نمازوں میں امام کی قرات' مقتدی کے لیے کافی ہے اور مقتدی کا کام امام کی قرات کے وقت بالکل خاموش رہنا ہے' نہ سورۃ فاتحہ پڑھنا ہے نہ کوئی اور سورۃ۔گویا یہ ارشادات نبویؐ فرمان باری تعالیٰ وَ اِذَا قُرِیَٔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا کی تفسیر وتشریح ہیں۔

اب یہاں سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال نقل کیے جاتے ہیں۔یہ بھی حقیقت میں اسی ارشاد ربانی کی عملی تفسیر اور قولی تشریح ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِيْ شَيْئٍ. (مسلم ج ا ص ۲۱۵' مصنف عبدالرزاق ج ۲' ص ۱۳۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۶)

عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے امام کے ساتھ قرأت کے متعلق سوال کیا تو زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ امام کے ساتھ کسی چیز میں قرأت نہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ جَبَتْ هٰذِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَيَّ وَ كُنْتُ اَقْرَبَ الْقَوْمِ مِنْهُ فَقَالَ مَا اَرَى الْاِمَامَ اِذَا اَمَّ الْقَوْمَ اِلَّا قَدْ كَفَاهُمْ.

حضرت ابودرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا' ہاں انصار میں سے ایک آدمی نے کہا یہ تو واجب ہو گئی۔پس آپؐ نے میری طرف التفات فرمایا اور میں آپ سے بہت قریب بیٹھا ہوا تھا۔پس فرمایا امام جب کسی قوم کی امامت کرے تو میں سمجھتا

ہوں کہ وہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ (نسائی ج ا ص ۱۴۶)

امام نسائیؒ نے اس روایت کا عنوان کیوں قائم کیا ہے۔

اِكْتِفَاءُ الْمَأْمُوْمِ بِقِرَاءَةِ الْاِمَامِ. امام کی قرات مقتدی کے لیے کافی ہونے کا بیان

امام نسائیؒ نے آخری جملہ مَا اَرَى الْاِمَامَ اِذَا اَمَّ الْقَوْمَ اِلَّا قَدْ كَفَاهُمْ کو حضرت ابو درداءؓ کا قول قرار دیا ہے اس اعتبار سے ہم نے بھی اس روایت کو آثار صحابہؓ میں نقل کیا، ورنہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰ میں بروایت طبرانی یہ حدیث مرفوعاً بھی منقول ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ:

عَنْ اَبِیْ نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَاْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ.

(موطا امام مالک ص ۳۰، ترمذی ج ا ص ۴۲، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۴۱)

ابو نعیم وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے امانی الاحبار ج ۳ ص ۱۴۶۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَاُ اَحَدٌ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ فَحَسْبُهٗ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ وَ اِذَا صَلّٰى وَحْدَهٗ فَلْيَقْرَاْ وَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ.

(موطا امام مالک ص ۳۱، موطا امام محمد ص ۹۵)

نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب سوال کیا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرات کی جائے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جواب دیتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لیے امام کی قرات کافی ہے۔ اور جب تنہا پڑھے تو قرات کرے۔ نافعؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرات نہیں کرتے تھے

نافعؒ سے ہی عبداللہ بن عمرؓ کی ایک دوسری روایت ہے۔

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ كَفَتْهُ قِرَاتُهٗ. (مؤطا امام محمد ص ۹۸)

جو امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کے لیے امام کی قرات کافی ہے۔

انس بن سیرین عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْقِرَاۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ تَكْفِيْكَ قِرَاۃُ الْاِمَامِ. (حوالہ مذکورہ)

حضرت عبداللہ بن عمر سے قرات خلف الامام کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے لیے امام کی قرات کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

عَنْ اَبِیْ وَ ائِلٍ قَالَ سُئِلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ الْقِرَاۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ اِنْصِتْ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شُغْلًا سَيَكْفِيْكَ ذَاكَ الْاِمَامُ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶، مؤطا امام محمد ص ۱۰۰ الطحاوی ج ۱ ص، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸)

ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرات خلف الامام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ''خاموش رہا کرو کیونکہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تمہارے لیے وہی امام کافی ہے۔''

علقمہ بن قیسؒ سے مروی ہے کہ۔

اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ لَا يَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْمَا يَجْهَرُ فِيْهِ وَ فِيْمَا يُخَافِتُ فِيْهِ. (مؤطا امام محمد ۱۰۰)

عبداللہ بن مسعودؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں۔

تفسیر ابن کثیر میں ابن جریرؒ کی سند سے مروی ہے کہ۔

صَلّٰی ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَمِعَ نَاسًا يَقْرَاُوْنَ مَعَ الْاِمَامِ قَالَ اَمَا اَنَّ لَكُمْ اَنْ تَفْهَمُوْا اَمَا اَنَّ لَكُمْ اَنْ تَعْقِلُوْا وَاِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا كَمَا اَمَرَكُمْ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں کو سنا کہ امام کے ساتھ قرات کرتے ہیں۔ فرمایا کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم فہم حاصل کرو، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو، جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور

اللّٰہُ. (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۰)

خاموش رہو۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَخْبَرَنِیْ بَعْضُ وُلْدِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّہٗ ذَکَرَ لَہٗ اَنَّ سَعْدًا قَالَ وُدِدْتُ اَنَّ الَّذِیْ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْ فِیْہِ جَمْرَۃٌ. (مؤطا امام محمد ۱۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶)

داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد نے بتایا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اپنے ''مصنف'' میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) قَالَ (اَیْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ زَیْدٍ) وَ اَخْبَرَنِیْ اَشْیَاخُنَا اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مَنْ قَرَاَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ قَالَ وَ اَخْبَرَنِیْ مُوْسَی بْنُ عُقْبَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ کَانُوْا یَنْھَوْنَ عَنِ الْقِرَاۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ.

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹)

عبدالرحمٰن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے مشائخ نے خبر دی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے اس کی نماز ہی نہیں اور موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات کرنے سے منع کرتے تھے۔

(۲) قَالَ (اَیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانٍ) وَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وُدِدْتُ اَنَّ الَّذِیْ یَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْ فِیْہِ حَجَرٌ. (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸)

محمد بن عجلانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرات کرتا ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے منہ میں پتھر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

عَنْ اَبِیْ جَمْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَقْرَأُ وَ الْاِمَامُ بَیْنَ یَدَیَّ قَالَ لَا. (طحاوی ج ا ص ۱۰۸)

ابو جمرہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ کیا میں قرأت کروں؟ جب کہ امام میرے سامنے ہو عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ نہیں۔

ستر بدری صحابہؓ:

قَالَ الشَّعْبِیُّ اَدْرَکْتُ سَبْعِیْنَ بَدْرِیًّا کُلُّهُمْ یَمْنَعُوْنَ الْمُقْتَدِیَ مِنَ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ. (روح المعانی ج۹ ص ۱۵۲)

شعبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا کہ سب کے سب مقتدی کو قرات خلف الامام سے منع کرتے تھے۔

آثار تابعین رحمہم اللہ

(۱) عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَاَلْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفْلَةَ اَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ قَالَ لَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص ۳۷۷)

ولید بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے سوید بن غفلہؒ سے سوال کیا کہ کیا میں ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے قرأت کروں؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔

(۲) عَنْ اَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَاَلْتُهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ لَيْسَ خَلْفَ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ۔

(حوالہ مذکورہ)

ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے قرأت خلف الامام کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

(۳) عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ لَا اَعْلَمُ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ مِنَ السُّنَّةِ (حوالہ مذکورہ)

محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا قرأت خلف الامام کو میں سنت میں سے نہیں جانتا۔

(۴) عَنْ قَتَادَةَ عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ اَنْصِتْ لِلْاِمَامِ۔ (حوالہ مذکورہ)

قتادہؒ کہتے ہیں کہ ابن المسیبؒ نے فرمایا امام کے لیے خاموش رہو۔

(۵) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ وَ دِدْتُ اَنَّ الَّذِيْ يَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ مُلِئَ فُوْهُ تُرَابًا۔

(حوالہ مذکورہ' مصنف عبدالرزاق ج۲ص ۱۳۸)

اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ وہ شخص جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

(۶) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ مَاقَرَاَ عَلْقَمَةُ بْنُ قَيْسٍ قَطُّ فِيْمَا يَجْهَرُ فِيْهِ وَ لَا فِيْمَا لَا يَجْهَرُ فِيْهِ وَ لَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُخْرَيَيْنِ اُمَّ الْقُرْاٰنِ وَ لَا غَيْرَهَا خَلْفَ الْاِمَامِ۔ (کتاب الآثار للامام محمد ص ۶۳)

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی بھی نہ تو جہری نمازوں میں' نہ سری نمازوں میں اور نہ اخیر والی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے نہ سورہ فاتحہ پڑھی نہ اس کے علاوہ۔

اسود بن یزیدؒ اور علقمہؒ بن قیس ان کبار تابعین میں سے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

بہر حال حضرات تابعین عظامؒ کے یہ اقوال وافعال بھی سورۂ اعراف کی اسی آیت کریمہ اِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) کی تفسیر وتشریح اور توضیح وتنقیح ہیں۔

آخر میں علامہ ابن تیمیہ کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں۔

وَ اَیْضًا فَفِیْ اِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی اَنَّهٗ فِیْمَازَادَ عَلَی الْفَاتِحَةِ یُؤْمَرُ بِالْاِسْتِمَاعِ دُوْنَ الْقِرَاۃِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ اِسْتِمَاعَهٗ لِقِرَاۃِ الْاِمَامِ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ قِرَاتِهٖ مَعَهٗ بَلْ عَلٰی اَنَّهٗ مَامُوْرٌ بِالْاِسْتِمَاعِ دُوْنَ الْقِرَاۃِ مَعَ الْاِمَامِ.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۶)

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد قرأت میں (مقتدی کو) غور سے سننے کا ہی حکم دیا جائے گا نہ کہ قرأت کا یہ اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کا امام کی قرأت کو غور سے سننا' اس کے امام کے ساتھ قرأت سے زیادہ بہتر ہے' بلکہ یہ اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے ساتھ قرأت کا حکم نہیں بلکہ غور سے سننا مامور بہ ہے۔

قرأت خلف الامام کچھ اور باتیں

محمد بن اسحاق رحؒ کی روایت اور ابن تیمیہؒ:

جو حضرات امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب کہتے ہیں کہ ان کی سب سے اہم دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جو محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے۔

عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَئُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ قَالَ وَ اَنَا اَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْاٰنُ فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۱)

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، آپؐ نے قرأت کی تو آپؐ پر قرأت دشوار ہوگئی پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے جواب دیا جی ہاں! یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا! ایسا نہ کیا کرو سوائے سورہ فاتحہ الکتاب کے کیونکہ اس کی نماز نہیں جس نے اس کو نہیں پڑھا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ قرآن مجھ سے کشاکشی کر رہا ہے (یعنی پڑھنے میں الجھن ہو رہی ہے) پس جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو کچھ نہ پڑھا کرو سوائے ام القرآن کے۔

اس روایت کے ایک راوی محمد بن اسحق پر شدید جرحیں ہوئی ہیں[1] ویسے شوافع وغیرہ نے اپنے مسلک کے مطابق روایت کی توثیق و تصحیح بھی کی ہے۔

(دیکھیے معالم السنن ج ۱ ص ۲۰۵، تحقیق الکلام حصہ اول ص ۹ وغیرہ)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث سند اور متن دونوں اعتبار سے مضطرب ہے امام احمدؒ اور دیگر

۱؎ دیکھیے تہذیب ج ۹ ص ۴۱، میزان ج ۳ ص ۳۱۰۔

ائمہ حدیث نے اسے ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

وَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مُعَلَّلٌ عِنْدَ ائِمَّةِ الْحَدِيْثِ بِاُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ ضَعَّفَهٗ اَحْمَدُ وَ غَيْرُهٗ مِنَ الْاَئِمَّهِ. وَ قَدْ بَسَطَ الْكَلَامَ عَلٰى ضُعْفِهٖ فِيْ غَيْرِ هٰذَا الْمَوْضِعِ وَ بَيَّنَ اَنَّ الْحَدِيْثَ الصَّحِيْحَ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ اَخْرَجَاهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عَبَادَةَ وَ اَمَّا هٰذَا الْحَدِيْثُ فَغَلَطَ فِيْهِ بَعْضُ الشَّامِيِّيْنَ وَ اَصْلُهٗ. اَنْ عَبَادَةَ كَانَ يَوْمَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هٰذَا فَاشْتَبَهُ عَلَيْهِمُ الْمَرْفُوْعِ بِالْمَوْقُوْفِ عَلٰى عَبَادَةَ.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۸۶)

یہ حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک بہت سے وجوہ سے معلول ہے۔ امام احمدؒ اور دیگر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اس حدیث کے ضعف پر دوسری جگہ تفصیل سے لکھا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ حدیث صحیح حضور کا یہ ارشاد ہے کہ ام القرآن کے بغیر نماز نہیں یہی حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں مروی ہے۔ اس حدیث کو زہریؒ نے محمود بن ربیع سے انہوں نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث (جس میں اختلاط کا واقعہ ہے) اس میں بعض شامیوں نے غلطی کی ہے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ بیت المقدس کے امام تھے اور یہ بات امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی بات انہوں نے کہی تھی (نہ کہ یہ حضورؐ کا ارشاد ہے) لیکن راویوں کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے حدیث موقوف (یعنی قول عبادہؓ) کو حدیث مرفوع (یعنی ارشاد رسولؐ) کی حیثیت سے نقل کر دیا۔

گویا اصل حدیث مَرْفُوْعِ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ہے۔ بقیہ الفاظ حدیث یعنی لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اور فَلَا تَقْرَءُوْ بِشَيْئٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتَ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ حضرت عبادہ بن صامتؓ پر موقوف ہیں نہ کہ حدیث مرفوع۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

وَ قَرَاَ عُبَادَةُ بْنِ الصَّامِتِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَ الْاِمَامِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام کے پیچھے

وَ تَاوَّلَ قَوْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ. (ترمذی ج۱ص۶۲)

قرأت کی اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "لَا صَلٰوۃَ اِلَّابِقِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ" سے استدلال کیا۔

گویا حضرت عبادہ بن صامتؓ "لا صلوۃ الابقراۃ فاتحۃ الکتاب" (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) کو امام و مقتدی دونوں کے لیے عام سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے مذکورہ الفاظ کہے' راویوں کو وہم ہوا اور انہوں نے موقوف کو مرفوع کے حیثیت سے نقل کر دیا۔

مگر دیگر کئی صحابہ کرامؓ نے اسے یا تو امام کے لیے خاص قرار دیا یا پھر مقتدی کے لیے امام کی قرأت کو کافی قرار دینے والی حدیث کے مطابق مقتدی کے لیے قرأت حکمی ثابت کی کہ امام حقیقۃً قرأت کرتا ہے اور امام کی قرأت مقتدی کے لیے حکماً قرأت ہے۔ بحوائے حدیث نبویؐ۔

مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ.

جس کے لیے امام ہو تو امام کی قرأت' اسی کے قرأت ہے[1]

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔

وَ اَمَّا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَقَالَ مَعْنٰی قَوْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ اِذَا کَانَ وَحْدَهٗ وَ احْتَجَّ بِحَدِیْثِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ حَیْثُ قَالَ مَنْ صَلّٰی رَکْعَةً لَمْ یَقْرَاْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اَحْمَدُ فَهٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس صورت پر محمول ہے جب تنہا نماز پڑھے' امام احمدؒ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ "جس نے کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ہی نہیں الا یہ کہ وہ ایک امام کے پیچھے ہو۔" امام احمدؒ فرماتے تھے۔ کہ یہ ایک صحابی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد لا صلوۃ لمن لم

[1] اس قسم کی احادیث پر مفصل بحث ص ۱۲۸ پر گزر چکی ہے۔

اِنَّ هٰذَا اِذَا كَانَ وَحْدَهٗ. (ترمذی ج۱ص۴۲)

یقرا بفاتحة الکتاب کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ یہ تنہا نماز پڑھنے والے کے حق میں ہے۔

اسی روایت کے متعلق امام ابوداوُدؒ فرماتے ہیں۔

قَالَ سُفْيَانُ مَنْ يُّصَلِّىْ وَحْدَهٗ. (ابوداوُد ج۱ص۱۳۵)

سفیان کہتے ہیں کہ یہ اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھے۔

خلاصہ یہ کہ امام ابن تیمیہؒ کے بیان کے مطابق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت مضطرب ہے اور اضطراب سند کا بھی ہے اور متن کا بھی اور راویوں کے وہم سے الفاظ مرفوعہ وموقوفہ گڈمڈ ہوگئے ہیں۔

سکتات امام کی بحث:

جو حضرات امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں وہ بھی امام کی قرأت کے دوران مقتدی کو پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سکتات کے درمیان۔ یعنی جب امام کوئی آیت مکمل کر کے رکے اور آگے پڑھنے کے لیے وقفہ لے تو اسی وقفہ میں مقتدی کو قرأت کرنے کو کہتے ہیں۔

اِنَّ فِىْ عَدَمِ قِرَاءَةِ الْمُؤْتَمِّ خَلْفَ الْاِمَامِ وَقْتَ مَا يَقْرَأُ اتِّفَاقًا بَيْنَهُمْ اِنَّمَا الْخِلَافُ فِى الْقِرَاءَةِ وَقْتَ سَكَتَاتِ الْاِمَامِ. (ترمذی ج۱ص۴۲)

امام کے قرأت کرنے کے وقت امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا جائز نہ ہونا متفق علیہ ہے۔ اختلاف صرف سکتات امام کے وقت میں ہے۔

امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت کو معیوب سمجھنے کی وجہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیت کریمہ واذا قری القران فستمعوا له و انصتو ہی ہے۔ اسی ارشاد ربانی کی وجہ سے یہ حضرات بھی امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت ناپسند کرتے ہیں اور آیت کی حکم عدولی سے بچنے کیلئے انہوں نے سکتات امام کا سہارا لیا جیسا کہ امام بخاری نے جزء القراۃ میں لکھا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سکتات امام کے وقت مقتدی کے قرأت کرنے کی کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

قَالَ الْعَلَّامَةُ الْاَمِيْرُ الْيَمَانِىْ فِىْ

علامہ امیر یمانیؒ سبیل السلام شرح بلوغ المرام

سُبُلِ السَّلَامِ شَرْحَ بُلُوْغُ الْمَرَامِ ثُمَّ اخْتَلَفَ الْقَائِلُوْنَ بِوُجُوْبِ قِرَاتِهَا خَلْفَ الْإِمَامِ فَقِيْلَ فِیْ مَحَلِّ سَكْتَاتِهِ بَيْنَ الْاٰيَاتِ وَ قِيْلَ فِیْ سُكُوْتِهِ بَعْدَ تَمَامِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ وَ لَا دَلِيْلَ عَلٰى هٰذَيْنِ الْقَوْلَيْنِ فِی الْحَدِيْثِ. (التعلیق الحسن علی آثار السنن الجزء الاول ص ۸۵)

میں کہتے ہیں کہ ''پھر قرأت خلف الامام کے وجوب کے قائلین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ محل قرأت کیا ہو؟ بعض کہتے ہیں کہ آیتوں کے درمیان سکتات امام کے وقت، بعض کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے ختم کے بعد امام کے سکوت کے وقت- اور حدیث میں ان دونوں قولوں پر کوئی دلیل نہیں-''

پھر صاحب تعلیق نے سکتات امام کے متعلق مستدرک حاکم سے ایک روایت نقل کی ہے اس کے ساتھ ہی اس کی تضعیف بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر لیثی بھی ہے جسے ابن معینؒ اور دار قطنیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے اور امام نسائیؒ متروک کہتے ہیں، اس کے علاوہ روایت میں اور بھی اسقام موجود ہیں- (حوالہ مذکورہ)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں-

وَحُجَّتُهُمْ فِیْ ذَالِكَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْكُتُ لِيَقْرَأَ الْمَامُوْمُوْنَ وَ لَا نَقَلَ هٰذَا اَحَدٌ مِّنْهُ بَلْ ثَبَتَ عَنْهُ فِی الصَّحِيْحِ سُكُوْتُهُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ لِلْاِسْتِفْتَاحِ وَ فِی السُّنَنِ اَنَّهُ كَانَ لَهُ سَكْتَتَانِ سَكْتَةٌ لَطِيْفَةٌ لِلْفَصْلِ لَا تَتَّسِعُ لِقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ وَ قَدْ رُوِیَ اَنَّ هٰذِهِ السَّكْتَةَ كَانَتْ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ وَلَمْ يَقُلْ اَحَدٌ بِاَنَّهُ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ سَكْتَاتٍ وَ لَا اَرْبَعُ سَكْتَاتٍ فَمَنْ

مانعین قرأت خلف الامام کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ قرأت کے دوران اس لیے سکوت نہیں فرماتے تھے کہ مقتدی قرأت کر سکیں- حضورؐ سے یہ بات کسی نے بھی نقل نہیں کی- بلکہ حدیث صحیح میں نیت باندھنے کے بعد ثنا پڑھنے کے لیے حضور کا سکوت اختیار فرمانا ثابت ہے اور کتب سنن میں حضورؐ کے دو سکتے مروی ہیں، ایک سکتہ اول قرأت میں، دوسرا قرأت کے بعد اور یہ سکتہ بے حد مختصر ہوتا تھا، اس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی- اور احادیث میں وارد ہے کہ یہ دوسرا سکتہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد ہوتا تھا- کسی نے

نُقِلَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ سَکَتَاتٍ اَوْاَرْبَعٌ فَقَدْ قَالَ قَوْلًا لَمْ یَنْقُلْہُ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ السَّکْتَۃُ الَّتِیْ عَقِبَ قَوْلِہٖ (وَلَا الضَّآلِّیْنَ) مِنْ جِنْسِ السَّکَتَاتِ الَّتِیْ عِنْدَ رُؤُوْسِ الْاٰیِ وَ مِثْلُ ھٰذَا لَا یُسَمّٰی سُکُوْتًا وَ لِھٰذَا لَمْ یَقُلْ اَحَدٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّہٗ یَقْرَاُ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا۔

بھی نہیں کہا کہ حضورؐ کے تین یا چار سکتے ہوتے تھے۔ پس جو شخص حضور علیہ السلام کے تین یا چار سکتے نقل کرے وہ ایسی بات کہہ رہا ہے کہ جسے کسی بھی مسلمان نے نقل نہیں کیا۔ اور جو سکتہ ولا الضالین کے بعد ہوتا تھا وہ اسی طرح کا سکتا تھا جو آیتوں کے ختم پر ہوتا تھا۔ اس طرح کے سکتہ کو سکوت نہیں کہا جاتا' اسی لیے کوئی بھی عالم قائل نہیں کہ اس جیسے سکتے میں مقتدی (سورۂ فاتحہ) پڑھے۔

وَ کَانَ بَعْضُ مَنْ اَدْرَکْنَا مِنْ اَصْحَابِنَا یَقْرَاُ عَقِبَ السُّکُوْتِ عِنْدَ رُؤُوْسِ الْاٰیِ فَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ (اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) قَالَ (اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) وَ اِذَا قَالَ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) قَالَ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) وَ ھٰذَا لَمْ یَقُلْہُ اَحَدٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۷)

اور ہم نے اپنے بعض اصحاب کو پایا کہ وہ آیتوں کے ختم پر سکوت کے وقت قرأت کرتے ہیں۔ پس جب امام کہے الحمدللہ رب العلمین تو وہ بھی (اس کے بعد) کہتے ہیں الحمد اللہ رب العلمین اور جب امام کہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو وہ بھی کہتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین لیکن یہ بھی کسی عالم نے نہیں کہا۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سکتہ اولیٰ یا سکتہ ثانیہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوتے تو صحابہ کرامؓ کا اس قسم کی چیزوں کے نقل کا جو مزاج تھا' اس کے مطابق وہ یہ بات بھی ضرور نقل کرتے۔ لیکن ایک صحابیؓ سے بھی کسی بھی سکتہ میں امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت منقول نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

مَعَ اَنَّ ذَالِکَ لَوْ کَانَ مَشْرُوْعًا لَکَانَ الصَّحَابَۃُ اَحَقُّ النَّاسِ بِعِلْمِہٖ وَ عَمَلِہٖ

اگر یہ چیز مشروع ہوتی تو صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ وہ اسے جانتے اور اس پر عمل کرتے (اور چونکہ صحابہ کرامؓ سے علماً یا عملاً منقول نہیں) پس معلوم

فَعلِمَ اَنَّهٗ بِدْعَةٌ. ہوا کہ یہ بدعت ہے[1]

پھر آمین کے مسئلہ کو لے کر امام ابن تیمیہؒ ایک دل چسپ بات نقل کرتے ہیں- وہ یہ کہ بخاری وغیرہ کی روایات میں امام کے ولا الضالین کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم ہے اور یہ حکم جہری نمازوں سے متعلق ہے کیونکہ جہری نمازوں میں ہی مقتدی امام کی قرأت کو سنتے ہیں اور انہیں خبر ہوتی ہے کہ امام کب ولا الضالین کہہ رہا ہے- لہٰذا اس کے بعد آمین کہتے ہیں- اور سری نمازوں میں کسے کیا خبر کہ امام نے کب سورۂ فاتحہ ختم کی' کب دوسری سورہ شروع کردی-

بہر حال مقتدیوں سے آمین کہلوانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی قرأت کو مقتدیوں کو سنانا مقصود ہے- ورنہ جہری قرأت بالکل بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی- اب اگر مقتدی خود بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے میں مشغول رہیں تو یہ گویا ایسے لوگوں کے سامنے بات سنانا ہے جو اسے غور سے سننے پر آمادہ نہیں' ظاہر ہے کہ جو شخص خود بھی سورۂ فاتحہ پڑھے گا تو دوسرے کی سورۂ فاتحہ کیا غور سے سن سکے گا- لہٰذا ایسے لوگوں کے سامنے امام سے جہری قرأت کرانا لیکن ان لوگوں کو خاموشی کے ساتھ غور سے سننے کی تلقین نہ کرنا ایک طرح سے سفاہت اور بے وقوفی ہے جس سے احکام شرع منزہ و مبری ہیں کیونکہ اس صورت میں جہری قرأت کا حاصل ہی کیا نکلا جب مقتدی امام کی قرأت سننے کے بجائے اپنی اپنی قرأت میں لگے ہوں-

اس کے بعد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں-

وَ لِهٰذَا رُوِیَ فِی الْحَدِیْثِ مَثَلُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ وَ الْاِ مَامُ یَخْطُبُ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا فَهٰکَذَا اِذَا کَانَ یَقْرَاُ وَ الْاِمَامِ یَقْرَاُ عَلَیْهِ. (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۲۳ ص ۲۷۹)

اسی لیے حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو امام کے خطبہ دینے کے وقت بات کرے اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ اٹھائے پھرتا ہے' پس ایسے ہی وہ شخص بھی جو امام کی قرأت کے وقت خود قرأت کرتا ہے-

یہاں بن تیمیہؒ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں-

---

[1] اس موقع پر قارئین کرام سکتات امام پر امام رازیؒ کے اعتراضات بھی سامنے رکھیں جو اسی کتاب کے ص ۱۰۱ پر تفسیر کبیر کے حوالے سے گزر چکے ہیں' ۱۲-

وَ الَّذِیْ یَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَیْسَ لَهٗ جُمْعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ. (مشکوٰۃ ج۱ص۱۲۳)

اور جو شخص اس سے کہے کہ خاموش رہو اس کا جمعہ ہی نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَ الْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ. (بخاری ج۱ص۱۲۸، مسلم ج۱ص۲۸۱)

جب تم اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے وقت کہو کہ خاموش رہو تو تم نے لغو کام کیا۔

جب خطبہ کے دوران بات کرنے کی اتنی سخت وعید ہے اور بات کرنے والے کو چپ کرانے والا بھی وعید سے نہ بچ سکا۔ اور وجہ یہی ہے کہ وہ خطبہ کے بجائے دوسرے کام میں مشغول ہوا، حالانکہ اس دوسرے نے بظاہر کوئی غلط کام نہیں کیا تھا، امر بالمعروف ہی کیا تھا، اچھی بات ہی کہی تھی لیکن اسے بھی لغو کہا گیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمادیا گیا کہ اس کا جمعہ ہی نہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ پھر نماز جو کہ خطبہ جمعہ سے بدرجہا افضل ہے اس میں امام کی قرأت کے وقت اپنی اپنی قرأت میں مشغول ہونا اور امام کی قرأت کی طرف دھیان لگانا اور یہ سوچ لینا کہ ہم بھی تو سورۂ فاتحہ ہی پڑھ رہے ہیں، اچھا ہی کام کر رہے ہیں۔ کس قدر سنگین ہوگا۔

مسئلہ آمین

جہری نمازوں میں امام کے سورہ فاتحہ ختم کرنے پر امام اور مقتدی دونوں کو آہستہ سے آمین کہنا چاہیے۔

آمین ایک دعا ہے:

آمین ایک دعاء ہے جس کے معنی میں ''اے اللہ قبول فرما'' بخاری شریف میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے منقول ہے کہ۔

الامین دعاء. (بخاری ج ا ص ۱۰۷) آمین ایک دعاء ہے۔

اور دعاء میں اگرچہ جہر بھی جائز ہوتا ہے مگر اصل اخفاء ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً. پکارو اپنے پروردگار کو گڑگڑاتے ہوئے اور پوشیدہ۔ (اعراف/۵۵)

حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرے میں ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا. (مریم/۳) جب پکارا اپنے پروردگار کو پوشیدہ پکارنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعاء فرماتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہتے جاتے، قرآن نے حضرت موسیٰؑ کی دعا اور حضرت ہارونؑ کا آمین کہنا، دونوں کو دعاء ہی قرار دیا اور فرمایا۔

قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا. (یونس/۸۹) قبول کر لی گئی ہے تم دونوں کی دعاء۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ آمین دعاء ہی ہے، اور آمین کا دعاء ہونا اختلافی مسئلہ نہیں، متفق علیہ ہے۔ اور آیات قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دعاء آہستہ مانگنی ہی اصل و افضل ہے، اس اعتبار سے آمین کو بھی آہستہ کہنا اصل اور افضل ہوگا۔

آہستہ آمین کہنے کی احادیث:

آہستہ آمین کہنے کا ثبوت درج ذیل احادیث میں ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

اَللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ. (بخاری ج ا ص ۱۰۸)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم کہو- آمین-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا یَقُوْلُ لَا تُبَادِرُوْا الْاِمَامَ اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَ اِذَا قَالَ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْ اٰمِیْنَ وَ اِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا. (مسلم ج ا ص ۱۷۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو- جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو-

ان دونوں حدیثوں میں مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے ولا الضالین کہنے پر معلق کیا' نہ کہ امام کے آمین کہنے پر' اس سے معلوم ہوا کہ امام آہستہ آمین کہے گا جسے مقتدی نہ سن سکیں گے' البتہ ولا الضالین کی آواز جہری قرأت کی وجہ سے سبھی سن لیں گے لہٰذا امام کے ولا الضالین کہنے پر مقتدیوں کو بھی آمین کہنا ہے[1]

دوسری روایت میں ہے-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْ اٰمِیْنَ فَاِنَّ الْاِمَامَ یَقُوْلُھَا. (نسائی ج ا ص ۱۴۷' واحمد ابن حبان وغیرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام ولا الضالین کہے تو کہو- آمین اس لیے کہ امام بھی آمین کہتا ہے-

حدیث کے الفاظ فان الْاِمَامَ یَقُوْلُھَا (اس لیے کہ امام بھی آمین کہتا ہے) سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام کا آمین کہنا آہستہ سے ہوگا- کیونکہ اگر امام آمین بالجہر کرے تو مقتدیوں کو خود ہی معلوم ہو جاتا کہ امام نے آمین کہا یا نہیں- یہ بتانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ امام بھی امین کہتا ہے

---

[1] بخاری و مسلم کی جن روایات میں اذا امن الامام فامنوا کے الفاظ آئے ہیں ان سے امام کا حقیقۃً آمین کہنا مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے یا اس کے آمین کہنے کا وقت معلوم ہو جائے- (دیکھئے نووی علی المسلم ج ا ص ۱۷۶) اور ظاہر ہے کہ یہ وقت ولا الضالین کے بعد ہے-

لیکن مقتدیوں کو امام کے آمین کے متعلق بتانا صریح دلیل ہے کہ امام آہستہ سے آمین کہتا ہے جس کی مقتدیوں کو خبر نہیں ہوتی لہذا بتایا گیا کہ امام کے ولا الضالین کہنے پر تم بھی آمین کہا کرو کیونکہ اس وقت امام بھی آمین کہتا ہے۔

ترمذی شریف میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ وَ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهَا. (ترمذی ج ا ص ۳۴)

علقمہؒ بن وائل اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم و لا الضالین پس کہا آمین۔ اور آمین کی آواز کو پست کیا[۱]

مسند احمد، مستدرک حاکم، مسند ابوداؤد طیالسی، مسند ابویعلی موصلی، معجم طبرانی، دار قطنی وغیرہ میں الفاظ حدیث اس طرح ہیں۔

وَ اخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ. آمین کی آواز کو پوشیدہ کیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَرْبَعٌ يُخْفِيْهِنَّ الْاِمَامُ التَّعَوُّذِ وَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ اٰمِيْنَ وَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ.

چار چیزوں کو امام آہستہ کہے گا (۱) تعوذ (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۳) آمین (۴) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۲۴۹ کتاب الصلوٰۃ، من قسم الافعال ادب الماموم ما یتعلق بہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی آہستہ ہی آمین کہتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَلِیٌّ وَ عَبْدُاللّٰهِ لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ لَا التَّعَوُّذِ وَ لَا التَّاْمِيْنِ. (مجمع الزوائد ص ۱۰۸)

حضرت ابو وائلؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تعوذ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے۔

---

[۱] اس حدیث کے تعلق سے امام شعبہؒ وسفیانؒ کے مابین محاکمہ وغیرہ کے لیے دیکھئے کشف المعضلات ص ۷۲، التعلیق الحسن علی آثار السنن ج ا ص ۹۶، معارف مدینہ جلد ۵ ص ۳۱۔

ایک اور روایت میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ عُمَرُ وَ عَلِیٌّ یَجْهَرَانِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ لَا التَّعَوُّذَ وَ لَا اٰمِیْنَ۔

ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسم اللہ الخ، تعوذ اور آمین کو جہراً نہیں کہتے تھے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۹۹، رواہ ابن جریر الطبری فی تہذیب الآثار الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۳۰)

مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں۔

اَلْاَرْبَعٌ یُخْفِضُهُنَّ الْاِمَامُ بِسْمِ للّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ الْاِ سْتِعَاذَةِ وَ اٰمِیْنَ وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ قَالَ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔

چار چیزیں ہیں جنہیں امام آہستہ کہے گا (۱) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، (۲) تعوذ (۴) اور جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷)

مصنف عبدالرزاق کے اسی صفحہ پر حضرت ابراہیم نخعیؒ کی ایک اور روایت موجود ہے اس میں بھی آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے، اور مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ پانچویں چیز ثناء کا بھی تذکرہ ہے جسے آہستہ پڑھنا ہے۔

آمین بالجہر تعلیماً تھا، نہ کہ مستقل عمل:

بعض روایات میں امین بالجہر بھی آیا ہے لیکن دیگر روایات کو ملانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آمین کو کبھی جہراً کہنا تعلیماً تھا نہ کہ مستقل عمل[1]، چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ کی ہی ایک روایت جو جہر کی روایات میں سب سے قوی ہے اس میں اس کی صراحت ہے۔

وَقَرَاَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ فَقَالَ اٰمِیْنَ یَمُدُّبِهَا صَوْتَهٗ مَاْرَاہُ اِلَّا یُعَلِّمُنَا (اخرجه ابوبشرا لدولابی فی الاسماء و الکنی۔ (اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیهم و لا الضالین پڑھا پس کہا آمین۔ آواز کو بڑھاتے ہوئے۔ میرا گمان یہ ہے کہ حضورؐ ہم کو تعلیم دے رہے تھے۔ (کہ ولا الضالین کے بعد آمین بھی کہنا ہے)

[1] یعنی صحابہ کرامؓ کو تعلیم دینے کے لیے تھا کہ ولا الضالین کے بعد آمین بھی کہنا ہے۔ لہٰذا کبھی تو حضورؐ نے قولاً اس بات کو بتایا، کبھی سنا کر بتا دیا۔

علامہ ابن قیمؒ "قنوت" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَاِذَا جَهَرَ بِهِ الْاِمَامُ اَحْيَانًا لِيَعْلَمَ الْمَا مُؤْمِنَ فَلَا بَأْسَ بِذَالِكَ فَقَدْ جَهَرَ عُمَرَ بِالْاِفْتِتَاحِ لِيَعْلَمَ الْمَا مُؤْمِنَ وَ جَهَرَ ابْنِ عَبَّاسٍ لِقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِيَعْلَمَ اَنَّهَا سُنَّةٌ وَ مِنْ هٰذَا اَيْضًا جَهَرَ الْاِمَامُ بِالتَّامِيْنِ.

(زاد المعاد ج ا ص ۷۰)

پس جب امام اس (قنوت) کو کبھی جہر کے ساتھ پڑھے تا کہ مقتدی جان لیں تو کوئی حرج نہیں، چنانچہ مقتدیوں کی تعلیم کے لیے حضرت عمرؓ نے ثنا بلند آواز سے پڑھی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی تا کہ معلوم ہو کہ یہ سنت ہے اور امام کا بلند آواز سے آمین کہنا اسی قبیل سے ہے۔

اس کا ایک قرینہ[1] بھی ہے وہ یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین روزانہ پانچ وقت کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے اگر آمین بالجہر عام معمول ہوتا تو ایک کثیر تعداد اس کو بیان کرنے والی موجود ہوتی، مگر صورت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی کسی روایت میں آمین بالجہر کا صریح تذکرہ نہیں۔ جن روایات سے جہر پر استدلال کیا جاتا ہے انہیں سے "سر" پر استدلال کی بھی گنجائش موجود ہے، بخاری و مسلم کے علاوہ جن روایات میں صراحۃً آمین بالجہر کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے، جب کہ خود حضرت وائل بن حجرؓ کی ہی آمین بالسّر کی روایت بھی ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے جیسا کہ گذرا[2]

بقیہ دو چار روایتیں ضعف اور علت سے خالی نہیں۔

آمین بالجہر کی روایات کا حال:

روایات ابوہریرہؓ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت جسے دار قطنی اور

---

[1] **کبھی کبھار جہراً آمین کہنا نو واردوں کو** تعلیم دینے کے لیے بھی تھا اور اس شبہ کو دور کرنے کے لیے بھی کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھنے لگے کہ امام کا آمین کہنا ہی بدعت ہے اس لیے بعض اوقات زور سے آمین کہہ کر صحابہ کرامؓ کو سنا دیا اور ایسا شبہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ ایک روایت میں آمین کہنے کے قائل نہیں ہیں (اوجز المسالک ج ا ص ۲۵۰)

[2] جب کہ سابقہ روایت کو کئی وجوہ سے اس روایت پر ترجیح بھی حاصل ہے تفصیل کے لیے اسی کتاب کے ص ۱۵۰ کے حاشیہ والی کتب ملاحظہ کریں۔

حاکم نے نقل کیا ہے ان الفاظ میں ہے۔

كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَ قَالَ اٰمِيْنَ.

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوئے تو اپنی آواز بلند کی اور کہا آمین۔

اس میں ایک راوی اسحٰق" بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی ہے۔ صحاح ستہ کے محدثین نے اس کی روایت کو نہیں لیا' امام نسائی اس کے متعلق فرماتے ہیں لَيْسَ بِثِقَةٍ (یہ ثقہ نہیں) امام ابوداؤد کہتے ہیں لَيْسَ بِشَئٍ (یہ کوئی چیز نہیں) شہر حمص کے مشہور محدث محمد بن عوف طائیؒ نے اس کی تکذیب کی ہے۔ بعض حضرات نے توثیق بھی کی ہے مگر مجموعی اعتبار سے یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔ (تعلیق ج ۱ ص ۹۳ و بذل ج ۲ ص ۱۰۲)

حضرت ابوہریرہؓ کی ابن ماجہ والی روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّامِيْنَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعُ اَهْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے جہراً آمین کہنا چھوڑ دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیھم و لا الضالین پڑھتے اور آمین کہتے تو پہلی صف کے لوگ سن لیتے' پس اس سے مسجد گونجنے لگتی۔

اس حدیث کا ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ کہتے ہیں لَا يُتَابَعُ فِىْ حَدِيْثِهٖ (اس کی حدیث میں کوئی متابع نہیں ملتا) امام احمد بن حنبل" کہتے ہیں ضعیف" (وہ ضعیف ہے) ابن معین" کہتے ہیں حَدَّثَ بِمَنَاكِيْرَ (منکر حدیثیں بیان کرتا ہے) امام نسائی" کہتے ہیں لَيْسَ بِالْقَوِىِّ (قوی نہیں ہے) ابن حبان" کہتے ہیں يَرْوِىْ اَشْيَاءَ مَوْضُوْعَةً (موضوع روایتیں بیان کرتا ہے) ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں هُوَ ضَعِيْفٌ عِنْدَهُمْ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ (وہ محدثین کے نزدیک ضعیف اور منکر الحدیث ہے) حافظ ابن حجرؒ کتاب الانصاف میں فرماتے ہیں۔

اِتَّفَقُوْا عَلٰى اِنْكَارِ حَدِيْثِهٖ وَ طَرْحِ مَا رَوَاهُ وَ تَرْكِ الْاِحْتِجَاجِ بِهٖ لَا

محدثین نے بالاتفاق اس کی روایت کردہ احادیث کا انکار کیا ہے اور اس کی روایت کو قابل

يَخْتَلِفُ عُلَمَاءُ الْحَدِيْثُ فِيْ ذَالِكَ.
استدلال نہیں سمجھا محدثین کا اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

تقریب میں ہے۔

ضَعِيفُ الْحَدِيْثِ مِنَ السَّابِعَةِ.
ضعف الحدیث ہے طبقہ سابع میں سے ہے۔
(تعلیق ج ۱ ص ۹۴ و بذل ج ۲ ص ۱۰۲)

یہ تو اس روایت میں سند کا ضعف تھا' اب متن کا اضطراب ملاحظہ کیجئے۔

ابن ماجہ کی اس روایت میں حتی یسمع اھل الصف الاول (یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سن لیتے) کے بعد فیرتج بها المسجد (پس اس سے مسجد گونجنے لگتی) کے الفاظ ہیں۔ جبکہ یہی روای بشر بن رافع کے ہی طریق سے ابوداؤد میں آئی ہے اس میں فیرتج بها المسجد (پس اس سے مسجد گونجنے لگی) کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور مسند ابی یعلی میں بھی یہی روایت بشر بن رافع کے ہی طریق سے آئی ہے اس میں بھی (فیرتج بها المسجد) کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ (حتی یسمع اھل الصف الاول) (یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سن لیتے) اور ابوداؤد کی روایت میں حتی یسمع من یلیه من الصف الاول (یہاں تک کہ سن لیتے وہ لوگ جو صف اول میں آپ سے قریب ہوتے) گویا صف اول کے بھی سب لوگ نہیں سنتے تھے۔

پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ کہیں تو کہا جا رہا ہے کہ حضورؐ کے آمین کی آواز صف اول یا صف اول میں آپ کے قریب کے لوگ سن لیتے' اور کہیں کہا جا رہا ہے مسجد نبوی گونج اٹھتی تھی[1]۔ اگر مسجد نبوی گونج اٹھتی تھی تو پھر صف اول کے لوگ ہی کیوں سنیں گے۔ جس صف میں جہاں بھی لوگ ہوں گے سب سنیں گے۔

روایت ام الحصینؓ:۔ ایک صحابیہ ام الحصینؓ کی روایت مسند ابن ابی راہویہ اور طبرانی کی المعجم الکبیر میں ان الفاظ میں آئی ہے۔

اَنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
ام الحصینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] اس روایت میں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ نہیں اس لیے رفع تعارض کے لیے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ غلط ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے تاویل کی ہے۔ اور اس کے علاوہ اس روایت کے وجوہ ضعف جو ہیں وہ تو ہیں ہی۔

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ فَسمِعْتُہٗ وَ ھِیَ فِیْ صَفِّ النِّسَاءِ۔

پیچھے نماز پڑھی، جب حضورؐ نے ولا الضالین کہا تو آمین کہا (ام الحصینؓ کہتی ہیں کہ) پس میں نے آمین کو سنا جب کہ میں عورتوں کی صف میں تھی۔

اس روایت کی سند میں اسمٰعیل بن مسلم مکی موجود ہے۔ جس کی تضعیف امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی تقریب میں فرماتے ہیں الحدیث ضعیف (یہ حدیث ضعیف ہے) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ھو منکر الحدیث (وہ منکر الحدیث ہے) امام نسائیؒ کہتے ہیں ھو متروک (وہ متروک ہے) علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں لا یکتب حدیثہ (اس کی حدیثیں لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں) ابن معین فرماتے ہیں ھو لیس بشئی (وہ کوئی چیز نہیں) (کشف المعضلات ص ۱۷۳، بذل ج ۲ ص ۱۰۲)

روایت علیؓ:۔ مستدرک حاکم اور اعلام الموقعین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اٰمِیْنَ اِذَا قَرَاَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔

میں نے سنا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیھم و لا الضالین پڑھا تو آمین کہا۔

اس حدیث کے راویوں میں اسحاق بن ابراہیم الزبیدی موجود ہے اور اس کے بارے میں حدیث ابو ہریرہؓ کے تحت تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ سلسلہ سند میں اس کا نام ہونا روایت کے غیر محفوظ اور ضعیف ہونے کی دلیل ہے (نیز دیکھئے کشف المعضلات ص ۱۷۳) اور یوں بھی حضرت علیؓ کے سن لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضورؐ نے جہراً آمین کہی تھی، کیونکہ کبھی سراً کہنے سے بھی پاس کا آدمی سن لیتا ہے۔

روایت عطاء بن رباح:۔ ابن حبان و بیہقی میں عطاء بن رباح کی روایت میں ہے۔

اَدْرَکْتُ مِأَتَیْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ یَعْنِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ رَفَعُوْا اَصْوَاتَھُمْ بِاٰمِیْنَ۔

میں نے دو سو صحابہ کرام کو پایا کہ وہ اس مسجد میں حرام میں، جب امام ولا الضالین کہتا تو سب آمین میں اپنی آواز بلند کرتے۔

مگر اس روایت کا ضعیف ہونا یہیں سے واضح ہے کہ حضرت عطاء بن رباحؒ ایک تابعی ہیں اور ان کا دو سو صحابہ کو پانا ثابت نہیں' کیونکہ حضرت حسن بصریؒ ان سے بڑے تھے پھر بھی انہوں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا (تہذیب) پھر عطاء بن رباحؒ کا ان سے کم عمر ہوتے ہوئے دو سو/۲۰۰ صحابہ کو پانا کیسے ممکن ہے۔ (معارف مدنیہ ج۵ ص۳۴)

روایت بن عباس:۔ ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْئٍ مَا حَسَدَتْكُمْ عَلٰى اٰمِيْنَ فَاَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ اٰمِيْنَ. (ص۶۲)

تمہارے بارے میں یہود جتنا آمین پر حسد کرتے ہیں اتنا کسی چیز پر حسد نہیں کرتے' پس آمین کا لفظ زیادہ کہا کرو۔

ابن ماجہ کے اسی صفحہ پر حضرت عائشہؓ کی بھی ایک روایت اسی مضمون کی وارد ہوئی ہے۔ مگر اسی حدیث سے آمین بالجہر کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ اس میں آمین' بالجہر کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ جیسا کہ ترجمہ سے صاف ظاہر ہے۔ یہود یقیناً آمین کے لفظ پر حسد کرتے تھے اور اس کی وجہ ابن ماجہ کے ہی حاشیہ پر یہ لکھی ہوئی ہے کہ آمین انہیں بھی پسند تھا مگر اس خیال سے نہیں کہتے تھے کہ اس میں مسلمانوں کی اقتداء لازم آجائے گی جو ان کے لیے صدمہ کی بات تھی (ابن ماجہ ص۶۲ حاشیہ۴) مگر اس سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ ''یہود کی دشمنی بلند آواز سے آمین کہنے سے تھی' اور پست آواز سے آمین کہنے سے نہ تھی' اس لیے بلند آواز سے آمین زیادہ کہا کرو۔

بعض حضرات اس حدیث میں ''حسد'' کا ترجمہ ''چڑھ'' کرتے ہیں کہ یہود آمین سے چڑھتے تھے' حالانکہ ''حسد'' اور ''چڑھ'' دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ لہٰذا ''حسد'' کا ترجمہ ''چڑھ'' کرنا غلط ہے۔

روایت ابن زبیرؓ:۔ بخاری میں تعلیقاً مروی ہے۔

اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَ مَنْ وَرَاءَهٗ حَتّٰى اَنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً.

عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے مقتدیوں نے اتنے زور سے آمین کہی کہ مسجد گونجنے لگی۔

اولاً تو تعلیقات بخاری میں صحت کا التزام نہیں ہے' لہٰذا یہ روایت یہاں حجت نہیں بن سکتی۔ دوم اس روایت میں اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ آمین کہنے کا واقعہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد کا

ہے۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اہل شام سے اپنی جنگ کے زمانہ میں قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے۔ ممکن ہے یہ آمین کا واقعہ اسی زمانہ کا ہو یا خطبہ کے دوران کا ہو (معارف مدنیہ ج ۵ ص ۳۴) نیز اس میں تعلیماً ہونے کا بھی احتمال ہے۔(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۱۰۱)

روایت بلالؓ:۔ابوداؤد میں ہے۔

عن بلالٍ انّهُ قَالَ يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا تَسْبِقْنِيْ بِاٰمِيْنَ. (ج ۱ ص ۱۵۱)

حضرت بلالؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ مجھ سے آمین میں سبقت نہ کریں۔

حاکمؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی عثمان مہدی کی حضرت بلالؓ سے ملاقات ثابت نہیں، ابوحاتم رازیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوعاً نقل کرنا غلطی ہے۔کچھ لوگوں نے عثمان اور حضرت بلالؓ کے درمیان سلمان کا واسطہ بیان کیا ہے مگر اس سند سے بھی امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے هو ضعيف ليس بشئى ۔ (بذل ج ۲ ص ۱۰۵)

❀❀❀

رفع یدین

صرف تکبیر تحریمہ میں رفع یدین:

رفع یدین کا معنی ہے ''دونوں ہاتھوں کا اٹھانا----'' نماز کی ابتداء میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ لیکن اس کے بعد رکوع میں جاتے، رکوع سے اٹھتے اور تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو عرف عام میں رفع یدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی وہ رفع یدین ہے جو منسوخ ہے۔ جیسا کہ ان احادیث کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رفع یدین کو ترک کر دیا تھا اور صرف نیت باندھتے وقت ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ:

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ. (ترمذی ج۱ ص ۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص ۲۳۶)

علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس نماز پڑھی، تو اس میں صرف پہلی مرتبہ ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔''

امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

حدیث ابن مسعود حدیث حسن. (حوالہ مذکورہ)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے۔

اس کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں۔

وَبِهٖ یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

اہل علم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں سے بہت سے حضرات اسی

وَسَلَّمَ وَ التَّابِعِیْنَ. (حوالہ مذکورہ) قائل ہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے المحلی ج۴ص ۸۸ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔اس کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ، دارقطنیؒ، ابن قطانؒ، ابن دقیق العید مالکیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ حنبلیؒ اور امام نسائیؒ کے نزدیک بھی اس حدیث کی صحت مسلم ہے (کشف المعضلات ص ۱۷۹)

(۲) ابوداؤد شریف میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ اِلَّا مَرَّةً. پس نہیں اٹھایا اپنے دونوں ہاتھوں کو مگر ایک مرتبہ۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۲۵)

(۳) امام نسائیؒ نے ایک عنوان قائم کیا ترک ذالک (رفع یدین کا ترک) اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت یوں نقل کی۔

عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ لَا اُخْبِرُکُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَامَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ.

(نسائی شریف ج ا ص ۱۵۸)

علقمہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں خبر نہ دوں؟ علقمہ کہتے ہیں کہ پھر عبد اللہ بن مسعودؓ کھڑے ہوئے اور نماز میں صرف پہلی مرتبہ ہی رفع یدین کیا، دوبارہ نہیں کیا۔

ص ۱۶۱ پر سفیان کی سند سے ہے۔

فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً. نہیں رفع یدین کیا مگر ایک ہی مرتبہ۔

(۴) شرح معانی الآثار میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَةٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ.

(ج ا ص ۱۱۰)

علقمہؒ سے مروی ہے، وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ میں ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(۵) اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کَانَ یَرْفَعُ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حماد رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابراہیم نخعی سے وہ اسود رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلی

يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ التَّكْبِيْرِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلٰى شَيْئٍ مِّنْ ذَالِكَ وَ يَاْثِرُ ذَالِكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مسند امام اعظم ج ا ص ۳۵۵)

تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر اس کے بعد کسی وقت نہیں اٹھاتے تھے اور وہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے تھے۔

(۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيْهِمْ اِلَّا عِنْدَ اسْتِفْتَاحِ الصَّلٰوةِ. (دار قطنی ص ۱۱۱ بیہقی ج ۲ ص ۷۹، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۱)

محمد بن جابر رحمۃ اللہ علیہ حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے وہ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی یہ سب حضرات صرف نماز کے شروع میں ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

محمد بن جابر یمامیؒ کی یہ روایت ان کے نابینا ہونے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا ہر قسم کے اختلاط سے محفوظ ہے، دار قطنی میں ہے کہ اسحاق بن ابی اسرائیل اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وبه ناخذ في الصلوة كلها. (دار قطنی ص ۱۱۱)

پوری نماز میں ہمارا عمل اسی حدیث پر ہے۔

حدیث براء بن عازبؓ:

ابوداؤد ج ص ۱۲۵، طحاوی ج ا ص ۱۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۶، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۷۰، دار قطنی وغیرہ میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ۔

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ لِا فْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اِبْهَا

رسول اللہؐ جب نماز شروع کرنے کے لیے اللہ اکبر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی

مَاهُ قَرِيبًا مِّنْ شَحْمَتَيْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ[1] وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَّرَّةً وَّاحِدَةً.

کی لو سے قریب ہو جاتے پھر اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ صرف ایک مرتبہ اٹھاتے تھے۔

براء بن عازبؓ سے دوسری روایت میں ہے۔

قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتّٰى انْصَرَفَ. (ابوداود ج ۱ ص ۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جب نماز شروع کی، پھر نماز ختم ہونے تک دوبارہ نہیں اٹھایا۔

دار قطنی ص ۱۱۰ پر ہے کہ یرفع فی اول تکبیر (صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے)

حدیث عبداللہ بن عمرؓ:

(۱) سالمؒ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيْ بِهِمَا وَ قَالَ بَعْضُهُمْ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ وَ بَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ انہیں اپنے کندھوں کے بالمقابل کر دیا۔ اور جب ارادہ کرتے کہ رکوع کریں اور

---

[1] ثم لایعود کے الفاظ یزیدؒ بن زیاد، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے نقل کرنے میں تنہا نہیں بلکہ عیسیٰ بن عبدالرحمٰنؒ نے بھی ابن ابی لیلیٰؒ سے اسی طرح نقل کیا ہے، یعنی یزیدؒ کے متابع موجود ہیں، منفرد نہیں، اسی طرح شریک کے بھی متابع موجود ہیں جیسا کہ ابن عدی نے الکامل میں نقل کیا ہے کہ رواہ ھشیم وشریک وجماعۃ معھما عن یزید باسنادہ وقالوا فیہ لم یعد، معلوم ہوا کہ شریک بھی منفرد نہیں۔ لہٰذا خطابی وغیرہ کا یہ کہنا کہ ثم لایعود کے الفاظ شریک کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کیے غلط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۳) دوم یہ کہ دار قطنی کی روایت میں فی اول تکبیرۃ کے الفاظ ہیں اور ظاہر ہے کہ ثم لایعود اور فی اول تکبیرۃ دونوں کا مفہوم یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ میں ہی رفع یدین کرتے تھے۔

الرُّکُوعِ لا یَرْفَعُھُمَا وَ قَالَ بَعْضُھُمْ وَلا یَرْفَعُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ وَ الْمَعْنٰی وَاحِدٌ. (صحیح ابوعوانہ ج۲ص۹۰)

رکوع سے سر اٹھائیں تو ان دونوں کو نہیں اٹھاتے- اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی نہیں اٹھاتے تھے-

(۲) امام ابوعوانہؒ نے سفیان بن عیینہؒ تک اس حدیث کی کل چار سندیں ذکر کی ہیں، جن میں سے چوتھی سند امام بخاریؒ کے استاد امام حمیدیؒ (عبداللہ بن الزبیر بن عیسی القرشی الحمیدی المکی المتوفی ۲۱۹ھ) کی ہے- چنانچہ خود مسند حمیدی میں بھی یہ حدیث اسی سند سے انہیں الفاظ میں موجود ہے-

(دیکھئے مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ حدیث عدد ۶۱۴)

(۳) مدونہ کبریٰ ج اص ۶۹ میں ہے-

اِبْنُ وَھْبٍ وَّ اَبُو الْقَاسِمِ عَنْ مَالِکٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَذْوَ مَنْکِبَیْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ.

ابن وہبؒ اور ابن قاسمؒ امام مالکؒ سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ سالمؒ سے، وہ اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھاتے جب نماز شروع کرتے-

اس روایت میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے- رکوع سے پہلے رکوع کے بعد یا تشہد کے بعد رفع یدین کا ذکر نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی بنیاد پر تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ حالتوں میں رفع یدین کو ترک کرنا ہی پسند کیا تھا- جیسا کہ آئندہ المدونہ کے ہی حوالہ سے امام مالک کا مسلک آجائے گا-

(۴) امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں اور بیہقیؒ، حاکمؒ، طبرانی اور ابن ابی شیبہؒ نے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں سے روایت کیا ہے- بعض نے مرفوعاً، بعض نے موقوفاً کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا-

لا تُرْفَعُ الْاَیْدِیْ اِلَّا فِیْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِیْ افْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ وَ عَلَی الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃِ وَ بِعَرَفَاتٍ وَّ یَجْمَعِ فِی الْمَقَامَیْنِ وَ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ.

نہ ہاتھ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں نماز کے شروع میں، استقبال بیت اللہ کے وقت، صفا اور مروہ پر، عرفات میں مزدلفہ میں رمی جمار کے وقت- (بذل ج ۲ ص ۶۰، نصب الرایہ ج اص ۳۹۰)

حدیث عبداللہ بن عباسؓ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھوں کے اٹھانے کی روایات منقول ہیں- چنانچہ (دیکھئے طبرانی' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۲۸' نیل الفرقدین ص ۱۱۸' نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۰ وغیرہ)

مرسل عباد بن الزبیرؒ:

نصب الرایہ اور بذل المجہود میں خلافیات بیہقی کے حوالہ سے منقول ہے-

عَنْ عَبَّادِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا فِيْ شَيْءٍ حَتّٰى يَفْرُغَ.

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۰۴' بذل ج ۲ ص ۶)

عبادہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اول نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے' پھر کسی چیز میں فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے-

یہ روایت مرسل ہے' صحیح سند سے مروی ہے' دیگر بہت سی روایات سے اس کے مفہوم و مضمون کی تائید بھی ہوتی ہے- اور اس قسم کی مرسل حدیث امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل اور دیگر بہت سے محدثین کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے-

(دیکھئے نووی مقدمہ شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷)

حدیث حضرت ابوہریرہؓ:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۶' ترمذی ج ۱ ص ۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے بڑھاتے ہوئے-

امام ابوداؤدؒ نے ابوداؤد شریف میں اس حدیث کا یوں عنوان قائم کیا ہے-

بَابَ مَنْ لَمْ يَذْكُرِا لرَّفْعُ عِنْدَ الرُّكُوْعِ. (---- ج ۱ ص ۱۲۶)

باب اس کا کہ جس نے رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا-

اور اس کی سند میں کوئی کلام بھی نہیں کیا۔ گویا امام ابوداؤد کے نزدیک یہ حدیث سنداً صحیح اور متناً صریح ہے۔

آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

ابوبکرؓ و عمرؓ: (۱) محمد بن جابر یمامیؒ کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث کے تحت گزر چکا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، اور حضرت عمر فاروقؓ، کے پیچھے نماز پڑھی' ان میں سے ہر ایک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ (دیکھئے اسی کتاب کا ۱۵۶)

(۲) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ رَاَیْتُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَةٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ. (طحاوی ج ا ص ۱۱۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۷)

اسود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اول تکبیر میں ہی دونوں ہاتھ اٹھائے' پھر نہیں اٹھائے۔

حضرت علیؓ:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق موطا امام محمد ۹۴' طحاوی ج ا ص ۱۱۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۶ میں یہ روایت موجود ہے۔

عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ وَ کَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ اَنَّ عَلِیَّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَمُ اللهِ وَجْهَهُ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِی التَّکْبِیْرَةِ الْاُوْلٰی اَلَّتِیْ یَفْتَتِحُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ لَا یَرْفَعُهُمَا فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ.

عاصم بن کلیب اپنے والد کلیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے' پھر نماز کی کسی چیز میں نہ اٹھاتے۔

عشرہ مبشرہؓ:۔ عشرہ مبشرہ وہ دس جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہلاتے ہیں جنہیں رسول ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کی خوش خبری سنادی تھی۔ وہ دس صحابہ یہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ مرتضیٰ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ،

حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۶)

ان سب کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَلْعَشَرَةُ الَّذِيْنَ شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ مَا كَانُوْا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِي اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ. (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۲، اوجز المسالک ص ۲۰۸ نقلا عن البدائع ج ۱ ص ۲۰۷)

وہ دس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنتی ہونے کی گواہی دے دی تھی۔ وہ لوگ صرف شروع نماز میں ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے[۱]

عبداللہ بن عمرؓ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی صرف نیت باندھتے وقت ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اس کے بعد نہیں۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ.

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، پس انہوں نے نہیں اٹھایا اپنے ہاتھوں کو مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

(طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰، مصنف ابن ابی شیبہؒ ج ۱ ص ۲۳۷، بیہقی فی المعرفۃ)

امام بن شیبہؒ نے یہ روایت ابوبکر بن عیاشؒ سے، انہوں نے حصین سے، انہوں نے مجاہدؒ سے نقل کی ہے۔ یہ سلسلہ سند بخاری و مسلم دونوں کی شرط کے مطابق ہے جس کی صحت میں کلام نہیں، خود بخاری شریف کتاب التفسیر ج ۲ ص ۷۲۵ میں ابوبکر بن عیاش عن حصین کی سند موجود ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق مجاہد کے اس بیان کی تائید عبدالعزیز بن حکیم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو موطا امام محمد ص ۹۲ پر موجود ہے۔

مجاہدؒ، عبداللہ بن عمرؓ کے اصحاب کبار میں سے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ان کا یہ بیان بہت اہمیت رکھتا ہے، جہاں تک بعض حضرات کی یہ تاویل ہے کہ ابن عمرؓ نے سہواً بقیہ مقامات کے رفع یدین کو ترک کر دیا تھا، تو یہ بالکل لایعنی بات ہے۔ کیونکہ مجاہدؒ جیسا کہ حاضر باش مستقلاً صرف تکبیر اولیٰ میں ہی ہاتھوں کے اٹھانے کا تذکرہ کرتا ہے اور نماز ظاہر ہے کہ

---

[۱] اگر ان میں سے کسی کے متعلق رفع یدین منقول ہے تو وہ ضعیف روایت ہے۔
(دیکھئے آثار السنن ج ۱ ص ۱۰۷ وغیرہ)

کبھی کبھار نہیں بلکہ روزانہ پڑھی جاتی ہے اور وہ بھی دن میں پانچ مرتبہ اور صرف فرائض کو ہی لے لیا جائے تو بھی سترہ رکعتیں ہو گئیں' ان میں ہر رکعت میں کئی کئی بار رفع یدین آنا چاہیے تھا۔ مگر مجاہدؒ صاف طور سے کہہ رہے ہیں کہ:

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنَ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّافِي التَّكْبِيرَةِ الْاُولٰى مِنَ الصَّلٰوةِ.

میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس انہوں نے نہیں اٹھایا اپنے ہاتھوں کو مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

اور ظاہر ہے کہ ہر رکعت میں سہواً رفع یدین کو ترک کرتے چلے جانا بالکل مہمل سی بات ہے۔ کوئی بھی اس تاویل کو تسلیم نہیں کرے گا۔[1]

عبداللہ بن مسعودؓ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ مَا يَسْتَفْتِحُ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا. (مصنف ابن شیبہ ج اص ۲۳۶' طحاوی ج اص ۱۱۱)

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' صرف شروع تکبیر میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے' پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ترک رفع یدین کا عمل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور ان کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد نے بیان کیا ہے کیونکہ یہ روایت ابراہیم نخعیؒ کی ہے اور ابراہیم نخعیؒ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بغیر درمیانی حوالہ کے اسی وقت نقل کرتے تھے جب کہ انہوں نے وہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی ایک پوری جماعت سے سنی ہو۔ (دیکھئے شرح معانی الآثار ج اص ۱۱۱' امام ترمذی کی کتاب العلل ج ۲ص ۲۳۹' طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰' امام اعمشؒ کی ابراہیم نخعیؒ سے گفتگو)

نیچے کی روایت بھی اسی قبیل کی ہے۔

---

[1] طاؤس کی روایت میں عبداللہ بن عمرؓ کا رفع یدین کرنا بھی ثابت ہوتا ہے مگر یہ پہلے کی روایت ہے۔ بعد میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے رفع یدین کا منسوخ ہونا منقح ہو گیا تو ترک کر دیا۔ جیسا کہ مجاہد کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ رفع یدین کب اور کیسے منسوخ ہوتا گیا اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۲) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ اِلَّا فِي الْاِفْتِتَاحِ. (طحاوی ج ا ص ۱۱۱)

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں کسی وقت بھی ہاتھ نہ اٹھاتے سوائے تکبیر افتتاح کے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۶ میں ہے۔

حَدَّثَنَا وَ كِيْعٌ وَ اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِاللّٰهِ وَ اَصْحَابُ عَلِيٍّ لَا يَرْ فَعُوْنَ اَيْدِيُهِمْ اِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالَ وَ كِيْعٌ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ.

ہم سے وکیعؒ اور ابواسامہؒ نے حدیث بیان کی' ان دونوں سے شعبہؒ نے' ان سے ابواسحاقؒ نے' ابواسحاقؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے اصحاب صرف نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ وکیعؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شاگردوں کا اجماعی عمل ترک رفع یدین پر تھا۔

(۴) عَنِ الْمُغِيْرَةِ قُلْتُ لِاِ بْرَاهِيْمَ حَدِيْثُ وَائِلٍ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَ اِذَا رَكَعَ وَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ اِنْ كَانَ وَائِلٌ رَاٰهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَالِكَ فَقَدْ رَاٰهُ عَبْدُاللّٰهِ خَمْسِيْنَ مَرَّةً لَمْ يَفْعَلْ ذَالِكَ. (طحاوی ج ا ص ۱۱۰)

مغیرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ کے سامنے حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے جب نماز شروع کی' پھر جب رکوع کیا' پھر جب رکوع سے سر اٹھایا۔ یہ حدیث سن کر ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا اگر حضرت وائل بن حجرؓ نے حضور کو ایک مرتبہ ایسا کرتے دیکھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ دیکھا کہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو قربت رہی اور خادم خصوصی کی حیثیت سے ہر دم ساتھ رہا' سابقین اولین اور مقربین میں شمار رہا' علم و ورع میں جو بلند پایہ مقام تھا' وہ حضرت وائل بن حجرؓ کو حاصل نہیں۔ (دیکھئے امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۳)

بہر حال اسی قسم کی ایک روایت وہ بھی ہے جو مؤطا امام محمد ص ۹۲' کتاب الآثار الامام ابی

یوسف ص ۲۱، طحاوی ج اص ۱۱۰پر یوں منقول ہے۔

عروہ بن مرہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرموت کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ علقمہ بن وائلؒ اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، میں نے ابراہیم نخعیؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے غضب ناک ہو کر فرمایا راہ ھو و لم یرہ ابن مسعود و لا اصحابہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حضرت وائل بن حجرؓ نے ہی دیکھا تھا؟ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے رفقاء نے نہیں دیکھا تھا؟)

حضرت ابو ہریرہؓ: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

اَخْبَرَنِیْ نَعِیْمُ الْمُجْمِرُ وَ اَبُوْ جَعْفَرِ الْقَارِیُّ اَنَّ اَبَاهُرَیْرَةَ کَانَ یُصَلِّیْ بِهِمْ فَکَبَّرَ کُلَّمَا خَفَضَ وَ رَفَعَ وَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حِیْنَ یُکَبِّرُ وَ یَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ. (موطا امام محمد ص ۹۰ کتاب الحجۃ ج اص ۹۵)

خبر دی مجھ کو نعیم المجمر اور ابو جعفر القاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھاتے تو ہر اٹھتے اور بیٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ:۔ بیہقی ؒ نے عطیہ عوفیؒ سے روایت کیا ہے کہ۔

اَنَّ اَبَاسَعِیْدِ الْخُدْرِیَّ وَ ابْنِ عُمَرَ کَانَ یَرْفَعَانِ اَیْدِیْهِمَا اَوَّلُ مَا یُکَبِّرَانِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ. (اوجز المسالک ج اص ۲۰٦)

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار وہ احادیث و آثار ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز کا پورا طریقہ بتایا اور اس طرح بتایا گویا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا مگر تکبیر تحریمہ والے رفع یدین کو چھوڑ کر متنازع فیہ رفع یدین کا کہیں تذکرہ نہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۱۲۳ تا ص ۱۲۵)

آثار تابعینؒ وائمہ ہدیٰ ؒ

اصحاب علیؓ وابن مسعودؓ:۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۳۶ کے حوالے سے روایت گزر چکی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب وشاگرد صرف تکبیر افتتاح کے وقت ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

قیس بن ابی حازمؒ:۔ مشہور تابعی قیس بن ابی حازمؒ البجلی الکوفی جنہیں عشرہ مبشرہ سے روایت کا شرف حاصل ہے (تقریب) وہ بھی ترک رفع یدین پر عامل تھے اور صرف تکبیر افتتاح میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ قَالَ کَانَ قَیْسٌ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اَوَّلُ مَا یَدْخُلُ فِی الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَرْفَعُهُمَا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۳۶)

حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن سعیدؒ نے' ان سے اسماعیلؒ نے کہ قیسؒ صرف نماز میں داخل ہوتے وقت ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے' پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

ابراہیم نخعیؒ:۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا عمل بھی یہی تھا' ان کا شمار کبار تابعین میں ہے صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہی منصب افتاء پر فائز تھے۔

(۱) عَنْ خَیْثَمَةَ وَ اِبْرَاهِیْمَ کَانَا لَا یَرْفَعَانِ اَیْدِیْهِمَا اِلَّا فِیْ بَدْءِ الصَّلٰوۃِ.

خیثمہؒ اور ابراہیمؒ صرف نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

(۲) عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ تَرْجِعُ یَدَیْکَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلٰوۃِ اِلَّافِی الْاِفْتِتَاحَةِ الْاُوْلٰی. (حوالہ مذکورہ)

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوائے تکبیر اولیٰ کے نماز کی کسی حالت میں اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاؤ۔

(۳) عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا کَبَّرْتَ فِیْ فَاتِحَةِ الصَّلٰوۃِ فَارْفَعْ یَدَیْکَ ثُمَّ لَا تَرْفَعْهُمَا فِیْ مَابَقِیَ.

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ جب تم نماز کو شروع میں اللہ اکبر کہو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاؤ۔ پھر باقی نماز میں نہ اٹھاؤ۔ (حوالہ مذکورہ)

اسودؒ وعلقمہؒ:۔ حضرت اسودؒ اور علقمہؒ' یہ دونوں بھی کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جلیل القدر شاگرد حضرت اسودؒ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت

میں بھی دو سال رہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی خصوصی تلمذ حاصل تھا' یہ دونوں حضرات بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عَنِ الْاَسْوَدِ وَ عَلْقَمَةَ اَنَّهُمَا كَانَا يَرْفَعَانِ اَيْدِيْهِمَا اِذَا افْتَتَحَاثُمَّ لَا يَعُوْدَانِ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷)

اسود رحمۃ اللہ علیہ و علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔

امام شعبیؒ:۔ امام شعبیؒ کے متعلق عبداللہ بن مبارکؒ اشعثؒ سے یوں نقل کرتے ہیں۔

عَنِ الشَّعْبِیِّ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِیْ اَوَّلِ التَّكْبِيْرِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا. (کتاب مذکورہ ج ۱ ص ۲۳۶)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے' پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ:۔ معاویہ بن ہشیم سفیان بن مسلم جہنیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

كَانَ ابْنُ اَبِیْ لَيْلٰى يَرْفَعُ يَدَيْهِ اَوَّلَ شَيْئٍ اِذَا كَبَّرَ. (کتاب مذکور ص ۲۳۷)

ابن ابی لیلیٰ اول نماز میں ہاتھوں کو اٹھاتے جب اللہ اکبر کہتے۔

امام مالکؒ:۔ امام دار الہجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' مدینہ منورہ میں بیٹھ کر ارشاد فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے سوا کسی اور رفع یدین کو میں نہیں جانتا' حالانکہ وہ مسجد نبوی میں درس دیا کرتے تھے' اہل مدینہ کے علوم کے وارث تھے' وہ مدینہ جو مہبط وحی الٰہی' انصار و مہاجرین کا مسکن' اور ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ، تین خلفائے راشدین کا دارالخلافۃ تھا رفع یدین والی روایتیں ان کے سامنے بھی تھیں مگر ان کے نزدیک وہ منسوخ تھیں یا ضعیف اس لیے اصح و ناسخ روایتوں کے مقابلے میں فرماتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ لَا اَعْرِفُ رَفْعَ الْيَدَيْنِ فِیْ شَيْئٍ مِنْ تَكْبِيْرِ الصَّلٰوةِ لَا فِیْ خَفْضٍ وَ لَا فِیْ رَفْعٍ اِلَّا فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالَ ابْنُ الْقَاسِمِ وَ كَانَ رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ مَالِكٍ ضَعِيْفًا. (مدونہ کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کسی چیز میں نہیں جانتا نہ جھکنے میں نہ اٹھنے میں' (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد) عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رفع یدین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضعیف مسلک تھا۔

علامہ ابن رشد مالکی' امام مالک کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَنِ اقْتَصَرَ بِهٖ عَلَى الْاِ حْرَامِ فَقَطْ تَرْجِيحًا لِحَدِيثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَ حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَاذِبٍ وَهُوَ مَذْهَبُ مَالِكٍ لِمَوَافِقَتِهِ الْعَمَلِ بِهٖ.

(بدایۃ المجتہد ج ا ص ۱۱۴)

ان میں سے وہ حضرات ہیں جنھوں نے رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ تک ہی منحصر رکھا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ کی روایتوں کو ترجیح دیتے ہوئے یہی امام مالکؒ کا بھی مذہب ہے اہل مدینہ کے ساتھ عمل کی موافقت کی وجہ سے۔

امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں۔

وَهُوَ اَشْهَرُ الرِّوَايَاتِ عَنْ مَالِكٍ.

(نووی علی المسلم ج ا ص ۱۶۸)

عدم رفع یدین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے مشہور روایت ہے۔

امام ترمذیؒ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین والی حدیث کے متعلق امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْعِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَ بِهٖ يَقُوْلُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ التَّابِعِيْنَ وَ هُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَ اَهْلِ الْكُوْفَةِ.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث، حدیث حسن ہے اور اسی کے قائل ہیں بہت سے اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم۔ اور یہی سفیان ثوری رحمۃ اللہ اہل کوفہ کا قول ہے۔ (ترمذی شریف ج ا ص ۳۵)

کوفہ جو خلافت فاروقی میں فوجی چھاؤنی رہا جس میں ڈیڑھ ہزار اور بقول بعض چار ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فروکش تھے ان میں تین سو (۳۰۰) اصحاب بیعت رضوان اور ستر بدری صحابہؓ شامل تھے۔ کوفہ کے معلم عہد عثمانی کے آخر تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رہے، خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں اس شہر کو دارالخلافۃ ہونے کا شرف ملا اسی کوفہ کے تمام فقہاء ومحدثین وعوام قدیماً وحدیثاً مستقل طور پر ترک رفع یدین پر عامل رہے۔

چنانچہ امام عراقیؒ نے شرح تقریب میں امام محمد بن نصر المروزیؒ سے نقل کیا ہے کہ۔

لَا نَعْلَمُ مِصْرًا مِنَ الْاَمْصَارِ تَرَكُوْا بِاِجْمَاعِهِمْ رَفْعَ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْخَفْضِ.

ہم کسی شہر کو نہیں جانتے کہ وہاں کے باشندوں نے رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کو

وَالرَّفْعِ فِی الصَّلٰوۃِ اِلَّا اَھْلِ الْکُوْفَۃِ فَکُلُّھُمْ لَا یَرْفَعُ اِلَّا فِی الْاِحْرَامِ. (اتحاف شرح احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۴)

بالاجماع ترک کر دیا ہو۔ سوائے اہل کوفہ کے وہ سب کے سب صرف تکبیر تحریمہ میں ہی رفع یدین کرتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ اہل کوفہ کا اجماعی طور پر رفع یدین کو ترک کر دینا ان صحابہ کرامؓ کی شمولیت کو بھی بتاتا ہے۔ جو عہد فاروقی سے لے کر عہد مرتضوی تک وہاں فروکش رہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ لوگ بس کوفہ کے ہی ہو کر رہ گئے ہوں۔ بلکہ ان کا مدینہ منورہ برابر آنا جانا بھی رہتا تھا تاکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر اجلہ صحابہ سے استفادہ کریں اور کوفہ کے تابعین نے مستقلاً استفادہ کیا۔

اہل کوفہ کا مستقل ترک رفع یدین کا عمل، امام مالک کا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین سے انکار اور ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کا یہ نقل کرنا کہ رفع یدین امام مالک کے نزدیک ضعیف تھا۔ یہ سب اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ تکبیر افتتاح کے علاوہ رفع یدین منسوخ ہے ورنہ ترک رفع یدین پر اتنے اہم و مقدس بلاد اسلامیہ کا اجماع نہ ہو جاتا اور یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ ترک رفع یدین کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے غَیْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ التَّابِعِیْنَ کہنے پر مجبور ہوئے۔

اور یہی وجہ ہے کہ سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے شیخ اور راوی بخاری ابوبکر بن عیاش، جن کے متعلق عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ۔

مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ اِلَی السُّنَّۃِ مِنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَیَّاشٍ. (اوجز ج ۱ ص ۲۰۷)

میں نے ابوبکر بن عیاش سے زیادہ سنت کی طرف سبقت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

یہی ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں۔

مَا رَاَیْتُ فَقِیْھًا قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ غَیْرِ التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی.

میں نے کسی فقیہ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا کہ وہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین کرتا ہو۔

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۱۲)

رفع یدین منسوخ ہے

گزشتہ اوراق میں احادیث کریمہ و آثار کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی کرنا ہے۔ اس کے بعد پوری نماز میں کسی جگہ نہیں اور اس ایک رفع یدین کے علاوہ جو متنازع فیہ رفع یدین ہے وہ منسوخ ہے ہم یہاں اسی نسخ کے متعلق تفصیلی گفتگو کریں گے۔

احادیث صحیحہ میں رفع یدین کے مقامات:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ متنازع فیہ رفع یدین یہ ہے (۱) رکوع میں جاتے وقت (۲) رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے (۳) تشہد سے اٹھتے ہوئے۔ لیکن کیا تکبیر افتتاح کے علاوہ احادیث صحیحہ میں صرف انہیں تین مقامات میں رفع یدین کا تذکرہ ہے۔ بقیہ مقامات کے لیے نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو قائلین رفع یدین ان مقامات کے رفع یدین کو کیوں ترک کرتے ہیں، وہاں پر بھی تو رفع یدین کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ لوگ ان مقامات کے رفع یدین کو منسوخ قرار دے کر چھوڑتے ہیں تو ہم بھی ان تین مقامات کے رفع یدین کو نسخ کی بنیاد پر ہی ترک کرتے ہیں۔ گویا صورت حال دونوں طرف برابر رہی۔ ہمارے نزدیک تکبیر افتتاح کے علاوہ بقیہ تمام مقامات کا رفع یدین منسوخ ہے اور قائلین رفع یدین کے نزدیک تین کے علاوہ مسنوخ ہے۔ گویا چند مقامات کے رفع یدین کو منسوخ ماننے پر وہ بھی مجبور ہیں۔

اب آیئے ان احادیث کو دیکھیں جن میں رفع یدین کے ۹ مقامات کا تذکرہ ہے۔

(۱) صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین، احادیث و آثار بکثرت گزر چکیں۔

(۲) رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ کَبَّرَ وَ رَفَعَ یَدَیْهِ وَاِذَا رَکَعَ وَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ وَ لَا یَرْفَعُ بَیْنَ

سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ ایسے ہی جب رکوع کرتے تو

السَّجدَ تَینِ. اٹھاتے اور ایسے ہی رکوع کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان نہیں اٹھاتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۷۲)

(۳) دوسری رکعت کے لیے سجدہ سے اٹھتے ہوئے رفع یدین۔

عَنْ مَّالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ یَعْنِیْ رَفَعَ یَدَیْهِ وَ اِذَا رَکَعَ فَعَلَ مِثْلَ ذَالِکَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ فَعَلَ مِثْلَ ذَالِکَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ فَعَلَ مِثْلَ ذَالِکَ کُلِّهٖ یَعْنِیْ رَفَعَ یَدَیْهِ. (نسائی ج ۱ ص ۱۷۲)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے' تو ایسے ہی کرتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو بھی ایسے ہی کرتے۔ اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو بھی یہی کرتے یعنی ان سب میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

اس کے علاوہ مالک بن الحویرثؓ کی حدیث وَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ. (نسائی ج ۱ ص ۱۶۵)

(۴) بعض روایات میں پہلی ہی رکعت کے سجدہ میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین مذکور ہے۔ دیکھئے مالک بن الحویرثؓ کی روایت۔

وَ اِذَا سَجَدَوَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا فُرُوْعَ اُذُنَیْهِ. (نسائی ج ۱ ص ۱۶۵ و ص ۱۷۲)

اور جب سجدہ کرتے اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھوں کو اپنے کانوں کی لو کے برابر لے آتے۔

(۵) نمبر ۲ حدیث کے تحت دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کی نفی تھی' مگر دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کی احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ مثلاً حدیث ابن عباسؓ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۴) پھر یہ کہ جب ہر سجدہ کے لیے رفع یدین کی روایتیں موجود ہیں تو دوسرے سجدہ کے لیے رفع یدین ظاہر ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان ہو جائے گا۔ اور ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۴' اور نسائی ج ۱ ص ۱۷۲ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں پہلے سجدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بھی دونوں سجدوں کے درمیان ہی ہوگا۔ امام نسائیؒ نے اس کا باب یوں قائم کیا ہے۔ باب رفع الیدین بین السجدتین تلقاء الوجہ (ج ۱ ص ۱۷۲) دونوں سجدوں کے درمیان چہرے کے سامنے رفع یدین کا باب۔

(۶) دوسری رکعت کے لیے رفع یدین - روایت ابوحمید ساعدیؓ -

اِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَیْنِ کَبَّرَ وَ رَفَعَ یَدَیْهِ. (نسائی ج ا ص ۱۷۶)	جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے -

(۷) تیسری رکعت کے لیے رفع یدین - عبداللہ بن عمرؓ کی روایت -

وَ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ یَرْفَعُ یَدَیْهِ. (حوالہ مذکورہ)	جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے

روایت ابوحمید ساعدیؓ -

فَاِذَا قَامَ مِنَ الثِّنْتَیْنِ کَبَّرَ وَ رَفَعَ یَدَیْهِ. (ابن ماجہ، ص ۶۲)	جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے -

(۸) ہر رکوع اور ہر سجدہ کے وقت رفع یدین - روایت ابوہریرہؓ -

حِیْنَ یَرْکَعُ وَ یَسْجُدُ. (ابن ماجہ ۶۲) جب رکوع کرتے اور سجدہ کرتے -

(۹) ہر اونچ نیچ پر رفع یدین یعنی جب جب اللہ اکبر کہا جائے -

عَنْ عُمَیْرِ بْنِ حَبِیْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ مَعَ کُلِّ تَکْبِیْرَةٍ فِی الصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَةِ. (ابن ماجہ ص ۶۲)	عمیر بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے ہر تکبیر کے ساتھ - فرض نماز میں -

یہ ہے احادیث صحیحہ میں رفع یدین کے مقامات کا تذکرہ - یہاں ہم نے بطور مثال صرف چند حدیثیں ذکر کی ہیں ورنہ ہر صورت کے لیے متعدد احادیث صحیحہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے - جو لوگ تکبیر افتتاح کے علاوہ رفع یدین کے قائل ہیں وہ بھی ان سب مقامات پر رفع یدین نہیں کرتے بلکہ صرف تین مقامات پر (۱) رکوع میں جاتے ہوئے (۲) رکوع سے اٹھتے ہوئے (۳) تیسری رکعت کے لیے تشہد سے اٹھتے ہوئے - جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ان کے علاوہ مقامات مثلاً سجدہ میں جاتے ہوئے (۲) دونوں سجدوں کے درمیان (۳) دوسری رکعت کے لیے اٹھتے ہوئے بلکہ ہر تکبیر کے وقت بھی رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے - مگر ان مقامات کے رفع یدین کو وہ بھی ترک کر دیتے ہیں اور نسخ وغیرہ کی تاویل کا سہارا لیتے ہیں -

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نسخ وغیرہ صرف انہیں بقیہ مقامات کے لیے نہیں بلکہ مذکورہ تینوں مقامات میں بھی وارد ہے اور صرف تکبیر تحریمہ والا رفع یدین ہی نسخ سے محفوظ ہے۔ اسی لیے کسی بھی راوی کے نزدیک اس کے ہونے نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

احادیث کریمہ کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداءً رفع یدین نماز میں بہت سے مقامات پر تھا۔ مگر دھیرے دھیرے سب منسوخ ہوتا گیا اور صرف تکبیر تحریمہ والا رفع یدین باقی رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے خادم خصوصی بدری صحابیؓ نماز میں حضورؐ کے قریب صف اول کے لوگوں میں شامل اور سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔ انہوں نے بھی ان مقامات کے رفع یدین کو دیکھا تھا مگر انہوں نے انہیں روایت نہیں کیا۔ روایت کیا تو اسی رفع یدین کو جو نسخ سے محفوظ رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ثابت ہوا۔

عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَحَدَّثَهٗ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ صَلَّيْنَا فِيْ مَسْجِدِ الْحَضْرَ مِيِّيْنَ فَحَدَّثَنِيْ عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِيْنَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ وَ اِذَا رَكَعَ وَ اِذَا سَجَدَ فَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ مَا اَرٰى اَبَاكَ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا ذَالِكَ الْيَوْمَ الْوَاحِدَ فَحَفِظَ ذَالِكَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِنَّمَا رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ وَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ.

(آثار السنن ج ا ص ۱۰۳)

حصین بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم نخعیؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو ان سے عمرو بن مرہؒ نے بیان کیا کہ ہم نے حضر موت کی مسجد میں نماز پڑھی تو مجھ سے علقمہ بن وائلؒ نے اپنے والد حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث بیان کی کہ وائل بن حجرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے رفع یدین کیا تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع اور سجدہ کے وقت ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ علقمہؒ کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ایک دن دیکھا اور رفع یدین یاد کر لیا اور عبداللہ بن مسعودؓ (جو حضورؐ کو وائلؓ سے کہیں زیادہ دیکھنے اور ساتھ رہنے والے ہیں) وہ حضورؐ کا یہ عمل یاد نہ رکھ سکے؟ پھر ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا سن لو! رفع یدین صرف نماز شروع کرتے وقت ہی ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہے۔

رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعْنَا وَ تَرَکَ فَتَرَکْنَا.
(بدائع ج ۱ ص ۲۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی کیا۔ حضورؐ نے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

محدثین کا ترجمۃ الباب:

محدثین کے ترجمۃ الباب سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رفع یدین میں نسخ و ترک کا سلسلہ مستقل چلتا رہا ہے۔ چنانچہ جہاں وہ حضرات رفع یدین کا باب لاتے ہیں تو وہیں ترک رفع یدین کا بھی۔ اور رفع یدین کے باب میں رفع یدین کی حدیثیں اور ترک رفع یدین کے باب میں ترک رفع یدین کی حدیثیں۔

مثال کے طور پر امام نسائی نے باب قائم کیا باب رفع الیدین عند الرفع من الرکوع۔ اس کے بعد باب رفع الیدین حذو فروع الاذنین عند الرفع من الرکوع۔ پھر باب قائم کیا باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع۔ پھر ہر ایک کے ترک کا اکھٹا یہ باب قائم کیا 'الرخصة فی ترک ذالک' (اس کے ترک میں رخصت) (نسائی ج ۱ ص ۱۶۱) باب رفع الیدین للسجود (سجدوں کے لیے رفع یدین کا باب) قائم کیا تو ترک رفع الیدین عند السجود (سجدوں کے وقت رفع یدین کا ترک) بھی (نسائی ج ۱ ص ۱۶۵) اسی طرح باب رفع الیدین عند الرفع من السجدة الاولی (پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا باب) لائے تو اس کے فوراً بعد ترک ذالک بین السجدتین (دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کا ترک) بھی لائے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۷۲)

امام ابوداؤدؒ نے پہلے باب رفع الیدین (رفع یدین کا باب) قائم کیا اس کے بعد باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع (باب اس کا کہ جس نے رکوع کے وقت رفع یدین ذکر نہیں کیا) لائے۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۲۵)

ترمذی شریف کے ہندوستانی نسخوں میں ترک رفع یدین کا باب سہواً کتابت سے رہ گیا ہے۔ ورنہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ اور اسے حدیث حسن قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ وفی الباب عن البراء بن عازب (اس باب میں براء بن عازب سے بھی

حدیث مروی ہے) (ترمذی ج ا ص ۳۵) فی الباب کا لفظ بتاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے پہلے اس حدیث کا توجمۃ الباب (یعنی باب کا عنوان) ضرور تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب حدیث ترک رفع یدین کی ہے تو ترک رفع یدین کا ہی ہوگا۔ چنانچہ ترمذی کے صحیح ترین نسخوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے پہلے یہ باب موجود ہے باب من لم یرفع یدیه الا فی اول مرة (باب اس کا کہ جس نے صرف پہلی مرتبہ ہی رفع یدین کیا)[1]

بہر حال ان اکابر محدثین کے ابواب خود بتاتے ہیں کہ رفع یدین میں ترک و نسخ کا عمل جاری رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں رفع یدین کی حدیث ہے تو وہیں ترک رفع یدین کی بھی۔[2]

نماز میں سکون کا حکم:

یہ بات بھی متفق علیہ اور اجماعی ہے کہ نماز میں ابتداء حرکت اور عدم خشوع تھا، پھر بتدریج سکون و خشوع کی طرف منتقل ہوئی[3] اور درمیان نماز، رفع یدین یقیناً سکون کے منافی ہے جب کہ قرآن میں ان مومنین کی مدح کی گئی ہے جو نماز میں خشوع و سکون اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. (مومنون/۲۰) کامیاب ہوگئے وہ مومنین جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔

خشوع کے معنی سکون اختیار کرنے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درمیان میں نماز میں رفع یدین نہ کرنا حکم قرآنی کے موافق ہے کیونکہ اس سے خشوع و سکون پیدا ہوتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ. (بقرہ/۲۳۸) کھڑے ہو اللہ کے سامنے اطاعت و خاموشی کیساتھ۔

---

[1] ترمذی کے اس نسخے کی مکمل تفصیل کے لیے دیکھئے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" حصہ دوم ص ۱۰۹۔

[2] خیال رہے کہ ترک کی احادیث صرف انہیں مقامات کے رفع یدین کے لیے ہیں جو تکبیر تحریمہ کے علاوہ مقامات میں وارد ہوا ہے۔ ورنہ تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کے ترک کی ایک بھی روایت موجود نہیں۔ چنانچہ یہ رفع یدین ہر قسم کے نسخ و ترک سے محفوظ ہے۔ جب کہ دیگر مقامات کا رفع یدین بالکل محفوظ نہیں۔

[3] دیکھئے ابوداؤد ج اص ۱۴۷۔

رسول اللہ علیہ کے ارشاد سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِىْ اَرَاكُمْ رَافِعِىْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اسْكُنُوْا فِى الصَّلٰوةِ. (مسلم ج اص ۱۸۱)

حضرت جابر بن سمرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو رفع یدین کرتے (ہاتھوں کو اٹھاتے) ہوئے دیکھ رہا ہوں' جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

یہ حدیث ابوداؤد ج اص ۱۴۳' اور نسائی ج اص ۱۷۶ پر بھی موجود ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے دوران رفع یدین نماز میں سکون اختیار کرنے کے منافی ہے اور اسی کے ساتھ حضورؐ کا ارشاد اسکنوا فی الصلوۃ (نماز میں سکون اختیار کرو) نماز کے دوران والے ہر قسم کے رفع یدین کو شامل ہوگا۔ خواہ وہ رکوع سے قبل ہو یا رکوع کے بعد' سجدہ میں جاتے ہوئے یا سجدہ سے اٹھتے ہوئے یا تشہد کے بعد وغیرہ وغیرہ۔ البتہ تکبیر تحریمہ والا رفع یدین اس سے خارج ہوگا' کیونکہ وہ ابتدائے نماز میں ہوتا ہے۔ نہ کہ درمیان نماز[1]

یہ حدیث نبوی نماز کے دوران ہونے والے ہر قسم کے رفع یدین کے نسخ میں صریح ہے۔ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور رفع یدین سے منع کر دینے کی بعد اسکنوا فی الصلوۃ نے ہر قسم کی قیاس آرائیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ مگر کچھ حضرات مسلم شریف کی ہی ایک دوسری روایت لے کر شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ وہ روایت بھی حضرت جابر بن سمرۃؓ ہی سے مروی ہے اور اس میں سلام کے وقت اشارہ کرنے کی ممانعت ہے۔

روایت یہ ہے۔

كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ اِلَى الْجَانِبَيْنِ فَقَالَ

ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہتے وقت دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ بھی کیا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

[1] اس کے علاوہ کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔ ۱۲

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَامَ تُؤْمُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْ نَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اِنَّمَا يَكْفِيْكُمْ اَنْ يَّضَعَ يَدَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى اَخِيْهِ مَنْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَ شِمَالِهٖ. (مسلم ج ا ص ۱۸۱)

فرمایا ہاتھوں سے اشارہ کیوں کرتے ہو جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ اپنا ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کرو۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح اس دوسری حدیث میں سلام کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح پہلی حدیث کا تعلق بھی سلام کے وقت ہی ہاتھ اٹھانے سے ہے۔

لیکن یہ حضرات سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ دونوں حدیثیں بالکل علیحدہ علیحدہ مفہوم میں ہیں اور واقعات بھی دونوں کے الگ الگ ہیں۔ اگر موافقت ہے تو اتنی کہ دونوں میں کانھا اذ ناب خیل شمس (گویا کہ وہ بدکے ہوئے گھوڑے کی دم ہیں) کے الفاظ آ گئے ہیں۔ اور راوی دونوں کے جابر بن سمرۃؓ ہیں۔ ان دو باتوں کے علاوہ مفہوم و معنی اور واقعہ کے اعتبار سے دونوں حدیثوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ غور کیجیے۔

(۱) پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنی اپنی نماز میں مشغول تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں تشریف لائے' اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ یعنی دوسری حدیث میں نماز با جماعت کا تذکرہ ہے جب کہ پہلی حدیث میں نہیں ہے[1]۔

(۲) پہلی حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں مالی اراکم رافعی ایدیکم (کیا بات ہے کہ میں تم کو ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں) جب کہ دوسری میں حضورؐ فرماتے ہیں علام تومون ایدیکم (تم

---

[1] چنانچہ کنا اذا صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ صاف موجود ہے' اس کے علاوہ یہی روایت مسلم شریف کے اسی صفحہ پر اس کے فوراً بعد یوں آئی ہے عن جابر بن سمرۃ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اور اسکنوا فی الصلوۃ والی روایت میں صحابہ کرامؓ نماز میں تھے حضورؐ نماز میں شامل نہ تھے۔ دیکھیے یہ الفاظ عن جابر بن سمرۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اس کے بعد پھر آگے چل کر اسی حدیث میں یوں آتا ہے ثم خرج علینا فرانا حلقا الخ پھر آگے چل کر یوں آیا ہے ثم خرج علینا فقال الا تصفون کما تصف الملائکۃ الخ (مسلم ج ا ص ۱۸۱)

ہاتھوں سے اشارہ کیوں کرتے ہو؟) گویا پہلی حدیث میں رفع ایدی (ہاتھوں کا اٹھانے) کا صاف تذکرہ ہے جب کہ دوسری حدیث میں ''رفع'' کا کوئی لفظ نہیں بلکہ تومون یعنی اشارہ کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کو اٹھانا اور ہاتھوں سے اشارہ کرنا' دونوں دو بات ہے۔

(۳) پہلی حدیث میں ہاتھوں کو اٹھانے سے منع کرنے کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا اسکنوا فی الصلوۃ (نماز میں سکون اختیار کرو) جب کہ دوسری حدیث میں سلام پھیرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا یَکْفِیْکُمْ اَنْ یَّضَعَ یَدَہٗ عَلٰی فَخِذِہٖ ثُمَّ یُسَلِّمُ عَلٰی اَخِیْہِ مَنْ عَلٰی یَمِیْنِہٖ وَ شِمَالِہٖ.	تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ اپنا ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کرو۔

یعنی پہلی حدیث میں سلام کا تذکرہ نہیں اور دوسری حدیث میں سکون اختیار کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔

(۴) دونوں حدیثوں کا سلسلہ سند بھی الگ الگ ہے۔

پہلی حدیث کے راوی دوسری حدیث کے واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے اور دوسری حدیث کے راوی پہلی حدیث کے واقعہ سے خاموش ہیں۔

لہٰذا دونوں حدیثوں میں اتنا زبردست اختلاف ہونے کے باوجود دونوں کو ایک واقعہ قرار دینا دل کی تسلی کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لیے دونوں کو ایک واقعہ ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی رفع یدین کو دیکھ کر حضورؐ کا ارشاد اسکنوا فی الصلوۃ (نماز میں سکون اختیار کرو) ایک ایسا ضابطہ کلیہ ہے جو نماز کے دوران ہونے والے ہر قسم کے رفع یدین کو شامل ہوگا خواہ وہ سلام کے وقت ہو یا رکوع وسجود کے وقت یا اسی طرح کسی اور موقع پر۔ کیونکہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہر صاحب بصیرت فوراً سمجھ لے گا کہ نماز میں رفع یدین' نماز میں سکون اختیار کرنے کے منافی ہے۔

لِاَنَّ الْعِبْرَۃَ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ.	اس لیے کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص کا۔

جب سلام کے وقت جو کہ نماز کے خروج کا وقت ہے۔ رفع یدین' سکون کے منافی ہوا تو

نماز کے دوران رکوع سجدہ وغیرہ میں رفع یدین اور بھی زیادہ سکون کے منافی ہوگا کیونکہ وسط صلوۃ میں سکون کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوگی۔

رفع یدین کی روایتوں کا اضطراب اور ضعف:

دوسری طرف رفع یدین کی روایتوں میں زبردست اضطراب و انتشار ہے۔ صرف دو حدیثوں کا حال ملاحظہ کیجئے جو کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ کی روایتیں۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہیں مرفوع منقول ہے' کہیں موقوف اور اس سے رفع یدین کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں جو آپس میں متعارض و متصادم ہیں۔

(۱) صرف ایک جگہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین۔ المدونہ الکبری ج اص ا٧' البیہقی فی الخلافیات بخاری فی جزء رفع الدین۔

(۲) تکبیر تحریمہ میں اور رکوع کے بعد رفع یدین یعنی دو جگہ۔ دیکھئے مؤطا امام مالک ص ۲۷ وغیرہ۔

(۳) تکبیر تحریمہ میں اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد' یعنی تین جگہ۔ دیکھئے بخاری ج اص ۱۰۲' مسلم ج اص ۱٦۸ وغیرہ۔

(۴) چار جگہ رفع یدین' تحریمہ میں' رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد' اور تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت۔ بخاری ج اص ۱۰۲ وغیرہ۔

(۵) مذکورہ چار جگہوں کے علاوہ سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین۔ دیکھئے طبرانی کی المعجم الاوسط اور امام بخاری کی جزء رفع الیدین۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲ نسائی ج اص ۱۲۷ وغیرہ۔

(٦) ہر تکبیر اور ہر انتقال کے وقت رفع یدین۔ دیکھئے علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی فتح الباری ج اص ۱۸۰' و ابن ماجہ ص ٦۲ وغیرہ۔

یہ تھا متن اور مفہوم و منطوق کا اضطراب اب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں[1] اب

---

[1] اسی اضطراب کی وجہ سے امام مالک نے ان کے مشہور قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کو قابل استدلال نہیں سمجھا۔ اوجز ج اص ۲۰۳۔

دوسری روایت میں مالک بن الحویرثؓ سے مروی ہے اس کا اضطراب ملاحظہ کیجئے۔

(۱) تین جگہ رفع یدین تکبیر تحریمہ میں، رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے۔ بخاری ج ۱ ص ۱۰۲، مسلم ج ۱ ص ۱۶۸۔

(۲) ان تین جگہوں کے علاوہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے کل چار جگہ۔ نسائی ج ۱ ص ۱۶۵ وغیرہ۔

(۳) پانچ جگہ رفع یدین۔ مذکورہ تین جگہوں کے علاوہ سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے۔ نسائی ج ۱ ص ۶۵ وابوداؤد وغیرہ۔

جب کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے رفع یدین ان لوگوں کے نزدیک بھی مشروع نہیں ہے جو رفع یدین کے قائل ہیں۔

یہ ان دونوں حدیثوں کے متن کا اضطراب تھا جو سنداً اصح فی الباب تھیں۔ ان کے علاوہ جو حدیثیں ہیں وہ سنداً بھی ضعیف ہیں۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں عبدالرحمن بن ابی الناد حضرت انسؓ کی روایت میں عبدالوہاب ثقفیؒ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے ایک طریق میں یحییٰ بن ایوب دوسرے طریق میں اسماعیل بن ابی عیاش، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں رشدین بن سعد، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مرفوع روایت میں نضر بن شمیل اور زید بن حباب، حضرت جابرؓ کی روایت میں ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود، حضرت عمر لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں رفدہ بن قدامہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ابن ماجہ والی روایت میں عمر بن رباح، اور ابوداؤد والی روایت میں عبداللہ لہیعہ اور میمون المکی ---- یہ وہ راوی ہیں جن میں سے کسی کو ائمہ جرح و تعدیل نے ناقابل اعتبار، مجہول، کثیر الوہم، کسی کو دجال، کسی کو لایتابع، کسی کو منکر الحدیث اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے بذل ج ۲ ص ۵ و کشف المعضلات ص ۱۸۳ تا ۱۸۵)

ظاہر ہے کہ اس قسم کے راویوں کی روایتیں ضعیف ہی نہیں، ضعیف ترین کہلائیں گی۔ دوسری طرف خود مذکورہ بالا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کئی سے صحیح سند کے ساتھ رفع یدین کے نسخ و ترک کی حدیثیں بھی مروی ہیں اور صرف تکبیر تحریمہ میں ہی رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔ نہ کہ وسط صلوٰۃ میں کسی اور مقام پر۔ (دیکھئے اسی کتاب کا ص ۱۵۷ و ص ۱۵۸)

جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا معاملہ ہے تو وہ نہ سنداً

مضطرب ہے نہ متنا اور نہ ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی روایت موجود ہے[1]

بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسئلہ زیر بحث کے سلسلے میں جس قدر بھی قولی یا فعلی روایتیں ملتی ہیں یا ان کے شاگردوں کے اقوال وافعال ملتے ہیں سبھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترمذی، ابوداؤد ونسائی کی اس حدیث کی تائید وتصدیق کرتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی بھی مقام پر رفع یدین نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

---

[1] (الف) ترمذی میں عبداللہ بن مبارک کا ایک قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے متعلق موجود ہے کہ لم یثبت حدیث ابن مسعود الخ مگر یہ کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے اول اس لیے کہ یہ جرح مبہم ہے۔ دوم یہ کہ خود امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حدیث حسن قرار دیا ہے جو کہ لم یثبت کے خلاف ہے۔ سوم اس لیے کہ نسائی والی ایک روایت خود عبداللہ بن مبارکؒ سے ہی مروی ہے اور وہاں لم یثبت کا لفظ موجود نہیں۔ اس جملہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عدم رفع کی دو روایتیں منقول ہیں ایک رفع فعلی، دوسرے رفع قولی۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے رفع قولی کے متعلق لم یثبت کہا ہے ورنہ رفع فعلی کے راوی تو وہ خود ہی ہیں (نسائی ج ا ص ۱۵۸) تفصیل کے لیے دیکھئے حاشیہ آثار السنن ج ا ص ۱۰۳ و فتح الملہم کلاں ج ۲ ص ۱۲)۔ (ب) اس حدیث میں "لم یعد" کے الفاظ میں وکیع منفرد نہیں۔ عبداللہ بن مبارک وغیرہ اصحاب سفیان ثوریؒ ان کے متابع موجود ہیں۔ دیکھئے فتح الملہم کلاں ج ۲ ص ۱۳۔

مغالطے اور مضحکہ خیز حرکتیں

عبداللہ بن مسعودؓ پر نسیان کا الزام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث، رفع یدین کے قائلین کے لیے زبردست تازیانہ ہے۔ لہٰذا وہ اس حدیث کو رد کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

کوئی صاحب لکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو "حدیث حسن" عادتاً یا تساہلاً کہہ دیا ہے[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ترمذی کی عادت تھی کہ وہ ہر حدیث کو حدث حسن کہہ دیا کرتے تھے۔ اگر یہی بات ہے تو امام ترمذی نے ترمذی شریف میں ہی بعض احادیث کو صحیح، بعض کو ضعیف، بعض کو حسن صحیح وغیرہ کیوں کہا ہے؟ انہیں ہر جگہ عادت کے مطابق ایک ہی بات کہنی چاہیے تھی کہ ھذا حدیث حسن۔

اور اگر تساہلاً کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ترمذیؒ جیسا عظیم محدث، حدیث کے متعلق رائے دینے کے معاملے میں انتہائی غیر ذمہ دار واقع تھا۔ یہ امام ترمذیؒ پر وہ الزام ہے جس کا جواب قائلین رفع کے ذمہ ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ بہانہ تراشا کہ عبداللہ بن مسعودؓ رفع یدین کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بھول گئے تھے، اور یہ بھول ایسی ہے جیسے چار پانچ مسائل میں اور بھی بھول ہوگئی تھی۔

بھول اور نسیان کا یہ بہانہ سب سے پہلے ابوبکر بن اسحٰق نے تراشا جو بیہقی میں نقل ہوا۔ اس کے بعد ابن عبدالہادی نے تنقیح میں نقل کیا۔ پھر یار لوگوں کو مزہ آ گیا۔ اور آنکھیں بند کر کے بلا سوچے سمجھے نقل کرتے چلے گئے[2]

علامہ ابن الترکمانیؒ نے اپنی کتاب الجوھر النقی فی الرد علی البیھقی میں ابوبکر بن اسحٰق کی اس حرکت پر سخت تنقید کی اور تفصیل سے جواب دیا۔ اور علامہ زیلعیؒ نے "نصف الرایہ

---

[1] دیکھیے حدیث نماز ۱۴۹

[2] مثلاً دیکھیے حدیث نماز ۱۵۰ و صلوٰۃ النبی ص ۵۶۔

فی تخریج احادیث الہدایہ'' میں صاحب تنقیح سے نقل کر کے رد کیا۔ اس کے بعد دوسرے حضرات نے بھی۔

بہر حال چونکہ کچھ لوگ آج بھی اسی کی آڑ لیتے ہیں اس لیے مختصر جواب عرض کیا جاتا ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بھول اور نسیان سے کون مبرا ہے؟ اگر عبداللہ بن مسعودؓ چند مسائل میں بھول ہو گئی تو عبداللہ بن عمرؓ سے ان سے بھی کہیں زیادہ مسائل میں بھول ہوئی ہے۔

(دیکھئے جلب المنفعة فی الذب عن الائمة الاربعة نواب صدیق حسن خان[1])

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مسئلے میں بھول جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ہر مسئلہ میں بھول ہو جائے گی لہٰذا جو مسئلہ بھی آپ کے خلاف ہوا سے آپ بھول قرار دے دیں حقیقت یہ ہے کہ رفع یدین کے معاملے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ پر بھول اور نسیان کا الزام انتہائی درجہ کا مضحکہ خیز الزام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات سے واقف کوئی بھی شخص اس الزام کو باور کرنا درکنار' سننا تک گوارہ نہ کرے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خصوصی' سفر' حضر میں ساتھ رہنے والے ہمیشہ حضورؐ کی نماز کو دیکھنے والے' نماز میں صف اول کے لوگوں میں شامل سابقین اولین اور کبار صحابہؓ میں داخل' بدری صحابی' حضورؐ کے بے حد مقرب۔ کیا ایک دوبار کی بات تھی کہ وہ حضورؐ کا طریقہ نماز بھول جائیں گے اور غلط بتا دیں گے؟ نماز دن رات میں پانچ پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور کئی کئی رکعات' اور رفع یدین کے قائلین کے نزدیک رفع یدین' ہر رکعت میں کم از کم دو مرتبہ ضرور ہوتا تھا تو کیا عبداللہ بن مسعودؓ کو ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہنے کے باوجود اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ جب حضورؐ کا نماز کا طریقہ بتایا تو صرف تکبیر تحریمہ کا رفع یدین یاد رکھا' بقیہ کو بھول گئے؟۔

قائلین رفع یدین' دل کی تسلی کے لیے جو چاہیں کہہ لیں' مگر عبداللہ بن مسعودؓ پر حضورؐ کی طریقہ نماز کو بھول جانے کا الزام کس قدر مضحکہ خیز ہے' انہیں اس کا خوب احساس ہے اور وہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بات چلنے والی نہیں کیونکہ رفع یدین کا منسوخ ہونا صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے ہی ثابت نہیں' اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث و آثار سے ثابت ہے جیسا

---

[1] معارف مدنیہ ج ۵ ص ۴۵۔

کہ گزرا۔ اور خلافت راشدہ کے دو علمی مرکزی شہر مدینہ منورہ اور کوفہ، جنہیں یکے بعد دیگرے دارالخلافہ ہونے کا شرف حاصل ہوا[1] وہاں کے باشندگان کا بھی ترک رفع یدین پر عامل ہونا گزر چکا ہے[2] جس میں ہزاروں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ یہ لوگ کس کس پر نسیان کا الزام لگائیں گے۔

رفع یدین کی روایتیں پچاس صحابہؓ سے:

بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ رفع یدین کی رواتیں پچاس صحابہؓ بلکہ اس سے بھی زیادہ سے مروی ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ متنازع فیہ رفع یدین کی روایتیں پچاس صحابہ کرامؓ سے مروی ہونا درکنار، کسی ایک صحابیؓ کی بھی کوئی ایک روایت ایسی موجود نہیں جو ضعف یا اختلاف و معارضہ سے خالی ہو۔

ہاں غیر متنازع فیہ رفع یدین تکبیر تحریمہ والے کے متعلق ضرور معاملہ یہی ہے وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ یہ رفع یدین اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اسی کے متعلق علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

وَ جَمَعَ الْعِرَاقِیُّ عَدَدَ مَنْ رَوٰی رَفْعَ الْیَدَیْنِ فِیْ اِبْتِدَاءِ الصَّلٰوۃِ فَبَلَغُوْا خَمْسِیْنَ صَحَابِیًا مِنْهُمُ الْعَشْرَۃُ الْمَشْهُوْدَۃُ لَهُمْ بِالْجَنَّۃِ.

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۸۴)

علامہ عراقیؒ نے ان حضرات کی تعداد کو شمار کیا ہے جن سے ابتدائے نماز میں رفع یدین کی حدیثیں مروی ہیں۔ پس ان کی تعداد پچاس صحابہ کرامؓ تک پہنچی ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

غور کیجیے! جو بات تھی تکبیر تحریمہ والے رفع یدین کے متعلق، اسے یار لوگوں نے کہاں جوڑ دیا۔

یہی کام حضرت حسن بصریؒ کے اس قول میں بھی ہوا۔

کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ فِی الصَّلٰوۃِ. (جزء رفع الیدین للبخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نماز میں رفع یدین کرتے تھے۔

---

[1] مدینہ منورہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ، کا دارالخلافۃ تھا اور کوفہ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا دارالخلافۃ عہد فاروقی کی فوجی چھاؤنی اور ہزاروں اصحاب کبار کا مسکن و ماوی۔

[2] امام مالک کا ترک رفع یدین کا سب سے مشہور قول اہل مدینہ کی ہی موافقت میں تھا۔

امام بخاریؒ نے اس قول سے بلا استثناء تمام صحابہ کرامؓ (ایک لاکھ چوبیس ہزار سے) رفع یدین کو ثابت کر دیا ہے (نصب الرایہ ج۱ ص۲۱۶) حالانکہ یہ استدلال بھی حد درجہ ضعیف اور کمزور ہے۔ کیونکہ

(۱) اس قول میں تصریح نہیں کہ کون سا رفع یدین اصحاب رسول کیا کرتے تھے؟ تکبیر تحریمہ والا رفع یدین؟ یا متنازع فیہ رفع یدین (رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور تشہد کے بعد والا) لہٰذا بلا تصریح اسے متنازع فیہ رفع یدین سے جوڑنا صحیح نہیں۔

(۲) حسن بصریؒ کا سماع، محدثین کے نزدیک حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے بھی ثابت نہیں اور یہاں امام بخاریؒ نے ان کے قول کو سارے صحابہ کرامؓ کے بارے میں تسلیم کر لیا۔

(۳) اگر چند صحابہؓ سے متنازع فیہ رفع یدین ثابت ہو تو بھی علی الاطلاق حسن بصریؒ کے کہنے کا یہ انداز صحیح نہیں کہ اصحاب رسولؐ رفع یدین کیا کرتے تھے۔ لیکن امام بخاریؒ نے اس کا جو مفہوم بیان کیا ہے۔ اس سے مبالغہ اپنی آخری حدوں پہنچ گیا۔ گویا اب وہ تمام روایتیں غلط قرار پائیں جن میں صحیح سند کے ساتھ اصحاب رسول سے رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔

اور اس قول کی سند کا جو حال ہے وہ ہے ہی۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص۱۳۴)

تا وفات رسولؐ رفع یدین کی موضوع روایت:

قائلین رفع یدین اس روایت کو بھی بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ رفع یدین منسوخ نہیں ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک کرتے رہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ اِذَا رَكَعَ وَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ فِي السُّجُوْدِ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى.
(بیہقی تلخیص الحبیر)

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے، پھر جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے۔ لیکن سجدوں میں نہیں کرتے تھے۔ پس حضورؐ کی نماز برابر اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔

مگر اس حدیث کے متعلق محدث کبیر علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں۔

وَ هُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ بَلْ مَوْضُوْعٌ.

یہ ضعیف حدیث ہے بلکہ موضوع ہے۔

(آثار السنن ج۱ ص۱۰۱)

اور موضوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سلسلہ سند میں کئی ایسے راوی موجود ہیں جنہیں محدثین نے کذاب اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا ہے۔ مثلاً عبدالرحمن بن قریش بن خزیمہ ہروی اور عصمہ بن محمد الانصاری۔ دیکھئے علامہ ذہبیؒ کی میزان وغیرہ[1]

تعجب ہے ان لوگوں پر جو ہر ہر معاملہ میں حدیث صحیح مرفوع متصل کا مطالبہ کرتے ہیں اور عمل بالحدیث الصحیح کے مدعی ہیں مگر اپنے مطلب کی پا کر کیسی کیسی موضوع روایتیں آنکھیں بند کر کے بے دھڑک قبول کر لیتے ہیں۔

چار سو روایتوں کا افسانہ:

صاحب قاموس شیخ مجدالدین فیروز آبادی نے تو حد ہی کر دی 'سفر السعادۃ میں لکھتے ہیں۔

درس سہ موضع برداشتن دست ثابت شدہ۔ و از کثرت رواۃ ایں معنیٰ متواترہ مانند است چہار صد خبر دار اثر دریں باب صحیح شدہ و عشرہ مبشرہ روایت کردہ اند کہ لایزال عمل آنحضرت بریں کیفیت بود تا ازیں جہاں رحلت کرو۔ غیر ایں چیزے ثابت نہ شدہ ص ۱۳' شرح ص ۶۴۔

ان تین جگہوں میں رفع یدین ثابت ہے اور راویوں کی کثرت کی وجہ سے متواتر کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں چار سو صحیح حدیثیں اور آثار آئے ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت کا عمل ہمیشہ اسی کیفیت پر رہا۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

ذرا شیخ فیروز آبادی کی مبالغہ آرائیوں کا جائزہ لیجئے۔

(۱) فرماتے ہیں کہ "ان تین جگہوں میں رفع یدین ثابت ہے۔" حالانکہ پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں جو ضعف یا معارضہ سے خالی ہو۔ یا تو سرے سے صحیح ہی نہ ہوگی اور صحیح ہوگی تو سالم عن المعارضہ نہ ہوگی۔ دو میں سے ایک خراب ضرور ہوگی۔

(۲) رفع یدین میں چار سو صحیح حدیثیں اور آثار آئے ہیں۔ آخر وہ احادیث و آثار کہاں ہیں؟ رفع یدین کا کوئی قائل انہیں نقل کیوں نہیں کرتا۔ خود شیخ فیروز آبادی نے انہیں نقل کیوں نہ کیا۔ اور آج تک انہیں کسی نے نقل نہیں کیا۔ امام بخاریؒ اور امام مسلم کو تو اپنی شرط کے مطابق صرف دو

---

[1] نیز التعلیق علی الآثار ج ۱ ص ۱۰۰۔

حدیثیں مل سکیں اور وہ بھی ایسی مضطرب کہ لائق استدلال ہی نہ رہیں۔ مگر شیخ فیروز آبادی کو چار سو صحیح حدیثیں و آثار مل گئے مگر ایسے کہ وہ انہیں تک محدود رہے۔ کسی کو دکھا نہ سکے۔

(۳) فرماتے ہیں ''اور راویوں کی کثرت کی وجہ سے متواتر کے مشابہ ہے۔'' یعنی چار سو صحیح احادیث و آثار مل جانے کے باوجود شیخ فیروز آبادی کے نزدیک رفع یدین کا مسئلہ متواتر نہ بن سکا۔ متواتر کے مشابہ ہی رہا۔ پتہ نہیں انکے نزدیک متواتر کیلئے کتنے چار سو کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۴) فرماتے ہیں۔ ''عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمیشہ اسی کیفیت پر رہا۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔''

یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ عشرہ مبشرہ سے متنازع فیہ رفع یدین کی ہی کوئی صحیح روایت نہیں تا وفات رفع یدین کی روایت ہونا درکنار۔ ہاں! عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کر کے اس قسم کی ایک روایت ضرور موجود ہے مگر اس کا حال معلوم ہو چکا کہ وہ کیسے کیسے کذاب وضاع راویوں کی وضع کردہ ہے۔

(۵) فرماتے ہیں ''اس کے علاوہ کوئی چیز ثابت نہیں ہے'' گویا ترک رفع یدین کی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اس بات کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے۔ متعدد صحیح احادیث و آثار پچھلے اوراق میں نقل کیے جا چکے ہیں۔

امام محمدؒ کا مسلک:

ایک صاحب ''صلوۃ الرسول'' نامی کتاب میں ص ۲۴۲ پر امام محمدؒ کے متعلق لکھتے ہیں ''رفع الیدین ان کے نزدیک سنت صحیحہ ثابتہ ہے۔ اب تو برادران احناف کو بھی یہ سنت اپنا لینی چاہیے۔'' اسی طرح ایک دوسرے صاحب نے ''حدیث نماز'' ص ۱۴۰ پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بے بنیاد قیاس آرائیاں کی ہیں۔

حالانکہ ''صلوۃ الرسول'' اور ''حدیث نماز'' کے مصنفین کا یہ اتنا کھلا فریب ہے جس کے لیے فریب کا لفظ بھی ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ اور ضرورت تو نہ تھی کہ ہم اس کی تردید کی فکر کریں، لیکن جتنے زور و شور سے ان لوگوں نے فریب دینا چاہا اس کے متعلق مؤطا امام محمدؒ کی ہی یہ عبارت نقل کر دینا چاہتے ہیں۔ اسی سے دونوں ائمہ کبار کے متعلق ان دونوں مصنفین کا فراڈ واضح ہو جائیگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلسُّنَّةُ اَنْ یُّکَبِّرَ الرَّجُلُ امام محمد نے فرمایا سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی نماز

فی صلوٰتہ کُلّما خفض و کُلّما رفع و اذا انحطّ للسّجود کبّرو اذا انحطّ للسّجود الثانی کبّر فامّا رفع الیدین فی الصّلوٰۃ فانّہ یرفع الیدین حذو الاُذنین فی ابتداء الصّلوٰۃ مرّۃً و احدۃً ثُمّ لا یرفع فی شیٍ من الصّلوٰۃ بعد ذالک و ھذا کُلّہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ و فی ذالک اثار کثیرۃ. (موطاامام محمد ص ۹۰)

میں ہر اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہے' جب پہلے سجدہ میں جائے تو اللہ اکبر کہے' جب دوسرے سجدہ میں جائے تو اللہ اکبر کہے اور جہاں تک نماز میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا تعلق ہے تو ابتدائے نماز میں دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے بالمقابل اٹھائے ایک مرتبہ- پھر اس کے بعد نماز کے کسی مقام پر نہ اٹھائے- یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے- اور اس کے متعلق بہت سے آثار موجود ہیں-

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حوالہ:

صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے ص ۲۳۴ پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق غنیۃ الطالبین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ متنازع فیہ رفع الیدین کے قائل تھے-

اولاً تو غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب نہیں' ان کی طرف غلط منسوب ہے- (دیکھئے شرح العقائد نسفی ص ۴۴۵ حاشیہ ص ۳) دوم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بزرگی مسلم' مگر وہ حنفی نہ تھے بلکہ حنبلی المسلک تھے- لہٰذا اس مسئلہ میں ان کا نام پیش کرنا فریب دہی کے سوا کچھ اور نہیں-

درمختار کا حوالہ:

صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے ص ۲۳۳ پر اور حدیث نماز کے مصنف نے ص ۱۴۳ پر درمختار و شامی و ذخیرہ وغیرہ کے حوالوں سے لکھا ہے کہ رفع یدین سے نماز فاسد نہیں ہوتی گویا یہ دونوں مصنفین مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ درمختار اور شامی کی ان عبارتوں سے متنازع فیہ رفع الیدین ثابت ہے---- حالانکہ دونوں دو باتیں ہیں- رفع الیدین سے نماز فاسد نہ ہونا الگ بات ہے اور نماز میں رفع الیدین ثابت ہونا ایک الگ بات' درمختار اور شامی میں اول الذکر بات کہی گئی ہے نہ کہ ثانی الذکر- اور اول الذکر سے ثانی الذکر بات ثابت نہیں ہو سکتی-

جس طرح ہمارے یہاں رفع الیدین کر لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی' اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ رفع الیدین کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک رفع الیدین نہ کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی' اور نہ کوئی خرابی لازم آئے گی۔ سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت امام شافعی کے نزدیک بھی رفع الیدین نہیں لیکن اگر کرلے تو ان کے نزدیک اس سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (الکوکب الدری ج ۱ ص ۱۳۰ وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین کرنے نہ کرنے سے نماز کا فاسد نہ ہونا الگ بات ہے اور نماز میں رفع یدین کا ثابت ہونا ایک الگ بات۔

رکوع و قومہ، سجدہ و جلسہ

رکوع:

قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہوں۔ ہاتھ کی انگلیاں کشادہ ہوں، سر اور پیٹھ اور سرین برابر ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ سر جھکا ہوا ہو اور پیٹھ اٹھی ہوئی ہو۔ پیر کی پنڈلیاں سیدھی ہوں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَ السُّجُوْدَ متفق علیه. رکوع اور سجدہ مکمل کرو۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۸۲)

حضرت انسؓ سے ہی حضورؐ نے فرمایا تھا۔

اِذَا رَکَعْتَ فَضَعْ یَدَیْکَ عَلٰی رُکْبَتِکَ وَ فَرِّجْ بَیْنَ اَصَابِعِکَ. (المعجم الاوسط للطبرانی)

جب رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھو اور انگلیاں کشادہ رکھو۔

ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت میں ہے۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَکَعَ لَوْصُبَّ عَلٰی ظَهْرِهٖ مَاءَ لَا سْتَقَرَّ. (حوالہ مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو پشت اتنی برابر ہوتی کہ اگر پانی بہایا جاتا تو بھی ٹھہر جاتا۔

رکوع میں کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم پڑھا جائے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا رَکَعَ اَحَدُکُمْ فَقَالَ فِیْ رُکُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُکُوْعُهٗ وَ ذَالِکَ اَدْنَاهُ.

جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تین مرتبہ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ (ترمذی ج ا ص ۳۵، ابوداؤد ج ا ص ۱۲۵، ابن ماجہ ص ۶۴)

قومہ:

رکوع مکمل کرنے کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اگر امام ہو تو صرف اتنا ہی کہے اور مقتدی کہیں ربنا لک الحمد، اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں کہے۔ یہی قومہ ہے، قومہ میں

دونوں ہاتھ کھلے ہوئے نیچے لٹکے ہوئے ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَ هُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. (بخاری ج ا ص ۱۰۹، مسلم ج ا ص ۱۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے پھر رکوع میں جاتے وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے، پھر رکوع سے اٹھتے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے پھر کھڑے ہو جانے پر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. (مسلم ج ا ص ۱۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام کہے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ تو تم کہو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ [1]

حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ.

جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو کہو رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ. (بخاری ج ا ص ۱۱۱، مسلم ج ا ص ۱۷۶)

سجدہ:

اب اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتا ہوا، دونوں ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھے ہوئے سجدہ میں جائے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھے، پھر ہاتھوں کو پھر ناک اور پیشانی کو منہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو اور انگلیاں ملی ہوئی قبلہ رو ہوں۔ دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے ہوں اور پیر کی انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہو۔ پیٹ زانو سے الگ اور بازو بغل سے جدا ہوں۔ پیٹ زمین سے اس قدر اونچا ہو کہ بکری یا بھیڑ کا بہت چھوٹا سا بچہ درمیان سے نکل سکے سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى

---

[1] بعض احادیث میں اللّٰھم کا لفظ بھی آیا ہے، بعض میں نہیں۔ اسی طرح بعض روایات میں رَبَّنا کے بعد واو بھی ہے، بعض میں نہیں۔

پڑھے۔ دو سجدے کرتے ہیں دونوں کا طریقہ یہی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَ الْيَدَيْنِ الرُّكْبَتَيْنِ وَ اَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَ لَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَ الشَّعْرَ. (بخاری ج ا ص ۱۱۲، مسلم ج ا ص ۱۹۳)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے کناروں پر اور نہ سمیٹیں ہم کپڑوں اور بالوں کو۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِعْتَدِ لُوْافِى السُّجُوْدِ وَ لَا يَبْسُطُ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ. (بخاری ج ا ص ۱۱۳، مسلم ج ا ص ۱۹۳)

سجدوں میں برابر رہو۔ اور تم میں کا کوئی اپنے دونوں بازوؤں کو کتے کی طرح پھیلا نہ دے۔

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَ ارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ. (مسلم ج ا ص ۱۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اوپر اٹھاؤ۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ اَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ. (مسلم ج ا ص ۱۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو بھیڑ کا چھوٹا بچہ اگر درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

عبداللہ بن مالک بن بحینہؓ کی روایت میں ہے۔

كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ. (بخاری ج ا ص ۱۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رکھتے یہاں تک کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَوَ ضَعَ رُکْبَتَیْہِ قَبْلَ یَدَیْہِ وَ اِذَا نَعَضَ رَفَعَ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ. (ترمذی ج۱ص ۳۶)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں سے پہلے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔

ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھے دونوں ہاتھوں کو پہلو سے جدا رکھے اور ہتھیلیوں کو کندھے کے بالمقابل رکھے۔ (ترمذی ج۱ص ۳۶)

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَ اِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِیْ سُجُوْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدِہٖ وَ ذَالِکَ اَدْنَاہُ.

جب سجدہ کرے تو کہے سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ اب سجدہ مکمل ہوگیا اور یہ ادانی مقدار ہے۔

(ترمذی ج۱ص ۳۵ ابوداود ج۱ص ۱۴۵ ابن ماجہ ص ۶۴)

نوٹ:- عورتوں کے سجدہ کرنے اور بیٹھنے کا طریقہ اس سے کچھ مختلف ہے، مفصل بحث اسی کتاب کے ص ۲۱۳ پر آ رہی ہے۔ وہیں اس کی احادیث نقل کی جائیں گی۔

جلسہ:

یہ ایک سجدہ ہوگیا۔ اب اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ سے سر اٹھائے، پہلے پیشانی پھر ناک، پھر دونوں ہاتھ اور اطمینان کے ساتھ اس طرح بیٹھے کہ دایاں پیر اسی طرح کھڑا رہے اور بائیں پیر کو زمین پر بچھا کر اسی پر بیٹھ جائے، دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھ لے، انگلیاں کھلی ہوئی ہوں رخ قبلہ کی طرف ہو۔ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب ہوں۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَفْرِشُ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَ یَنْصِبُ رِجْلَہُ الْیُمْنٰی وَ کَانَ یَنْھٰی عَنْ عَقَبَۃِ الشَّیْطَانِ. (مسلم ج۱ص ۱۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔ اور شیطان کی بیٹھک بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔

ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے۔

ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ وَ یُثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی

اپنے سر کو اٹھائے اور بائیں پیر کو موڑ کر اسی پر

وَ يَقْعُدُ عَلَيْهَا وَ يَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ اِذَا سَجَدَ ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۵۴ آثار السنن ج ا ص ۱۱۹)

بیٹھ جائے' اور سجدہ میں پیر کی انگلیوں کو کھلا رکھے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدہ میں جائے۔

اب دوسرا سجدہ کرے' دوسرا سجدہ بھی پہلے سجدہ کی طرح کرے۔ دوسرا سجدہ مکمل ہوتے ہی ایک رکعت ہوگئی۔ اب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا ہے۔ لہٰذا بغیر بیٹھے سیدھا دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔

جلسۂ استراحت نہیں:

دوسرے سجدہ کے بعد جلسۂ استراحت نہ کرے' یعنی ایسا نہ ہو کہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جائے' پھر اٹھے بلکہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہیں سیدھا کھڑا ہو جائے' اسی طرح تیسری پوری ہونے پر چوتھی کے لیے سیدھا کھڑا ہو جائے' جلسۂ استراحت نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ آپ سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ. (ترمذی ج ا ص ۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔

حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُوْنَ اَنْ يَنْهَضَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ. (حوالہ مذکورہ)

اہل علم کے نزدیک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر ہی عمل ہے' وہ یہی پسند کرتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا اپنے قدموں کے کناروں پر (پنجوں کے بل) کھڑا ہو جائے۔

ابو حمید ساعدیؓ کی روایت میں بھی جلسۂ استراحت کا تذکرہ نہیں بلکہ اس میں حضورؐ کے دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کو یوں بتایا گیا۔

فَقَامَ وَ لَمْ يَتَوَرَّكْ.

پس کھڑے ہو گئے اور بیٹھ کر سرین پر سہارا نہیں لیا۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۵۴ طحاوی ج ا ص ۱۲۷)

ابو مالک اشعریؓ نے ایک مرتبہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو حضورؐ کی نماز پڑھ کر دکھائی اس میں بھی جلسۂ استراحت نہیں بلکہ یوں ہے۔

ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَانْتَهَضَ قَائِمًا. (مسند احمد ج۵ ص۳۴۳، مجمع الزوائد ج۱ ص۱۹۴)

پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ کیا پھر اللہ اکبر کہا اور کھڑے ہو گئے۔

اسی طرح تمام اکابر صحابہ جو سفر و حضر میں زیادہ تر حضور ﷺ کے ساتھ رہا کرتے، جلسۂ استراحت کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا طریقہ تھا کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَ لَمْ يَجْلِسْ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۹۴)

عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے تھے، اور بیٹھتے نہیں تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کے اسی صفحہ پر حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابن ابی لیلی سے بھی اسی قسم کی احادیث و آثار موجود ہیں۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں۔

كَانَ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ وَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُوْنَ فِيْ صَلٰوتِهِمْ عَلٰى صُدُوْرِ اَقْدَامِهِمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۹۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اصحابؓ رسول اللہ اپنی نمازوں میں اپنے قدموں کے کناروں سے کھڑے ہو جاتے تھے۔

لقمان بن ابی عیاشؒ سے مروی ہے۔

قَالَ اَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا رَفَعَ اَحَدُهُمْ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَ الثَّالِثَةِ نَهَضَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۹۵)

میں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا ہے۔ اور ان کا طریقہ یہ تھا جب وہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ اور تیری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور بیٹھتے نہ تھے۔

علامہ حافظ ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔

ثُمَّ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَ رُكْبَتَيْهِ مُتَعَمِّدًا عَلٰى فَخِذَيْهِ كَمَا ذَكَرَ عَنْهُ وَائِلٌ وَ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَ لَا يَعْتَمِدُ عَلَى الْاَرْضِ بِيَدَيْهِ.

(ج ا ص ٦١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں اور گھٹنوں کے کناروں سے کھڑے ہو جاتے تھے اپنی ران پر سہارا لیتے ہوئے جیسا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر نہیں ٹیکتے تھے۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

وَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى اَنَّ اَبَا اُمَامَةَ سُئِلَ عَنِ النُّهُوْضِ فَقَالَ عَلٰى صُدُوْرِ الْقَدَمَيْنِ عَلٰى حَدِيْثِ رِفَاعَةَ وَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عَجْلَانَ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ كَانَ يَنْهَضُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَ قَدْرُوِيَ عِدَّةٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سَائِرِ مَنْ وَّصَفَ صَلٰوتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرْ هٰذِهِ الْجَلْسَةَ وَ اِنَّمَا ذُكِرَتْ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ حُمَيْدٍ وَ مَالِكِ الْحُوَيْرِثِ لَوْ كَانَ هَدْيُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِعْلَهَا دَائِمًا لَذَكَرَهَا كُلُّ وَاصِفٍ لِصَلٰوتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُجَرَّدُ فِعْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یوسف بن موسیٰؒ نے خبر دی ہے کہ حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے (سجدوں کے بعد) اٹھنے کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے فرمایا دونوں قدموں کے کناروں سے کھڑا ہو جائے حدیث رفاعہؓ کے مطابق اور ابن عجلانؓ کی حدیث میں ہے کہ ابو امامہ اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور یہ بات بہت سے صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے۔ اور وہ تمام صحابہ جنہوں نے حضورؐ کے نماز کا طریقہ بیان کیا ہے ان سب نے اس جلسہ استراحت کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کا تذکرہ صرف ابو حمید ساعدیؓ اور مالک بن الحویرثؓ کی حدیث میں ہے۔ لیکن اگر حضورؐ کی یہ مستقل عادت ہوتی تو وہ تمام صحابہ اسے ضرور نقل کرتے جنہوں نے حضورؐ کی نماز کا طریقہ نقل کیا ہے۔ اور محض (کسی وقت) حضورؐ کا کر دینا اس بات پر دلالت نہیں کرتا

لَهَا لَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا اِذَا عَلِمَ اَنَّهٗ فَعَلَهَا سُنَّةً يُقْتَدٰى بِهٖ فِيْهَا وَ اَمَّا اِذَا قَدَّرَ اَنَّهٗ فَعَلَهَا لِلْحَاجَةِ لَمْ يَدُلَّ عَلٰى كَوْنِهَا سُنَّةً مِنْ سُنَنِ الصَّلٰوةِ.

کہ یہ نماز کی سنت میں سے ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ حضور نے اس سنت کے خیال سے کیا تھا اور اس ارادہ سے کہ اس طریقہ کی اقتداء کی جائے لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ حضورؐ نے اسے ضرورۃً کیا تھا تو وہ کسی طور پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نماز کی سنت میں سے ہے۔ (زاد المعاد ج اص ۶۱)

البتہ اگر کوئی شخص بڑھاپے یا کسی اور مجبوری کے تحت فوراً کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو جیسا کہ مالک بن الحویرثؓ اور ابو حمید ساعدیؓ کی روایات اسی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا کہ بیٹھنا سنت ہے اور ضرور بیٹھنا چاہیے یہ غلط ہے۔ یہ سنت نہیں۔ البتہ معذور حضرات کے لیے اس کی گنجائش ضرور ہے۔ جلسۂ استراحت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے آرام حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اور نماز اس لیے نہیں کہ آرام کرتے ہوئے پڑھی جائے۔ ہاں معذور و مجبور حضرات کی بات دوسری ہے۔

ایک رکعت مکمل:

یہ ایک رکعت مکمل ہو گئی۔ بقیہ رکعتیں بھی اسی طرح ادا کرنا ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھنی ہے اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ نہیں ملانی ہے اور سنن و نوافل میں ملانی ہے۔ ہر دو رکعت پر قعدہ ہو گا۔ اگر دو ہی رکعت والی نماز ہو تو یہی قعدۂ اخیرہ ہو گا۔ اور قعدۂ اخیرہ مکمل ہونے کے بعد سلام پھیر دیا جائے گا اور نماز ختم ہو جائے گی۔

قعدہ اولیٰ وقعدہ اخیرہ

قعدہ اولیٰ:

قعدہ اولیٰ وقعدہ اخیرہ دونوں میں بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہے اور وہ وہی جو کہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا بتایا گیا تھا۔ یعنی دایاں پیر کھڑا رہے اور بائیں پیر کو زمین پر بچھا جائے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے التحیات پر بیٹھنے کا ایک عام طریقہ بیان کر رہی ہیں۔ خواہ وہ التحیات قعدہ اولیٰ میں ہو یا قعدہ اخیرہ میں حدیث یہ ہے۔

وَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَ كَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ يَنْصَبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَ كَانَ يَنْهٰى عَنْ عَقَبَةِ الشَّيْطَانِ وَ يَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَ كَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ. (مسلم ج ا ص ۱۹۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت میں التحیات...... الخ پڑھتے تھے اور اپنے بائیں پیر کو بچھا دیتے اور دائیں کو کھڑا رکھتے اور شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے۔ اور اس بات سے منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور نماز کو سلام سے ختم کرتے تھے۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَشَهَّدَ فَرَشَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْاَرْضِ وَ جَلَسَ عَلَيْهَا رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ. (آثار السنن ج ا ص ۲۳)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ تشہد میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو زمین پر بچھا دیا اور اسی پر بیٹھ گئے۔ روایت کیا اس حدیث کو سعید بن منصور اور طحاوی نے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اس مضمون کی ایک حدیث وائل بن حجرؓ سے ترمذی ج ا ص ۳۸ پر بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ الْقَدَمَ الْيُمْنٰى وَ اسْتِقْبَالُهُ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَ

نماز کی سنت میں سے ہے کہ دایاں قدم کھڑا رکھا جائے۔ اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ

اَلْجُلُوْسُ عَلَی الْیُسْرٰی. (نسائی ج ۱ ص ۱۷۳) ہوں- اور بائیں پیر پر بیٹھا جائے-

ان احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تشہد پڑھنے کا جو وقت بھی ہو خواہ درمیان نماز (قعدہٗ اولیٰ) یا آخر نماز (قعدہٗ اخیرہ) بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہوگا- نہ یہ کہ درمیان نماز الگ طریقہ سے بیٹھیں اور آخر نماز الگ طریقہ سے[1]

تشہد:

تشہد کے معنی ہیں گواہ ہونا چونکہ التحیات...... الخ کے آخر میں کلمۂ شہادتین بھی ہے اس لیے اسے تشہد کہتے ہیں- ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا ہے قعدۂ اولیٰ ہو یا قعدۂ اخیرہ-

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا-

فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُ کُمْ فَلْیَقُلِ التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ ....الخ — جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے التحیات للہ.....الخ-

اس کے بعد حضورؐ نے پورا تشہد اس طرح سکھایا-

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلٰوتُ وَ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. (بخاری ج ۱ ص ۱۱۵، مسلم ج ۱ ص ۱۷۳)

ساری حمد وثناء اور نمازیں اور تمام پاکیزہ چیزیں اللہ کے لیے ہیں- اے نبیؐ! آپؐ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ کے بندے اور اس کے رسول ہیں.

تشہد آہستہ پڑھا جائے گا- (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۸، ترمذی ج ۱ ص ۳۸)

تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ:

لا الہ پڑھتے وقت انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر اور چھوٹی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی

---

[1] جن احادیث میں بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنے کا تذکرہ ہے وہ بڑھاپے یا کسی دوسرے عذر کی صورت میں ہے- لیکن عام حالات میں دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا وہی طریقہ ہے جو احادیث بالا کے حوالہ سے لکھا گیا ہے-

کو بند کر کے کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے اور الا اللہ پڑھتے وقت کلمہ کی انگلی جھکا دے پھر جتنی دیر بیٹھے اسی حالت میں رہے۔

عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حَلَّقَ الْاِبْهَامَ وَ الْوُسْطٰی وَ رَفَعَ الَّتِیْ تَلِیْهَا یَدْعُوْ بِهَا فِی التَّشَهُّدِ. (ابن ماجہ ص ٦٦)

وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنایا اور اس انگلی کو اٹھایا جو ان دونوں سے ملی ہوئی تھی (یعنی انگشت شہادت) اشارہ کرتے تھے اس سے تشہد میں۔

مالک بن نمیر خزاعیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِهِ الْیُمْنٰی فِی الصَّلٰوةِ یُشِیْرُ بِاِصْبَعِهٖ. (ابن ماجہ ص ٦٦' نسائی ج ا ص ١٨٧' ابوداؤد ج ا ص ١٥٨)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے ہیں اور اس کی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔

تشہد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبانی اقرار ہے اور انگشت شہادت سے اشارہ عملی اقرار۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

هِیَ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنَ الْحَدِیْدِ یَعْنِی السَّبَّابَةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

یہ (انگشت شہادت سے اشارہ) شیطان پر تیز تلوار سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ٨٥)

قعدہ اولیٰ میں تشہد سے زائد نہیں:

قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے۔ اور جو نماز ہو اسی کے اعتبار سے تیسری و چوتھی رکعت پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں۔

عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِیْ وَسَطِ الصَّلٰوةِ وَ اٰخِرِهَا فَاِذَا کَانَ وَسَطِ الصَّلٰوةِ نَهَضَ اِذَا فَرَغَ مِنَ التَّشَهُّدِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا نماز کے بیچ میں اور نماز کے آخر میں پس جب نماز کے بیچ میں ہوتے تو تشہد کے بعد کھڑے ہو جاتے اور جب نماز کے آخر میں ہوتے تو

وَ اِذَا کَانَ اٰخِرَ الصَّلٰوۃِ دَعَا لِنَفْسِہٖ بِمَاشَاءَ۔ اپنے لیے جو چاہتے دعا کرتے۔

(مسند احمد ج ا ص ۴۵۹)

قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ:

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد یہ درود شریف پڑھا جائے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھایا تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۴۰، مشکوۃ ج ا ص ۸۶)

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسا کہ تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔

دورد شریف پڑھنے کے بعد وہ دعا پڑھی جائے جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر ہمیں بتائی ہے۔

دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(بخاری ج ا ص ۱۱۵)

اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں پس تو ہی میری مغفرت فرما ایسی مغفرت جو محض تیرے فضل سے ہو۔ اور مجھ پر رحم کر بے شک تو بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یہ دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ پہلے دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم و رحمۃ اللہ پھر بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم و رحمۃ اللہ دونوں طرف سلام پھیرتے

ہی نماز ختم۔

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَ عَنْ یَّسَارِهٖ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّهٖ۔

(مسلم ج ا ص ۲۱۶)

عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہاں تک کہ (رخ موڑنے کی وجہ سے) حضورؐ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لیتا۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَ عَنْ یَّسَارِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰی رُئِیَ بَیَاضُ خَدِّهٖ۔

(ترمذی ج ا ص ۳۹، نسائی ج ا ص ۱۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں یوں سلام پھیرتے اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

سلام پھیرنے کے بعد

ذکرواذکار:

سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر مختلف قسم کے ذکرو اذکار ثابت ہیں۔ حسب موقع جس کا جو جی چاہے پڑھے۔ حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاانْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ. (مسلم ج۱ص ۲۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفار (استغفر اللہ) پڑھتے اور یہ دعاء پڑھتے اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الا کرام۔

بعض موقعوں پر حضور ﷺ نے صرف اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ ....الخ ہی پڑھا۔ (حوالہ مذکورہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں جو تو عطاء کرے۔ اور کوئی عطاء کرنے والا نہیں جو تو روک دے۔ اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے فائدہ نہ دے گی۔

(بخاری ج۱ص ۱۱۷، مسلم ج۱ص ۲۱۸)

حضرت سعدؓ اپنے بیٹوں کو درج ذیل کلمات یاد کراتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَ

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی

اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

اور پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور پناہ مانگتا ہوں رذیل عمر سے اور پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنے اور قبر کے عذاب سے۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۴۲، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اس کے جنت میں جانے کے لیے صرف موت رکاوٹ ہے، دوسری کوئی رکاوٹ نہیں۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۹)

حضرت کعب بن عجرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہے وہ کبھی بھی (اللہ کے یہاں) ناکام و نامراد نہ ہوگا۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۱۹) اس کو تسبیح فاطمہ بھی کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو یہ کلمات تلقین فرمائے تھے۔

جن نمازوں کے بعد سنن ہے مثلاً ظہر، مغرب، عشاء ان میں ان کلمات کو سنت سے فراغت کے بعد کہے، تاکہ سنت میں تاخیر نہ ہو، کیونکہ ان کلمات کو پڑھنا مستحب ہے اور مستحب پر عمل کرنے کے لیے کسی سنت کو مؤخر کرنا درست نہیں۔ البتہ جن نمازوں کے بعد سنت نہیں جیسے فجر اور عصر، ان میں فرض سے فراغت کے بعد ہی پڑھے۔

دعاء مانگنا:

نماز کے بعد دعا مانگنے سے دعاء قبول ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جُوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسولؐ! کون سی دعا سب سے زیادہ سنی اور قبول کی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا رات کے آخر میں اور فرض نماز کے بعد۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۸۸)

نماز افضل عبادت ہے اور دعاء عبادت کا مغز ہے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعاء عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۷۳)

لہٰذا عبادت کرنا لیکن عبادت کے مغز کو نہ حاصل کرنا کتنی ناسمجھی کی بات ہے‘ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ نماز کے بعد دعاء ضرور مانگے‘ تاکہ عبادت اور عبادت کا مغز دونوں حاصل کرے۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا:

دعاء مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے‘ پھر دعاء کے بعد دونوں کو چہرے پر پھیرلے۔ حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَّسْتَحْيِىْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا. (ابوداؤد ج ا ص ۲۲۵)

تمہارا پروردگار حیادار کریم ہے‘ اسے شرم آتی ہے کہ اس کا بندہ جب اس کی جانب اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹا دے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِى الدُّعَاءِ لَمْ يَحُطُّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تو انہیں گرانے سے پہلے اپنے چہرے پر پھیر لیتے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۷۴)

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِى الدُّعَاءِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ.

(مشکوٰۃ ج ا ص ۱۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

سائب بن یزیدؓ کی روایت میں ہے۔

اِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دُعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِيَدَيْهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ. (حوالہ مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور انہیں چہرے پر پھیر لیتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ۔

اَلْمَسْئَلَةُ اَنْ تَرْفَعُ يَدَيْكَ حَذْوَ

دعاء مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں

مَنْكِبَيْهِ اَوْ نَحْوِهِمَا.

ہاتھوں کو کندھوں کے بالمقابل یا اس کے آس پاس تک اٹھاؤ۔ (ابوداؤد ج۱ص ۲۲۵)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کی احادیث:

اب چند حدیثیں خاص فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کے متعلق بھی ملاحظہ کیجیے۔

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ تَخَشُّعٌ وَ تَضَرُّعٌ وَ تَمَسْكُنٌ وَ تَقْنَعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَ جْهَكَ وَ تَقُوْلُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَ مَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَهُوَ كَذَاوَ كَذَا قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَ قَالَ غَيْرَ ابْنِ الْمُبَارَكِ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ مَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَهُوَ خِدَاجٌ. (ترمذی ج۱ص۵۰، صحیح ابن خزیمہ ج۲ ص۲۲۰، ابن ماجہ ص۹۵)

فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز' دو' دو رکعت ہے تشہد پڑھنا ہے ہر دو رکعت میں اور عاجزی وانکساری کرنا ہے اور مسکینی ظاہر کرنا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے پروردگار کی جانب اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں تمہارے چہرے کی طرف ہوں (اور دعاء مانگو) اور کہو اے رب! اے رب! اور جس نے ایسا نہیں کیا اس کی نماز ایسی ہے اور ایسی ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ایسا نہیں کیا اس کی نماز ناقص و نامکمل ہے۔

اسود بن عامرؓ کی روایت میں ہے۔

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ انْحَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَ دَعَا. (اعلاء السنن ج۳ص۲۰۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج۲ص۲۰۲)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو رخ موڑا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعاء کی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے

رَفَعَ يَدَيْهِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَ هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ خَلِّصِ الْوَلِيْدَ بْنِ الْوَلِيْدِ اخرجه ابن ابی حاتم۔

بعد اپنے ہاتھ اٹھائے اس حال میں کہ رخ قبلہ کی طرف تھا' پس فرمایا اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)

اس کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایت فی عمل الیوم واللیلہ میں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت المعجم الکبیر للطبرانی میں اور حضرت حبیب بن سلمہ الفہری کی روایت کنز العمال ج ۱ ص ۷۷ا میں۔ ان سب احادیث سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی وانفرادی ہر طرح ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۱۱ و معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)

امام کا منہ پھیر کر بیٹھنا:

سلام پھیرنے کے بعد امام کے لیے جائز ہے کہ وہ دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جائے' خاص طور سے جن نمازوں کے بعد ذکر طویل ہو مثلاً فجر اور عصر کہ ان کے بعد عام طور پر تسبیح فاطمہ پڑھی جاتی ہے۔ امام کو رخ ضرور بدل لینا چاہیے' تاکہ بعد میں آنے والے کو جماعت کے ہو چکنے یا نہ ہو چکنے کے متعلق کوئی مغالطہ یا اشتباہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس طرح رخ پھیر کر بیٹھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کبھی حضورؐ رخ دائیں طرف کرتے کبھی بائیں' کبھی مقتدیوں کی جانب۔

سمرہ بن جندبؓ کی روایت میں ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ. (بخاری ج ۱ ص ۱۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکتے تو اپنا رخ ہماری طرف پھیر کر بیٹھ جاتے۔

براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ کے پیچھے دائیں جانب کھڑا ہونا پسند کرتے تھے کیونکہ حضورؐ سلام پھیرنے کے بعد دائیں جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۶)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلٰوتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ

تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے اور یہ سمجھے کہ بس دائیں طرف ہی رخ پھیر کر بیٹھنا ہے۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف رخ موڑ کر بیٹھتے بہت

يَسَارِهٖ. (بخاری ج ۱ ص ۱۱۸) دیکھا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے کہ بائیں جانب ہی حضورؐ کے حجرہ اقدس کا دروازہ پڑتا تھا' لہٰذا اٹھ کر حجرہ میں تشریف لے جاتے (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۸ بحوالہ شرح السنۃ) بہر حال اس سے پتہ چلا کہ رخ پھیرنے کے لیے کسی ایک رخ مثلاً دائیں جانب کو متعین کر لینا درست نہیں' اور ایسا کرنا گویا نماز کے کچھ حصے میں شیطان کو حصہ دار بنانا ہے۔

سنتوں کے لیے جگہ بدلنا:

اگر ایسی نماز ہو کہ فرض کے بعد سنتیں بھی پڑھنا ہوں مثلاً ظہر' مغرب' عشاء تو جگہ بدل کر پڑھنا افضل ہے' تا کہ قیامت کے دن وہ جگہ بھی نمازی کی گواہ بن سکے۔ امام کو بھی جگہ بدل دینی چاہیے اور مقتدیوں کو بھی۔ بشرطیکہ جگہ بدلنے کی گنجائش ہو اس کے ساتھ ساتھ ایک نماز کے بعد دوسری نماز شروع کرنے کے درمیان فصل بھی ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ادھر ایک نماز سے سلام پھیرا' فوراً دوسری کی نیت باندھ لی۔ فصل کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد استغفار پڑھ لے یا کوئی اور ذکر یا دعاء یا پہلی جگہ سے کچھ آگے پیچھے ہٹ جائے یا کسی سے بات کر لے' یہ ساری صورتیں فصل میں داخل ہیں۔

عَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَّنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَ كَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَ يَسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ

ازرق بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے امام ابورمثہؓ نے ہمیں نماز پڑھائی' انہوں نے کہا میں نے یہ نماز یا اسی طرح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی پہلی صف میں حضورؐ کے دائیں جانب کھڑے تھے۔ ایک آدمی تکبیر اولیٰ سے نماز میں شریک تھا' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی' پھر دائیں اور بائیں سلام پھیرا' یہاں تک کہ ہم نے حضورؐ کے دونوں رخساروں کی سفیدی دیکھ لی' پھر مڑے میرے مڑنے کی طرح پس وہ آدمی جو تکبیر اولیٰ سے نماز میں شامل تھا' دو

يَعْنِي نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِي اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيرَةَ الْاُولٰى مِنَ الصَّلٰوةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهُ ثُمَّ قَالَ اَجْلِسْ فَاِنَّهُ لَنْ يَهْلِكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلٰوتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ بَصَرَهُ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۶۰)

رکعت کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی سے اس کی طرف بڑھے' اس کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑا اور فرمایا بیٹھ جا- اس لیے کہ اہل کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فصل نہیں ہوتا تھا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھائی اور فرمایا اے ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ نے تمہیں صحیح بات تک پہنچایا-

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ (فرض سے فراغت کے بعد) نوافل وغیرہ میں آگے پیچھے' دائیں' بائیں ہٹنے سے بھی عاجز ہو (یعنی اتنا تو ہٹ ہی جانا چاہیے- حوالہ مذکورہ)

امام کے جگہ بدلنے کے متعلق یہ روایت ہے-

عَنِ الْعَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي الْاِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ.

(ابوداؤد ج ا ص ۱۰۷)

عطاء خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ نماز پڑھے امام اس جگہ' جہاں پڑھ چکا ہے یہاں تک کہ جگہ بدل دے-

عورت اور مرد کی نماز کا فرق

عورت اور مرد کی جسمانی ساخت میں جو فرق پایا جاتا ہے' شرعی احکام و مسائل میں جگہ جگہ ان کا پاس و لحاظ کیا گیا ہے۔ طہارت کے مسائل ہوں یا حج و روزہ کے' عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی حکم سے اظہار ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح اسلام کی سب سے مہتم بالشان عبادت نماز میں بھی عورت اور مرد کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے۔ فرق کے اعتبار سے بھی اور طریقہ ادا کے اعتبار سے بھی۔

غور کیجئے! نماز جمعہ و عیدین مرد پر فرض ہیں' عورت پر نہیں (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۲۲' ابن ماجہ ص ۹۴) مرد کے لیے سب سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شامل ہو کر نماز ادا کرے اور احادیث کریمہ میں اس پر بہت زور بھی دیا گیا ہے۔ مگر عورت کا سب سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر وہ بھی کسی گوشے میں نماز ادا کرے۔ اور اسی پر سب سے زیادہ ابھارا بھی گیا ہے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۰۰' مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷' المعجم الکبیر للطبرانی)

گویا بھیڑ بھاڑ کی جگہوں سے عورت کو بچانے کی کوشش کی گئی اور ہر اس چیز سے اسے دور رکھا گیا جس میں اس کی نسوانیت پر کسی قسم کی آنچ آنے کا خطرہ ہو' اس کا عورت پن متاثر ہو۔

اسی طرح پردہ عورت کے لیے ایک لازمی چیز ہے' اور مختلف طریقوں سے عورت کو منع کیا گیا ہے کہ اس کے اعضائے نسوانی نمایاں ہوں۔ بلکہ حکم یہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے اعضاء کو چھپائے اور پردہ و ستر کا لحاظ کرے۔

لہٰذا نماز جیسی اہم عبادت میں بھی بعض مخصوص مواقع پر عورت کا طریقہ نماز مرد سے مختلف ہو گیا۔ وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے پردہ کا لحاظ کیا جائے۔ اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان و اظہار نہ ہو۔ مثلاً عورت ہمیشہ اپنی اوڑھنی و چادر کے اندر سے ہی دونوں ہاتھ صرف کندھے تک اٹھائے جب کہ مرد کے لیے یہ حکم صرف جاڑے کے موسم میں ہاتھوں کے چادر وغیرہ میں لپٹے ہوئے ہونے کی صورت میں تھا۔ (حدیث وائلؓ ابوداؤد ج ا ص ۱۲۱) مردوں کو سجدہ میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے چاہئیں اور عورت کو ملا ہوا۔ اسی طرح مرد کی کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی ہوں اور عورت کی بچھی ہوئی مردوں کو بیٹھنے کی حالت میں بائیں سرین کے بل بیٹھنا

چاہیے اور دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دینے چاہئیں بعض نمازوں میں مرد جہری قرأت کرے گا، مگر عورت کبھی بھی جہری قرأت نہیں کر سکتی کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، جس پر متعدد آیات واحادیث شاہد عدل ہیں۔

اب وہ چند احادیث کریمہ بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں عورت اور مرد کے طریقہ نماز کے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد عورت کی نسوانیت اور اس کے پردہ کو قرار دیا گیا ہے۔

یزید بن حبیبؒ سے مروی ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی امْرَاَ تَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَا سَجَدْ تُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ. فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ لَیْسَتْ فِیْ ذَالِکَ کَالرَّجُلِ۔ (مراسیل ابوداؤد ص ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم اس میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ۔

وَاِذَا سَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَھَا بِفَخِذَیْھَا کَاَسْتَرِ مَا یَکُوْنُ لَھَا. (کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۷ بحوالہ بیہقی وابن عدی)

عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے، اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

غور کیجیے! اس ارشاد نبوی میں عورت کے پردہ کا تذکرہ کتنے صاف طور پر آ گیا، گویا اصل اور بنیادی چیز یہی ہے۔

المغنی میں ہے۔

قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَۃُ فَلْتَحْتَفِزْ وَ لْتَضُمَّ فَخِذَیْھَا. (ج ۱ ص ۵۶۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب عورت نماز پڑھے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے۔

اسی صفحہ پر ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورتوں کو حکم

یَاْمُرُ النِّسَاءِ اَنْ یَتَرَ بَّعْنَ فِی الصَّلٰوۃِ. دیتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھیں۔

اس طرح بیٹھنے کا حکم دینے کی وجہ بھی یہی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ چاہتے تھے کہ عورت زیادہ سے زیادہ پردہ کا لحاظ کر کے نماز پڑھے۔

تمام ائمہ کبار نے عورت اور مرد کی نماز میں اس بنیادی فرق (پردہ) کا اعتبار کیا ہے۔

وَ تَسْدُلُ رِجْلَیْھَا فَتَجْعَلُھُمَا فِیْ جَانِبِ یَمِیْنِھَا ..... قَالَ اَحْمَدُ وَ السَّدْلُ اَعْجَبُ اِلَیَّ.

عورت سدل کرے یعنی دونوں پیروں کو دائیں جانب نکال دے......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک عورت کے لیے سدل زیادہ پسندیدہ ہے۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی ج ۱ ص ۵۶۲)

عورتوں کی نماز کے سلسلے میں مصنف ابن ابی شیبہ سے چند آثار نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ لِلْمَرْاَۃِ ھَیْئَۃً لَیْسَتْ لِلرَّجُلِ.

عورت کی ایک خاص ہیئت ہے جو مرد کی نہیں ہے۔

(ج ۱ ص ۲۳۹)

(۲) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا تکبیر تحریمہ میں ہاتھ یوں اٹھاتیں کہ۔

تَرْفَعُ کَفَّیْھَا حَذْوَ مَنْکِبَیْھَا حِیْنَ تَفْتَحُ الصَّلٰوۃَ. (حوالہ مذکورہ)

اپنی دونوں ہتھیلیوں کو کندھوں کے مقابل اٹھاتیں جب نماز شروع کرتیں۔

(۳) عَنْ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ اِذَا سَجَدَتِ الْمَرْاَۃُ فَلْتَلْزِقْ بَطْنَھَا بِفَخِذَیْھَا وَ لَا تَرْفَعُ عَجِیْزَتَھَا وَ لَا تَجَافِیْ کَمَا یُجَافِی الرَّجُلُ. (حوالہ مذکورہ)

ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے چپکائے اور اپنی سرین کو بلند نہ کرے اور اعضاء کو اس طرح دور نہ رکھے جیسے مرد دور رکھتا ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی روایات موجود ہیں۔

(دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰ و ص ۲۷۱)

قضا نمازوں کی ادائیگی

اگر نماز قضا ہو جائے' جان بوجھ کر' یا بھول کر یا سوئے رہنے کی وجہ سے تو وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہو گئی بلکہ اسے جلد از جلد ادا کرنا اور اپنے سر کا بوجھ اتارنا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا جابجا ارشاد اقیمو الصلوٰۃ (نماز قائم کرو) ان صورتوں کو بھی شامل ہے جب نماز کا وقت آ جائے۔ اور ان صورتوں کو بھی جب نماز کسی وجہ سے قضا ہو جائے۔ نماز بہرحال پڑھنی پڑے گی' خواہ ادا پڑھے یا قضا' اگر ادا نہیں پڑھی ہے تو قضا پڑھے' کیونکہ نہ پڑھنے کی صورت میں بندہ پر اللہ کا ایک قرض باقی رہے گا' اور اللہ کے قرض کو جلد از جلد ادا کر دینے کی فکر کرنی چاہیے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاقْضُوا اللّٰهَ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ. (نسائی ج ۲ ص ۳)

اللہ کا قرض ادا کرو۔ وہ ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ (نسائی ج ۲ ص ۴) اللہ کا قرض زیادہ حق دار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔

قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا. (مسلم ج ۱ ص ۲۴۱' بخاری ج ۱ ص ۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

اِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ غَفَلَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ. (حوالہ مذکورہ)

جب کوئی شخص نماز سے سو جائے یا غافل رہ جائے تو اسے پڑھ لے جب یاد آئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔

اگر کئی وقت کی نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ جیسا کہ غزوہ

خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی تین نمازیں لگاتار قضا ہو گئیں ظہر، عصر، مغرب، پھر جب حضورؐ نے عشاء کے وقت ان کی قضا شروع کی تو بالترتیب پڑھا۔ یعنی پہلے ظہر، پھر عصر پھر مغرب، پھر عشاء۔ ایسا نہیں کیا کہ عشاء کا وقت ہونے کی وجہ سے پہلے عشاء پڑھ لی ہو پھر قضا نمازیں پڑھی ہوں۔ ثابت ہوا کہ اگر قضا نمازیں کم ہوں یعنی پانچ یا پانچ کے اندر ہوں تو ترتیب ادائیگی میں وقتیہ نماز پر قضا نماز کو اولیت حاصل ہو گی۔

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ شَغَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَرْبَعِ صَلٰوتٍ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی ذَهَبَ مِنَ اللَّیْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الْعَصْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الْعِشَاءَ. (ترمذی ج ۱ ص ۲۵، نسائی ج ۱ ص ۱۰۲)

ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ چلا گیا جتنا اللہ نے چاہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی، پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کا باب یوں قائم کیا ہے باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوة بايتهن يبدأ (جس شخص کی کئی نمازیں چھوٹ گئی ہوں وہ کس نماز سے ادائیگی شروع کرے)

نمازوں کی قضاء کا یہ واقعہ بخاری ج ۱ ص ۸۴ اور مسلم ج ۱ ص ۲۲۷ پر بھی موجود ہے مگر اس میں اتنا مفصل نہیں، مختصر ہے، پھر بھی اس میں اتنی بات موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر، غروب آفتاب کے بعد، نماز مغرب سے پہلے ادا کی، اور یہ بھی قضا اور وقتیہ کے درمیان ترتیب پر ہی دلالت کرتا ہے۔ بخاری شریف میں حدیث کا باب یوں ہے قضاء الصلوٰت الاولیٰ (نمازوں کی قضا کا بیان، جو ترتیب میں پہلی ہے وہ قضا میں بھی پہلی ہے)

خلاصہ یہ کہ حضورؐ کے عمل سے قضا نمازوں میں ترتیب ثابت ہے، دوسری طرف خود حضورؐ کا یہ

ارشاد ہے۔

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ. نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۸)

معلوم ہوا کہ حضور کی سنت پر چلتے ہوئے ہمیں بھی قضا نمازیں بالترتیب ادا کرنی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے بھی قضاء اور وقتیہ میں ترتیب اور قضاء کا وقتیہ پر مقدم ہونا ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اس میں فرمایا گیا ہے۔

اَنْ یُّصَلِّیَهَا اِذَا ذَکَرَهَا (مسلم ج ۱ ص ۲۴۱) پڑھ لے جب اسے یاد کرے۔

گویا قضاء نماز جس وقت بھی یاد آئے اسے پڑھنا ہے[۱] اور یہ یاد آنا وقتیہ نماز کے وقت بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا پہلے اسی کو پڑھنا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر وقتیہ کو پڑھنا ہے اور وقتیہ پڑھنے کے دوران یاد آئے تو وقتیہ مکمل کر کے قضا والی نماز پڑھے اور وقتیہ کا اعادہ کرے' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ثابت ہے۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ نَسِیَ صَلٰوةً مِنْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ یَذْکُرْهَا اِلَّا وَ هُوَ مَعَ الْاِمَامِ فَاِذَا سَلَّمَ الْاِمَامُ فَلْیُصَلِّ صَلٰوتَهُ الَّتِیْ نَسِیَ ثُمَّ لِیُصَلِّ بَعْدَهَا الصَّلٰوةَ الْاُخْرٰی. (مؤطا امام محمد ص ۱۳۵)

نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جو اپنی نمازوں میں سے کوئی نماز بھول جائے اور اسے اس وقت یاد کرے جب امام کے ساتھ نماز میں ہو پس جب امام سلام پھیرے تو یہ شخص اپنی بھولی ہوئی نماز پڑھ لے پھر اس کے بعد دوسری نماز (امام والی) پڑھے۔

دارقطنی اور بیہقی میں بھی یہ روایت موجود ہے' بعض نے اسے مرفوعاً نقل کیا ہے بعض نے موقوفاً۔ دارقطنی وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ لِیُصَلِّ الَّتِیْ ذَکَرَهَا ثُمَّ لِیُعِدِ الَّتِیْ صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ. پھر پڑھے اس نماز کو جسے یاد کیا ہے۔ پھر وہ نماز دہرائے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

طحاوی جلد دوم ص ۲۲۵ پر بھی اسی مضمون کی روایت موجود ہیں۔

---

[۱] بشرطیکہ وہ وقت اوقات ممنوعہ میں سے نہ ہو۔

نماز وتر

وتر تین رکعات:

وتر کے معنی طاق کے ہیں وتر چونکہ تین رکعات ہوتی ہے اور تین رکعات ظاہر ہے کہ طاق عدد ہے اسی لیے نماز وتر کو وتر کہتے ہیں۔ تین رکعات وتر کی احادیث و آثار ملاحظہ ہوں۔

احادیث نبویہ:

(۱) بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۴، مسلم ج ۱ ص ۲۵۴، نسائی ج ۱ ص ۲۴۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۵، مؤطا امام مالک ص ۴۴، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶، پر ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ۔

اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کَیْفَ کَانَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ قَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَ لَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَکْعَةً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا.

انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے، پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعت پڑھتے پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔"

اس میں چار چار ملا کر کل آٹھ رکعت نماز تہجد ہوتی تھی اور تین رکعات وتر جسے آخر میں ثم یصلی ثلاثا (پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے) سے بیان کیا۔ امام نسائی یہ حدیث باب کیف الوتر ثلاثا (تین رکعت وتر کیسے ہوگی) کے تحت لائے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان، ہمیشہ حضورؐ کا معمول تین ہی رکعت وتر کا تھا۔

(۲) امام نسائیؒ نے نسائی شریف ج ۱ ص ۲۴۸ میں کیف الوتر بثلاث (تین رکعات وتر کیسے پڑھی جائے؟) کا باب قائم کر کے حضرت عائشہؓ ہی ایک دوسری روایت یوں نقل کی ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْوِتْرِ.

سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت مستدرک حاکم میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسَلِّمُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ. (ج ۱ ص ۳۰۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی شروع کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام حاکمؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر ہے (حوالہ مذکورہ) علامہ ذہبیؒ نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم کے بیان کی تصدیق کی ہے۔

(۴) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَاكَ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّاءَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى صَلّٰى سِتًّاثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ وَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ. (مسلم ج ۱ ص ۲۶۱، نسائی ج ۱ ص ۲۴۹)

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے والد سے وہ اپنے والد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر سو گئے، پھر اٹھے مسواک کی اور دو رکعت نماز پڑھی، یہاں تک کہ اسی طرح چھ رکعتیں پڑھیں۔ پھر تین رکعت وتر پڑھی۔

(۵) احادیث کریمہ میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں کون سی سورت کس رکعت میں پڑھتے تھے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر

يَقْرَأُ فِي الْأُولٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَ فِي الثَّانِيَةِ قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَ فِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. (ترمذی ج ۱ ص ۶۱، نسائی ج ۱ ص ۲۴۹، ابن ماجہ ص ۸۳)

پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى پڑھتے دوسری میں قُلْ يٰأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔

اس قسم کی روایتیں مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۷، طحاوی ج ۱ ص ۱۴۰، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۹، اور دارمی وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

(۶) عام طور پر حضور ﷺ وتر تہجد کے ساتھ پڑھتے تھے، یعنی عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے، پھر اٹھتے تو تہجد اور وتر ساتھ ساتھ پڑھتے[۱] اور نماز تہجد، حضورؐ نے مختلف احوال واوقات میں مختلف رکعتوں کے ساتھ پڑھی ہے، کبھی چار ۴، کبھی چھ ۶، کبھی آٹھ ۸، کبھی دس ۱۰ الہٰذا وتر کو شامل کرنے سے یہ رکعتیں کبھی سات ۷ بنتی ہیں، کبھی نو ۹، کبھی گیارہ ۱۱، کبھی تیرہ ۱۳۔

چنانچہ اس پس منظر میں ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳، اور طحاوی ج ۱ ص ۱۹۳ کی یہ حدیث ملاحظہ کریں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِكُمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ بِأَرْبَعٍ وَ ثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَ ثَلَاثٍ وَّ ثَمَانٍ وَ ثَلَاثٍ وَّ لَمْ يَكُنْ يُوْتِرُبِأَ كْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَ لَا أَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ.

عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے؟ فرمایا چار اور تین کے ساتھ، چھ اور تین کے ساتھ، آٹھ اور تین کے ساتھ، اور آپ کی وتر کی رکعتیں نہ تیرہ سے زیادہ ہوتیں نہ سات سے کم۔

اس حدیث میں تہجد اور وتر دونوں کو ملا کر وتر کہہ دیا گیا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ موقع محل، گنجائش اور حالات کے اعتبار سے نماز تہجد میں تو کمی بیشی ہوتی رہتی تھی مگر نماز وتر، تین کی تین ہی رہتی تھی۔ نہ اس میں کمی ہوتی نہ زیادتی۔

یہی مفہوم ہے سعد بن ہشام کی اس روایت کا جو مسلم ج ۱ ص ۲۵۶ پر حضرت عائشہؓ سے

---

[۱] اس کتاب کے ص ۵۴ پر مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۸ کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے کہ جو شخص خود سے بیدار ہو جانے کی توقع رکھتا ہو اس کے لیے رات کے آخری حصہ میں ہی وتر پڑھنا مستحب ہے۔

ہی مروی ہے جس میں وتر کی سات اور نو رکعتوں کا تذکرہ ہے کہ تہجد کی چار رکعات اور وتر کی تین کے ساتھ مل کر سات ہو گئیں۔ اور تہجد کی چھ رکعات' وتر کی تین مل کر نو رکعتیں ہوئیں۔

یہ مفہوم اس لیے بھی متعین ہے کہ مسلم شریف کی یہی روایت بالکل اسی سند سے نسائی ج ا ص ۱۴۸' مستدرک حاکم ج ا ص ۳۰۴' موطا امام محمد ص ۱۵۱' طحاوی ج ا ص ۱۳۷' دار قطنی ص ۱۷۵' بیہقی ج ۳ ص ۳۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵' اور مسند احمد ج ۶' ص ۱۵۶ وغیرہ میں بھی موجود ہے اور اس نے بالصراحت وتر کی تین رکعات سے کم یا زیادہ کے احتمال کو بالکل ختم کر دیا ہے[1]

جہاں تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے جو ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ میں آئی ہے اور جس میں وتر کی ایک' تین اور پانچ رکعتوں کا تذکرہ ہے تو اولاً وہ مرفوع نہیں' بلکہ اکثر محدثین کے نزدیک حضرت ابو ایوبؓ کا اپنا قول ہے (دیکھئے التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳) دوم نسائی کی روایت میں ہے کہ جو چاہے ایک رکعت بھی وتر نہ پڑھے بلکہ اشارہ کرے و من شاء اومیٰ ایماء (نسائی ج ا ص ۲۴۹) گویا ایک رکعت بھی غائب ''اشارہ'' کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے کا تعلق مجبور و مریض سے ہے. کہ جو تین رکعات پر قادر نہ ہو وہ ایک رکعت ہی پڑھ لے اور ایک پر بھی قادر نہ ہو تو اشارہ سے پڑھے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مفہوم و معنی کے اعتبار سے مضطرب اور مرفوع و موقوف ہونے کے اعتبار سے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

آثار صحابہؓ وتابعینؒ:

حضرت عمرؓ اور تعامل اہل مدینہ:

(۱) مستدرک حاکم میں سعد بن ہشامؒ کی حضرت عائشہ صدیقہ والی روایت میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ آخِرِ هِنَّ' وَ هٰذَا وِتْرُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے' اور سلام ان کے آخر میں ہی پھیرتے تھے۔ اور یہی امیر المومنین حضرت عمر

[1] انہیں احادیث کی بناء پر مستحب یہ ہے کہ اگر رات کو اٹھ کر وتر پڑھنا ہو تو وتر سے پہلے دو چار رکعت نفل بھی پڑھ لے تاکہ مغرب کی مشابہت نہ ہو جس کی ممانعت ہے۔ کیونکہ نماز مغرب بھی تین رکعت اور اس سے پہلے نفل نہیں ہے تو اگر وتر سے پہلے بھی دو چار رکعت نفل نہ پڑھے تو مغرب سے مشابہت ہو جائے گی۔ طحاوی ج ا ص ۱۴۳' دار قطنی ص ۱۷۱ وغیرہ۔

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ عَنْهُ اَخَذَهٗ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ. (ج۱ص۳۰۴)

بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بھی وتر ہے۔ انہیں سے اہل مدینہ نے لیا۔

عَنْ مِّسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دُفِنَّا اَبَابَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلَةً فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنِّیْ لَمْ اُوْتِرْ فَقَامَ فَصَفَقْنَا وَرَاءَ فَصَلّٰی بِنَا ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ اِلَّافِیْ اٰخِرِهِنَّ. (طحاوی ج۱ص۱۴۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۹۳، مصنف عبدالرزاق ج۳ص۲۰)

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رات میں دفن کیا (جب دفن سے فارغ ہوئے) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے وتر نہیں پڑھی ہے؟ پس کھڑے ہوئے اور ہم نے بھی ان کے پیچھے صف لگائی۔ پس ہمیں تین رکعات نماز پڑھائی اور سلام ان کے آخر میں پھیرا۔

غور کیجئے! خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔ حالات بتاتے ہیں کہ اس موقع پر اکابر صحابہؓ موجود رہے ہوں گے، ان کی موجودگی میں حضرت عمرؓ نے تین رکعت وتر پڑھی اور بقیہ لوگوں نے بھی صف بستہ ہو کر پڑھی اور سلام دو رکعت پر نہیں بلکہ آخر تیسری رکعت پر پھیرا گیا۔

حضرت علیؓ:۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ وتر اسی طرح پڑھتے تھے۔

عَنْ ذَاذَانَ اَبِیْ عَمْرَانَّ عَلِیًّا كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۹۳)

ذاذان ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ بھی یہی کرتے تھے۔

عبداللہ بن مسعودؓ:۔حضرت علقمہؒ روایت کرتے ہیں۔

اُخْبِرْ نَاعَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَهْوَنَ مَايَكُوْنَ الْوِتْرُ ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ. (موطا امام محمد ص۱۵۰)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وتر کی کم سے کم تین رکعتیں ہیں۔

ان کے علاوہ درج ذیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تین رکعات وتر کی روایتوں کے لیے ملاحظہ کیجئے مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۹۴، طحاوی ج۱ص۱۳۶ وص۱۴۳، موطا امام محمد ص۱۵۰، مصنف عبدالرزاق ج۳ص۲۶ وغیرہ۔

اسی طرح انہیں کتابوں کو دیکھئے درج ذیل تابعین و تبع تابعین کی روایتوں کے لیے بھی یہ

سب حضرات وتر کی تین ہی رکعات بتاتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

حضرت علقمہؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ، اصحاب علیؓ، مدینہ منورہ کے سات فقہاء۔ حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت عروہ بن زبیرؒ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ، حضرت خارجہ بن زیدؒ، حضرت عبیداللہ بن عبداللہؒ، حضرت سلیمان بن یسار۔ رحمھم اللہ تعالیٰ رحمۃ و اسعۃ۔

ایک رکعت وتر نہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْبُتَيْرَا. (نصب الرایہ ج ا ص ۱۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

مشہور محدث ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں۔

لَا نَعْلَمُ فِیْ رِوَايَاتِ الْوِتْرِ مَعَ كَثْرَتِهَا اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ فَحَسْبُ. (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۵)

وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہم نہیں جانتے کہ کسی روایت میں آیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک رکعت وتر پڑھی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

مَا اَجْزَاَتْ رَكْعَةٌ وَاحِدَةٌ قَطُّ. (موطا امام محمد ص ۱۵۰)

وتر کی ایک رکعت کبھی بھی کافی نہیں ہو سکتی۔

بعض حضرات کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ان روایات سے شبہ ہوا۔

اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ. (مسلم ج ا ص ۲۵۷) وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَ الْوِتْرُ رَكْعَةٌ قَبْلَ الصُّبْحِ. (ابن ماجہ ص ۸۳)

رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔ صبح سے قبل۔

مگر ان روایات سے ایک رکعت وتر پڑھنا مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ماسبق کی دو رکعت کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر اسے وتر بنا دو' کیونکہ جب تک دو رکعت تھی وہ وتر نہ تھی جفت تھی اور جب اس کے ساتھ ایک رکعت مل گئی تو وہ تین ہو کر وتر بن گئی۔

یہ جواب ہمارا خانہ ساز نہیں بلکہ بخاری شریف کے شارح، مشہور محدث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے کہ وہ خود ہی ان احادیث کا مطلب لکھ کر ہمیں جواب دینے کی زحمت سے سبکدوش کر گئے، لکھتے ہیں۔

وَ تعقّبَ بِاَنَّهُ لَيْسَ صَرِيْحًا فِى الْفَصْلِ فَيَحْتَمِلُ اَنْ يُرِيْدَ بِقَوْلِهٖ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً اَىْ مُضَافَةً اِلٰى رَكْعَتَيْنِ مِمَّا مَضٰى. (فتح الباری ج ۵ ص ۳۸۵)

یہ حدیث وتر کی ایک رکعت الگ پڑھنے میں صریح نہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پہلے کی دو رکعتوں کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر تین رکعت وتر پڑھی۔

چونکہ وتر کا وتر ہونا ایک رکعت ملانے پر موقوف ہوتا ہے اسی لیے اس ایک رکعت پر وتر کا اطلاق کر دیا گیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وتر کی حقیقت ہی صرف ایک رکعت ہے جیسے بعض احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ الحج عرفة (حج عرفہ کا نام ہے[1]) اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وقوف عرفہ حج کا رکن اعظم ہے اور حج کی حقیقت اس کے بغیر متحقق نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج کی ساری حقیقت صرف وقوف عرفہ ہے، اب نہ احرام کی ضرورت، نہ تلبیہ کی، نہ طواف وسعی کی، نہ دوسرے مناسک کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِىَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَاقَدْ صَلّٰى.

(بخاری ج ا ص ۱۳۶، مسلم ج ا ص ۲۵۷)

ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو، دو رکعت ہے پس جب تم میں سے کوئی صبح صادق ہو جانے کا اندیشہ کرے تو ایک رکعت پڑھ لے وہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔

گویا دو، دو رکعت پڑھتا جائے اور جب طلوع صبح صادق کا اندیشہ ہو تو آخر والی دو رکعت

---

[1] جامع صغیر ج ا ص ۱۵۱ بحوالہ سنن اربعہ و مسند احمد وغیرہ۔

کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر پڑھ لے' یہ ایک رکعت اس کی پہلی دو رکعت کو وتر بنا دے گی (کیونکہ دو رکعت جفت تھی اب ایک مل کر تین ہو گئی تو وتر بن گئی)

بالکل یہی مفہوم ہے عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کا۔

اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ. وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

کیونکہ اس طرح یہ تیسری رکعت رات کی نماز میں بالکل آخری ہو گی' اس کے بعد صبح ہو جائے گی اور فجر کا وقت شروع ہو جائے گا۔

ہاں بعض صحابہ کرامؓ سے ایک رکعت وتر پڑھنے کی بھی روایتیں ملتی ہیں مگر یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ جو احادیث مرفوعہ کثیرہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔

وتر کا طریقہ:

وتر پڑھنے کا طریقہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ وہی ہے جو نماز مغرب کا ہے یعنی دو رکعت پر تشہد کے لیے بیٹھنا ہے' اس کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا ہے۔ تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے اور سورہ ملانے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھا کر پھر باندھ لینا ہے اور اب دعائے قنوت پڑھنا ہے۔ دعائے قنوت کے بعد رکوع و سجدہ و قعدہ اخیرہ دیگر نمازوں کی طرح ادا کر کے نماز کو سلام پھیر کر ختم کر دینا ہے۔

وتر پڑھنے کا یہ طریقہ احادیث کریمہ سے ثابت ہے جیسا کہ نیچے درج کی جا رہی ہیں۔

(۱) دو رکعتوں پر سلام نہ پھیرا جائے بلکہ نماز مغرب کی طرح دو رکعت پر قعدۂ اولیٰ کر کے کھڑے ہو جائیں اور تیسری رکعت پر سلام پھیریں۔

اِنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْوِتْرِ. (نسائی ج ۱ ص ۲۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

موطا امام محمد ص ۱۵۰' اور مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۴ پر بھی اسی قسم کی احادیث موجود ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وتر

اَلْوِتْرُ ثَلَاثٌ كَثَلَاثِ الْمَغْرِبِ. (مجمع الزوائد ج۲ ص۲۴۲)

تین رکعات ہے، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح۔

حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔

اَلْوِتْرُ كَصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ. (مؤطا امام محمد ص۱۵۰) وتر، نماز مغرب کی طرح ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ۔

كَانَ اُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِى الثَّالِثَةِ مِثْلَ الْمَغْرِبِ. (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۲۶)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر تین رکعت پڑھتے تھے، اور نماز مغرب کی طرح سلام تیسری رکعت میں ہی پھیرتے تھے۔

ابوالعالیہؒ کی روایت میں۔

اَلْوِتْرُ مِثْلُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ غَيْرَ اَنَّا نَقْرَاُ فِى الثَّالِثَةِ. (طحاوی ج۱ ص۱۴۳)

وتر نماز مغرب کی طرح ہے، مگر یہ کہ ہم وتر کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں[1]

مندرجہ بالا احادیث و آثار سے صاف ظاہر ہے کہ وتر میں نماز مغرب کی طرح دو رکعت پر تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھنا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل احادیث نبویہ بھی اسی کی مؤید ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے۔

وَ كَانَ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ. (مسلم ج۱ ص۱۹۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعت میں ''التحیات'' ہے۔

فضل بن عباسؓ سے مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهَّدُ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ. (ترمذی ج۱ ص۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز دو دو رکعت ہوتی ہے۔ ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔

---

[1] یعنی سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ وغیرہ ملاتے ہیں جب کہ نماز مغرب میں ایسا نہیں۔

(۲) دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی ہے۔

حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ كَانَتِ الْقُنُوْتِ قُلْتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْبَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ قُلْتُ فَاِنَّ فُلَانًا اَخْبَرَنِیْ عَنْکَ اِنَّکَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ كَذَبَ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا۔ (بخاری شریف ج ا ص ۱۳۶)

عاصم احول ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت کے بارے میں دریافت کیا' فرمایا قنوت ہوتی تھی۔ میں نے پوچھا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ فرمایا رکوع سے پہلے۔ میں نے کہا فلاں شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قنوت رکوع کے بعد ہے۔ فرمایا اس نے جھوٹ کہا۔ رکوع کے بعد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی ہے۔

اس حدیث میں ایک ماہ جس قنوت کے پڑھنے کا تذکرہ ہے وہ قنوت نازلہ ہے جو کہ دشمنوں کے غلبہ کے خوف کے وقت رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

بخاری شریف کی اس روایت کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں دعائے قنوت' رکوع کے بعد پڑھنے کا تذکرہ ہے۔

ابی بن کعب ؓ کی روایت نسائی شریف میں ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ ..... وَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔ (ج ا ص ۲۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے......اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔

ابن ماجہ میں ہے۔

كَانَ يُوْتِرُ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔ (ص ۸۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تو قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

(۳) دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے تکبیر تحریمہ کے مانند۔

ثُمَّ قَعَدَ ثُمَّ قَامَ وَ لَمْ يَفْصِلْ بَيْنَهُمَا

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ کیا' پھر کھڑے

بِالسَّلَامِ ثُمَّ قَرَأَ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ) حَتّٰى اِذَا فَرَغَ كَبَّرَ ثُمَّ قَنَتَ فَدَعَا بِمَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَدْعُوْهُ ثُمَّ كَبَّرَ وَ رَكَعَ.

(استیعاب ج ۴ ص ۴۵۰-۴۵۱ علی ہامش الاصابہ)

ہوئے اور دو رکعت اور تیسری رکعت میں سلام سے فصل نہیں کیا (یعنی قعدہ اولیٰ کے بعد بغیر سلام پھیرے کھڑے ہو گئے) پھر قل سو اللہ احد الخ پڑھی یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا پھر دعائے قنوت پڑھی اور اللہ کو جو منظور تھا دعائیں کیں پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔

اسودؒ سے مروی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا قَنَتَ فِي الْوِتْرِ. (منصف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۲۷)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب وتر میں قنوت پڑھتے۔

یہی بات امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع الیدین ص ۲۴ پر بھی لکھی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا جیسا کہ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔

عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ كَانَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الْقُنُوْتِ.

(جزء رفع الیدین ص ۲۸)

ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنوت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

(۴) دعائے قنوت پڑھنے کے لیے ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد پھر دوبارہ اسی ہئیت کے مطابق ہاتھوں کو باندھ لینا ہے کیونکہ قیام کی حالت میں نماز میں ہاتھ باندھنا ہی مشروع ہے نہ کہ ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد کھلا چھوڑ دینا۔ یا ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنے لگنا۔ کیونکہ نماز میں جتنی بھی دعائیں منقول ہیں کسی بھی دعاء کو ہاتھ اٹھا کر پڑھنے کا تذکرہ کسی حدیث میں نہیں بلکہ جس حالت میں جو دعاء پڑھنے کا حکم ہے وہی حالت برقرار رہے گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ دعاء پڑھنے کے لیے حالت بدل دی جائے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعاء پڑھی جانے لگے، نماز میں قطعاً غیر مشروع طریقہ ہے۔ جو نماز کے اندر مروی دعائیں پڑھنے کے معروف طریقہ سے ہم آہنگ نہیں۔

اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ کو بدعت قرار دیا۔

اَرَأَیْتُمْ رَفْعَکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ وَ اللّٰہُ اِنَّہٗ لِبِدْعَۃٌ مَازَا دَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی ھٰذَا قَطُّ فَرَفَعَ یَدَیْہِ حِیَالَ مَنْکِبَیْہِ رواہ الطبرانی.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۷)

دیکھو! یہ جو تم نماز میں ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتے ہو خدا کی قسم یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کبھی نہیں کیا۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رفع یدین کر کے دکھایا۔

لہٰذا جب رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھنی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حالت قیام کی حالت ہے۔ قیام کی حالت میں ہاتھ بندھے رہتے ہیں اس لیے ہاتھ اٹھانے کے بعد پھر باندھ لیے جائیں گے اور اس ہیئت میں کوئی تبدیلی نہ لائی جائے گی۔

وتر کا قنوت:

وتر کا قنوت یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَ نُؤْمِنُ بِکَ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَ نُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَ نَشْکُرُکَ وَ لَا نَکْفُرُکَ وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ لَکَ نُصَلِّیْ وَ نَسْجُدُ وَ اِلَیْکَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ وَ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَ نَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ.

(حصن حصین وغیرہ)

اے اللہ! ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی تعریفیں کرتے ہیں اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور ہم الگ ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور تیرے ہی لیے سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہم دوڑتے ہیں اور تیری عبادت میں جلد مستعد ہو جاتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔

امت کا اجماع ہے کہ وتر جماعت کے ساتھ صرف رمضان المبارک میں ہی پڑھی جائے گی رمضان کے علاوہ اور دنوں میں نہیں۔ کیونکہ جماعت سے وتر پڑھنے کا تذکرہ احادیث کریمہ میں

صرف رمضان المبارک کے لیے آیا ہے۔ (دیکھیے اسی کتاب کا ص ۳۱۲)

وتر کے بعد نفل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کے بعد دو رکعت ہلکی پھلکی نفل پڑھنا بھی ثابت ہے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ. (ترمذی ج ا ص ۶۲)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔

خَفِيْفَتَيْنِ وَ هُوَ جَالِسٌ. (ص ۸۵) دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے بیٹھ کر۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَ هُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيْهِمَا اِذَا زُلْزِلَتِ وَ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ. (مشکوۃ ج ا ص ۱۱۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ دونوں میں اِذَا زُلْزِلَتِ ..... الخ اور قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ .... الخ پڑھتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ان دونوں رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھتے تھے مگر ہمیں اور آپ کو کھڑے ہوکر پڑھنا چاہیے ورنہ ثواب آدھا ملے گا۔ (احادیث کریمہ آگے آرہی ہیں)

نماز جمعہ

جمعہ کے احکام:

مریض، مسافر، عورت، بچے، غلام اور مجنوں کے علاوہ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں، اور شریک نہ ہونے والے سخت گنہگار ہوں گے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٍ اَوِ امْرَاَةٌ اَوْصَبِيٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ رَوَاهُ الدَّارُقُطْنِيُّ. (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۲۲)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے، سوائے مریض، مسافر، عورت، بچے اور غلام کے، پس جو شخص لہو ولعب یا کاروبار میں مشغول رہ کر اس سے غافل رہا، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی توجہ بھی ہٹا لے گا اور اللہ بے نیاز قابل تعریف ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص سستی اور کاہلی سے تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۶۷)

جمعہ کے دن سویرے سے ہی جمعہ کی تیاری کرنا، سویرے جامع مسجد پہنچنا غسل کرنا مسواک کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا مسنون و مستحب ہے۔ (بخاری ج ا ص ۱۲۱، مسلم ج ا ص ۱۷۰) صفوں کو چیرنا اور پھلانگنا، اور خطبہ کے وقت بات چیت کرنا یا نماز وغیرہ پڑھنا کچھ بھی جائز نہیں بس خاموش رہنا چاہیے۔

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ يَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَ يَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسب استطاعت خوب پاکی حاصل کرے اور تیل یا خوشبو لگائے پھر نماز جمعہ کے لیے نکلے اور وہاں پہنچ کر کسی دو میں تفریق نہ کرے (یعنی لوگوں کو چیر کر اپنی جگہ نہ بنائے بلکہ

كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَلَهُ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرىٰ. (بخاری ج ا ص ۱۲۱)

جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے) پھر نماز پڑھے جو مقرر کی گئی ہے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے ایسے شخص کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

جمعہ کی دو اذانیں:

جمعہ کے دن دو اذانیں دی جائیں' ایک اذان خطبہ سے اتنی دیر پہلے ہونی چاہیے کہ لوگ مسجد میں آ کر پورے اطمینان کے ساتھ سنت پڑھ سکیں اور سنت سے فارغ ہو کر پرسکون ہو کر خطبہ سنیں۔ اور دوسری خطبہ کے وقت خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد خطیب کے سامنے دی جائے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهُ اِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِىْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَ كَثُرَ النَّاسُ زَادَا لنِّدَاءُ الثَّالِثُ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ. (بخاری ج ا ص ۱۲۴' ص ۱۲۵' ابوداود ج ا ص ۱۷۱)

سائب بن یزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جائے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا اور لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے زیادہ کی تیسری اذان مقام زوراء پر' پس امر اسی پر ثابت ہو گیا (یعنی اسی پر اجماع صحابہؓ ہو گیا)

یہ تیسری اذان وہی ہے جو سب سے پہلے ہوا کرتی ہے' چونکہ تعیین کے اعتبار سے اس کا تیسرا نمبر ہے اسی لیے اسے تیسری اذان کہا گیا۔ اور معنوی اعتبار سے اقامت کو بھی اذان میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح کل تین اذانوں کا اس حدیث میں تذکرہ ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو اسی لیے متعین کیا تھا کہ عہد رسالت سے دوری ہونے کے سبب لوگوں کے اندر کچھ کچھ اضمحلال اور سستی پیدا ہونے لگی تھی اور جمعہ کی حاضری میں وہ جلد بازی نہیں ہوتی تھی جو عہد رسالت' عہد صدیقیؓ و عہد فاروقیؓ میں پائی جاتی تھی اس جلد بازی کے سبب یہ خطرہ نہیں ہوتا تھا کہ خطبہ جمعہ جس کے بعد نہ نماز ہے نہ کلام بلکہ خطبہ کو ہی بغور سننے کا حکم ہے۔ اس کا کچھ حصہ فوت ہو جائے گا۔ لیکن بعد میں جب یہ خطرہ پیدا ہوا تو ایک اور

اذان اس مقصد سے متعین کر دی کہ اب لوگ پہلی ہی اذان سن کر مسجد میں پہنچ جائیں گے اور دوسری اذان تک سنت وغیرہ سے فارغ ہو کر خطبہ سننے کے لیے تیار رہیں گے۔ خطبہ کا کوئی حصہ سننے یا اس طرف دھیان لگانے سے قاصر نہیں رہے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو سبھی نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور امت کا اس اذان پر اجماع ہو گیا جو کہ خود حجت شرعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

اللہ تعالیٰ میری امت کو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ امت محمدؐ کو (راوی کو شک ہے) کسی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (مشکوٰۃ ج اص ۳۰)

دوسری روایت میں ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ. (مشکوٰۃ ج اص ۳۰) سوادِ اعظم[1] کی اتباع کرو۔

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا گروہ) اسے قرار دیا ہے جو سنت رسولؐ اور سنت صحابہؓ پر عمل پیرا ہو۔

قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا وَ عَلَیْہِ اَصْحَابِیْ.

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ نجات پانے والا گروہ کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا جو میری اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہو۔ (ترمذی ج ۲ ص ۸۹ عن عبداللہ ابن عمرؓ)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ داماد رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے جو کہ خلفائے راشدین میں تیسرے خلیفہ راشد ہیں اور خلفائے راشدین کی سنت بھی حجت شرعیہ ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ اسے بھی مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِھَا وَ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ.

تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ عن قریب بہت اختلافات دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا جو کہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اسے خوب مضبوطی سے پکڑے رہو۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۵، ترمذی ج ۲ ص ۹۰، ابن ماجہ ص ۵)

---

[1] یعنی جس پر مسلمانوں کے اکثر اہل الرائے متفق ہوں۔

جمعہ کا وقت:

جمعہ کی نماز دو رکعت ہے اور اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے۔ جن پر نماز جمعہ واجب ہے وہ نماز جمعہ ہی پڑھیں گے ظہر نہیں پڑھیں گے۔ جن پر نماز جمعہ نہیں وہ بھی نماز جمعہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جس کی نماز جمعہ فوت ہوگئی وہ جمعہ کی قضا نہیں کرے گا بلکہ ظہر پڑھے گا۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَکْعَةً فَلْیُصِلْ اِلَیْهَا اُخْرٰی وَ مَنْ فَاتَتْهُ الرَّکْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْ قَالَ الظُّهْرِ رَوَاهُ الدَّارِقُطْنِیُّ. (مشکوۃ ج۱ ص۱۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو جمعہ کی ایک رکعت پا لے وہ دوسری رکعت بھی اس کے ساتھ ملائے اور جس کی دونوں رکعتیں چھوٹ گئیں وہ چار رکعت ظہر پڑھے۔

ایک دوسری روایت میں تمام نمازوں کے متعلق عمومی حکم یوں دیا جا رہا ہے۔

اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَاْتُوْهَا وَ اَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَ اْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَ عَلَیْکُمُ السَّکِیْنَةَ فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَ مَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا. (بخاری ج۱ ص۸۸ و ص۱۲۴، مسلم ج۱ ص۲۲۰)

جب نماز کھڑی ہو جائے تو (نماز میں شامل ہونے کے لیے) دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ اطمینان کے ساتھ چلتے ہوئے پرسکون انداز میں آ کر شامل ہو جاؤ پس جو پالو اسے امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے (بعد میں) پورا کر لو۔

جماعت کی کم از کم مقدار:

نماز جمعہ کی جماعت میں امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ سورہ جمعہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوْا الْبَیْعَ. (آیت کریمہ/۹)

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے (اذان دی جائے) پس اللہ کے ذکر کی طرف سبقت کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

آیت کریمہ میں لفظ فاسعوا (پس سبقت کرو) جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، دوسری طرف الی ذکر اللہ (اللہ کے ذکر کی طرف) میں "ذکر" سے بالا جماع

خطبہ جمعہ مراد ہے- گویا خطیب کے علاوہ تین آدمی ہونے چاہئیں' اس کے علاوہ لفظ ''جمعہ'' خود جماعت پر دلالت کرتا ہے' لہٰذا آیت کو اس کے پورے مفہوم میں لینے کی صورت میں ضروری ہے کہ جمعہ کی جماعت میں امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی اور بھی ہوں-

دیہات میں جمعہ نہیں:

نماز جمعہ' مسلمانوں کی خاص اجتماعی زندگی کی علامت ہے یعنی شہری زندگی' یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کے لیے شہر یا مضافات شہر کا ہونا ضروری ہے- دیہات میں جمعہ نہیں ہے ارشاد ربانی ہے-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (جمعہ/۹)

اے ایمان والو! جب نماز کے لیے جمعہ کے دن پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سبقت کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو- یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو-

اس آیت میں جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید وفروخت اور کاروبار بند کرنے کا حکم دیا جارہا ہے' گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ وہاں ہوگا جہاں خرید وفروخت کا سلسلہ قائم ہو- لوگ لین دین میں لگے ہوئے ہوں لہٰذا اذان ہوتے ہی لین دین بند کر دیں اور ظاہر ہے کہ دیہات کاروبار اور تجارت ولین دین کی جگہ نہیں' کاروباری مراکز شہر ہی ہوتے ہیں-

بہر حال کسی بھی اذان کے وقت خرید وفروخت کے چھوڑنے کا ذکر نہیں' مگر جمعہ کے لیے بطور خاص اس بات کو بیان کرنا جمعہ کی خصوصی تمدنی شان کو واضح کرتا ہے-

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مسجد نبوی میں تو جمعہ کی نماز ہوتی تھی مگر کم از کم چھ سال تک مسجد نبوی کو چھوڑ کر حضورؐ نے کہیں بھی جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں دیا جب کہ اس چھ سال کے عرصہ میں مدینہ منورہ سے دور کے علاقوں میں بھی اسلام پھیل چکا تھا مگر کہیں بھی جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی' پھر دوسرا جمعہ جواثی میں ہوا جو بحرین کا ایک شہر ہے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ اس وقت ہوا جب وفد عبدالقیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا- جب یہ لوگ واپس جواثی پہنچے تو وہاں جمعہ کی نماز قائم کی اور مسجد نبوی کے بعد تاریخ اسلام میں دوسرا خطبہ جمعہ دیا گیا' جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اِنَّ اَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِعَتْ بَعْدَ

جُمُعَةٍ فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسْجِدِ عَبْدِالْقَیْسِ بِجُوَاثٰی مِنَ الْبَحْرَیْنِ۔ (بخاری ج۱ص۱۲۲)

جواثی گاؤں نہیں تھا' شہر تھا' تجارتی مرکز تھا' کھجور کی تجارت میں خاص طور سے ضرب المثل تھا' وہاں قلعہ تھا' بلند و بالا مکانات تھے' بڑی آبادی اور بارونق بازار تھے' زمانہ جاہلیت کے اشعار میں بھی وہاں کی تجارتی مرکزیت کا ذکر ملتا ہے' مثلاً امرؤالقیس کا قصیدہ' مورخین اور جغرافیہ دانوں کی تصریحات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے چار ہزار سے زیادہ کی آبادی تھی۔ (دیکھئے تفصیل کے لیے آثار السنن ج۲ص۷۹ کا حاشیہ و بذل المجہود ج۲ص۱۶۹)

یہاں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ابوداؤد کی روایت میں تو جواثی کو'' قریہ کہا گیا ہے (ج۱ص ۱۶۹) کیونکہ ''قریہ'' کا لفظ شہر پر بھی بولا جاتا ہے۔ ''قریہ'' سے یہ سمجھ لینا کہ وہ دیہات یا گاؤں تھا' صحیح نہیں' خود قرآن میں مکہ مکرمہ اور طائف کے لیے ''قریہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جب کہ جزیرۃ العرب کے یہی دو سب سے اہم شہر تھے' سورہ زخرف میں ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاْ نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ. (آیت/۳۱) — کفار نے کہا' کیوں نہ نازل کیا گیا یہ قرآن دونوں قریوں کے کسی بڑے آدمی پر۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ''قریہ'' سے مراد یہاں دیہات ہے؟ کیونکہ مکہ اور طائف دیہات تھے؟ اس طرح ابوداؤد کی روایت میں بھی جواثی کو ''قریہ'' کہہ دیا گیا حالانکہ وہ شہر تھا جیسا کہ تفصیلات گزریں۔ جس کا جی چاہے کتب لغات اٹھا کر دیکھ لے ''قریہ'' کا اطلاق شہر اور دیہات دونوں پر ہوتا ہے اور قرآن کے استعمال کے بعد تو معترض کی زبان بہرحال بند ہو جانی چاہیے۔

سورہ یوسفؑ میں ہے۔

وَاسْاَلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا. — اور پوچھ لیجئے! اس قریہ والوں سے جس میں ہم تھے۔ (آیت/۱۹)

یہاں ''قریہ'' سے مراد مصر ہے اور ظاہر ہے کہ مصر کے شہر ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

سورہ محمدؐ میں ہے۔

وَ کَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ ھِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنْ قَرْیَتِکَ الَّتِیْ اَخْرَجَتْکَ اَھْلَکْنٰھُمْ — اور کتنے قریے جو زیادہ قوت و شوکت والے تھے آپ کے اس قریہ سے جس نے آپ کو نکالا۔ ہم

هُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ. (آیت/۱۳) نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا پھر انہیں کوئی مددگار نہ ملا۔

اس آیت میں ''آپ کے قریہ'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور ''کتنے قریوں'' سے مراد وہ شہر ہیں جو مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ آباد و شاداب تھے۔

ان دونوں آیتوں میں ''قریہ'' کا لفظ شہر پر ہی بولا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

وفد عبد القیس کی آمد باختلاف روایت سنہ ۶ھ یا سنہ ۸ھ میں ہوئی تھی۔ گویا ہجرت کے کم از کم چھ سال تک صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا رہا اور وہ جگہ تھی مسجد نبوی۔ حالانکہ اس عرصہ میں اسلام مدینہ منورہ کے باہر دور دور تک پھیل چکا تھا۔ مگر چونکہ وہ سب علاقے گاؤں اور دیہات تھے اس لیے جمعہ قائم نہ ہوا' جب شہر جواثی کے باشندے (وفد عبد القیس) آئے تو جواثی میں نماز جمعہ شروع ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَّنَازِلِهِمْ وَ الْعَوَالِيْ. لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اور عوالی سے جمعہ کے لیے باری باری آتے تھے۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۳' ابو داؤد ج ۱ ص ۱۶۷

ظاہر بات ہے کہ اگر مدینہ منورہ کے باہر کے باشندوں پر جمعہ فرض ہوتا تو وہ باری باری نہ آتے بلکہ سب کے سب آتے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ قرطبیؒ پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۹)

معلوم ہوا کہ دیہات والوں پر جمعہ فرض ہی نہیں ہوتا۔ بخاری ج ۱ ص ۱۲۳ پر حضرت عطاءؒ کا ایک اثر منقول ہے اس میں بھی ''قریہ جامعہ'' کی قید لگی ہوئی ہے جو شہر کا ہی ہم معنی ہے۔

ہجرت کے موقع پر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام قبا میں چودہ یا چوبیس دن (باختلاف روایت) قیام فرمایا۔ اس دوران جمعہ بھی آیا مگر نماز جمعہ خود پڑھنا یا پڑھنے کا حکم دینا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں' البتہ وہاں سے جب جمعہ کے دن مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد بنی سالم بن عوفؓ میں آپؐ نے نماز جمعہ پڑھائی' یہ تاریخ اسلام کا پہلا جمعہ تھا جو مدینہ منورہ کے ایک محلہ کی مسجد میں ادا کیا گیا۔ (بذل ج ۲ ص ۱۷۰)

آنحضرت ﷺ کا حجۃ الوداع جو حج اکبر کے نام سے موسوم ہے بالاتفاق جمعہ کے دن ہوا

مگر آپؐ نے میدان عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا اور نہ اہل مکہ کو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا بلکہ ظہر کی نماز پڑھی' جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے۔

ثُمَّ اَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَ لَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. (مسلم ج۱ص ۳۹۷)	پھر اذان دی پھر اقامت کہی' پھر ظہر کی نماز پڑھی' پھر اقامت کہی پس عصر کی نماز پڑھی اور دونوں کے بیچ میں کچھ نہیں پڑھا۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ہر جگہ جمعہ نہیں ہے' ورنہ حضور ﷺ مع صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' میدان عرفات میں جمعہ ترک کر کے نماز ظہر نہ پڑھتے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

لَا جُمُعَةَ وَ لَا تَشْرِيْقَ وَ لَا صَلٰوةَ فِطْرٍ وَ لَا اَضْحٰى اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ عَظِيْمَةٍ.	جمعہ' تشریق' عیدالفطر' عیدالاضحی' مصر جامع (شہر) یا بڑے قصبہ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص ۱۰۱' مصنف عبدالرزاق ج۳ص ۱۶۷)

بہر حال ان احادیث و آثار سے صاف ظاہر ہے دیہات میں جمعہ نہیں ہے لیکن اگر دیہات کے لوگ شہر میں آ کر جمعہ میں شریک ہوں تو اجازت ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں گزرا۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۳۰ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین شہروں میں ہی جمعہ قائم فرماتے تھے' اور دیہات والوں کو اس کا مکلف نہیں بناتے تھے۔

البتہ موجودہ دور کے اعتبار سے ایک مسئلہ باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ آج کل عام طور پر گاؤں اور دیہات میں بھی جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو کیا وہاں جمعہ بند کرا کے نماز ظہر پڑھوائی جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ہونا تو یہی چاہیے مگر اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ اگر جمعہ بند کرانے کے نتیجے میں فتنہ و فساد کا ڈر ہو یا یہ خوف کہ جمعہ میں تو جیسے تیسے لوگ آ بھی جاتے ہیں ظہر قائم کی جائے گی تو لوگ ظہر میں شریک ہی نہیں ہوں گے جیسے ہفتہ کے بقیہ دنوں میں ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ ہفتہ کی ایک وقت کی نماز بھی چھوڑ بیٹھیں گے۔ ان حالات میں گاؤں اور دیہات میں ہونے والے جمعہ کو باقی رکھا جائے گا۔

جمعہ کی سنتیں:

نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْجُمُعَةِ اَرْبَعًا وَ بَعْدَهَا اَرْبَعًا. (ترمذی ج ا ص ۶۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے۔

اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا. (مسلم ج ا ص ۲۸۸)

جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعت پڑھے۔

ابوداودؒ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز جمعہ کے بعد چھ رکعات منقول ہیں، چار ایک سلام سے، دو ایک سلام سے۔ (ج ا ص ۱۷۶)

بعض روایتوں میں خطبہ جمعہ سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کا بھی تذکرہ آتا ہے لیکن وہ نہ واجب ہے نہ سنت مؤکدہ بلکہ مستحب ہے، وجہ بھی ظاہر ہے وہ یہ کہ جب تحیۃ المسجد عام حالات میں واجب یا سنت نہیں تو خاص اس وقت کیسے واجب یا سنت ہو جائے گی۔

خطبہ جمعہ:

جمعہ کے دو خطبے ہیں، دونوں منبر پر کھڑے ہو کر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر دیئے جائیں دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ اِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ اُرَاهُ الْمُؤَذِّنَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَ لَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ. (ابوداود ج ا ص ۱۷۶)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے پہلے منبر پر چڑھنے کے بعد بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ موذن اذان سے فارغ ہو جاتا، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر (ایک خطبہ دے کر) بیٹھ جاتے اور خاموش رہتے اس کے بعد پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔

خطبہ آیات قرآنی، احادیث نبوی اور نصیحت آمیز باتوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۶ وغیرہ)

خطبہ کی اذان منبر کے سامنے:

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے دی جائے گی۔

كَانَ يُؤَذَّنُ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (آثار السنن ج ۲ ص ۹۴)

اذان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دی جاتی تھی[1]۔

دوسری روایت میں ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ اِذَا جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِذَا نَزَلَ اَقَامَ ثُمَّ كَانَ كَذٰلِكَ فِىْ زَمَنِ اَبِىْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. (نسائی ج ۱ ص ۲۰۷)

سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ، جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد اذان دیتے، پھر جب حضورؐ خطبہ سے فارغ ہو کر اترتے تو بلالؓ اقامت کہتے، پھر ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں بھی رہا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوا کرتی تھی۔ ورنہ اگر حضرت بلالؓ مسجد کے اندرونی حصہ کے باہر دروازے کے پاس اذان دیتے تو اندر آنے اور اقامت کہنے کے لیے لازماً لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آنا پڑتا، بلکہ جانا بھی پڑتا، گردنیں پھلانگ کر، اور آنا بھی پڑتا گردنیں پھلانگ کر۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ میں بصورِ خاص گردنوں کو پھلانگ کر آنے جانے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے تو کیا یہ ممکن تھا

---

[1] ابوداؤد کی جس روایت میں بین یدی رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس على المنبر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب آپ منبر پر بیٹھ جاتے) کے علاوہ علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر) کا تذکرہ ہے۔ اس میں علی باب المسجد کے الفاظ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صرف اس روایت میں ہیں جو محمد بن اسحاقؒ سے مروی ہے اور محمد بن اسحٰقؒ پر ائمہ جرح و تعدیل نے شدید جرحیں کی ہیں۔ جن میں امام مالکؒ، نسائیؒ، دار قطنیؒ، سلیمان یمنیؒ، ہشام بن عروہ وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

کہ ایک طرف تو حضور گردنوں کو پھلانگنے پر غصہ کا اظہار فرمائیں اور سختی کے ساتھ منع کریں، دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے وہی کام کرائیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت بلال منبر کے سامنے ہی اذان دیا کرتے تھے، وہی موجود رہتے تھے اور خطبہ کے بعد اقامت بھی کہہ دیتے تھے، کہیں آنے جانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ گردنوں کو پھلانگنا لازم آئے۔

جمعہ کے دن گردن پھلانگ کر آنے جانے کی ممانعت بہت سی حدیثوں میں وارد ہوئی۔ ایک حدیث یہ ہے۔

عَنْ اَبِی الزَّاهِرِیَّةِ قَالَ کُنْتُ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ صَاحِبِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمْعَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُشْرٍ جَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَیْتَ.

(ابوداؤد ج ا ص ۱۵۷، نسائی ج ا ص ۲۰۷)

ابوالزاہر رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ میں ایک جمعہ کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا۔ اچانک ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا۔ عبداللہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اسی طرح جمعہ کے دن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے دوران ایک شخص گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا بیٹھ جا، تو نے ایذا پہنچائی۔

خطبہ عربی میں ہونا چاہیے:

سورۂ جمعہ آیت کریمہ فاسعوا الی ذکر اللہ (پس اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو) ''ذکر'' سے مراد خطبہ جمعہ ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۹ ص ۴۵۶ وغیرہ۔

بخاری و مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَ یَسْتَمِعُوْنَ الذِّکْرَ.

(بخاری ج ا ص ۱۲۷، مسلم ج ا ص ۲۸۱ و ۲۸۳)

پس جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنے رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور توجہ کے ساتھ ذکر (خطبہ) سنتے ہیں۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

اُحْضُرُ وَ الذِّکْرَوْا دُنُوْا مِنَ

ذکر (خطبہ) میں حاضر رہو اور امام سے قریب

الامام. (ج اص ۱۷۷) رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ ہی اس کا اصل مقصد ہے نہ کہ وعظ و نصیحت۔ اور ظاہر ہے کہ ''ذکر اللہ'' کا ترجمہ نہیں کیا جاتا' نہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو ذکر کر رہا ہے یا جس کے سامنے ذکر کر رہا ہے وہ اس کا ترجمہ و مطلب بھی سمجھے' بلکہ ''ذکر'' عربی زبان میں ہی کیا جاتا ہے۔ خواہ کوئی مطلب نہ سمجھے۔ جہاں مقصد وعظ و تذکیر ہو وہاں سامعین کی زبان استعمال کرنی چاہیے۔ لیکن جہاں یہ مقصد ہی نہ ہو بلکہ صرف ذکر اللہ مقصود ہو وہاں یہ خیال ہی لغو ہے کہ سامعین سمجھیں بھی۔

تلاوت قرآن' نماز' اذان و اقامت' تکبیرات نماز' تمام ذکر و اذکار اور دعائیں' کیا ان سب کا مطلب سمجھنا ضروری ہے اور اگر پڑھنے والے یا جس کے سامنے یہ چیزیں پڑھی گئیں ان کا معنیٰ و مطلب نہ سمجھے تو یہ سب چیزیں بے فائدہ ہوں گی؟ خاص طور سے قرآن مجید کا تو مقصد ہی ہدایت و رہنمائی ہے' وعظ نصیحت ہے' تبلیغ احکام الٰہی ہے تو تلاوت کے وقت آیات قرآنی کا معنی و مطلب سمجھنا ضروری ہے؟ اور بے مطلب سمجھے ہوئے تلاوت بے فائدہ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کا اصل مقصد ادائے عبادت اور ذکر اللہ ہے' اور ادائے عبادت و ذکر اللہ میں خود معنی و مطلب سمجھنا یا مخاطبین کو سمجھانا ضروری نہیں ہوتا' اب ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ ضمناً تذکیر بھی پائی جائے تو یہ ایک ضمنی ہی چیز ہوگی' اصل مقصود نہ ہوگی۔

خطبہ جمعہ پر ادائے جمعہ موقوف ہے۔ اگر خطبہ کا اصل مقصد وعظ و تذکیر ہوتا تو ادائے جمعہ کو اس پر موقوف کر دینے کے کوئی معنی نہ تھے' پھر یہ کہ تذکیر تو جمعہ کے بعد بھی ہو سکتی تھی تو یہ کیوں لازم کر دیا گیا کہ جمعہ سے پہلے ہی ضروری ہے۔

خطبہ جمعہ کے لیے ظہر کا وقت بھی شرط ہے' اگر کوئی خطیب خطبہ زوال سے پہلے دے اور نماز زوال کے بعد پھر سے خطبہ دینے کے بعد نماز ہونی چاہیے۔ اگر خطبہ وعظ و نصیحت ہی ہے تو پھر زوال سے پہلے اور بعد میں ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زوال سے پہلے خطبہ دے دینے سے بھی تو وعظ و تذکیر ہو گئی تھی۔

وعظ و نصیحت لوگ نہ سنیں تو بے فائدہ ہے مگر خطیب نے خطبہ ایسے لوگوں کے سامنے دیا جو بہرے ہوں یا بیٹھے بیٹھے سو گئے ہوں تو بھی خطبہ ادا ہو گیا۔ اب نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن

اگر خطبہ کا مقصد وعظ و تذکیر ہو تو اس صورت میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وعظ و تذکیر ہو گئی؟ اور خطبہ ادا ہو گیا۔؟

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ظہر کے فرض چار رکعت ہے اور جمعہ دو رکعت اور جو جمعہ پڑھتا ہے' اسے ظہر نہیں پڑھنا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ظہر کے اعتبار سے اس کی دو رکعت کم ہو گئی۔ لہذا خطبہ جمعہ اسی دو رکعت کے تدارک کے طور پر فرض کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں الخطبۃ موضع الرکعتین (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۳۷) جمعہ کا خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ دو رکعتیں جن کے قائم مقام خطبہ ہے ادائے عبادت اور ذکر الٰہی کے لیے تھیں یا وعظ و تذکیر کے لیے؟۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عہد رسالتؐ اور خلافت راشدہ میں غیر عربی داں حضرات بھی بکثرت مسجد میں موجود ہوتے تھے مگر کسی بھی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے خطبہ جمعہ کو عربی زبان کے بجائے سامعین کی رعایت میں دوسری زبان میں دیا ہو یا کسی سے کہہ دیا ہو کہ اس کا ترجمہ کر دو' تا کہ غیر عربی دان حاضرین بھی سمجھ جائیں' اگر خطبہ کا مقصد حاضرین کو سمجھانا اور نصیحت کرنا تھا تو کوئی تو واقعہ اس قسم کا ملنا چاہیے تھے۔ جب کہ دیگر بہت سے مواقع پر حضورؐ نے' اور خلفائے راشدینؓ نے مترجمین سے بھی کام لیا تھا۔

پھر یہ کہ بہت سے صحابہ کرامؓ بلاد عجم میں پہنچے' ان کی زبانیں بھی سیکھیں' بہت سے صحابہ کرامؓ ایسے تھے کہ ان کی مادری زبان عربی نہیں تھی مثلاً کوئی روم کا تھا' کوئی فارس کا' کوئی حبشہ کا' بہت سے صحابہؓ کئی کئی زبانوں کے ماہر تھے مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ اور حدیث و سیر کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم' خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے خطبے لفظ بلفظ موجود ہیں مگر کوئی خطبہ غیر عربی میں نہیں' حالانکہ ان میں سے بہت سے دوسری زبانیں بھی جانتے تھے اور دوسرے علاقوں (بلاد عجم) میں جا کر خطبہ دیا مگر پھر بھی عربی میں ہی' اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ عربی میں ہونا ہی مسنون و متوارث ہے نہ کہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں۔ اور خطبہ کا مقصد صرف ذکر اللہ' وعظ و تذکیر نہیں ہے ورنہ سامعین کی رعایت میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی کوئی نہ کوئی خطبہ موجود ہوتا یا تاریخ میں اس کا ذکر ملتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

وَ اَمَّا کَوْنُھَا عَرَبِیَّةً فَلِا سْتِمْرَارِ اَھْلِ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمَشَارِقِ وَ الْمَغَارِبِ بِهٖ مَعَ اَنَّ فِیْ کَثِیْرٍ مِنَ الْاَقَالِیْمِ کَانَ الْمُخَاطِبِیْنَ اَعْجَمِیْنَ وَ قَالَ النُّوَوِیُّ فِیْ کِتَابِ الْاَذْکَارِ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ یَشْتَرِطُ کَوْنُھَا بِالْعَرَبِیَّهِ. (شرح مؤطا شاہ ولی اللہ)

خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لیے ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب میں ہمیشہ یہی عمل رہا ہے باوجودیکہ بہت سے ممالک میں مخاطب عجمی لوگ تھے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو۔

ہمارے ملک میں بعض حضرات اس پر بہت زور دیتے ہیں کہ خطبہ اردو زبان میں ہونا چاہیے اور بہت سی جگہوں پر خطیب اردو میں خطبہ دیتا بھی ہے مگر جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ ایسے خطیبوں کا خطبہ بہت لمبا ہوتا ہے اور نماز اس کے مقابلے میں بہت مختصر کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں تقریر کا سا انداز ہوتا ہے بلکہ وہ تقریر ہی کرتے ہیں اس میں بات طویل ہو جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبہ لمبا ہو گیا اور نماز مختصر۔ جب کہ حدیث رسولؐ ہے کہ نماز لمبی ہو اور خطبہ مختصر اور اردو میں خطبہ دینے والے اس کا الٹا کرتے ہیں۔

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَ قِصَرَ خُطْبَتِهٖ مِئَنَّةٌ عَنْ فِقْھِهٖ فَاَطِیْلُوا الصَّلٰوةَ وَ اقْصُرُوا الْخُطْبَةَ. (مسلم ج ۱ ص ۲۸۶)

عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کی نماز کا لمبی ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کے تفقہ کی دلیل ہے۔ پس نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر دو۔

دوسری روایت میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُطِیْلُ الصَّلٰوةَ وَ یَقْصُرُ الْخُطْبَةَ.

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز لمبی پڑھتے اور خطبہ مختصر دیتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۰۹)

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبہ میں بس چند کلمات ادا کرتے تھے۔ (ج ۱ ص ۱۷۴)

اگر خطبہ عربی میں ہوتا تو خطبہ طویل اور نماز مختصر والی بات پیدا ہوتی کیونکہ عربی جاننے کے باوجود مادری زبان اور غیر مادری زبان کا تو فرق پڑتا ہی۔

خطبہ کے وقت نہ نماز جائز ہے نہ بات چیت:

خطبہ کے وقت نہ کوئی نماز جائز ہے، نہ بات چیت مفسرین کے بیان کے مطابق سورۃ اعراف کی یہ آیت۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (آیت/۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

نماز اور خطبہ دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (دیکھئے تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۰، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۰، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۰ و ص ۲۸۱)

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔

وَ قَدِ اسْتَفَاضَ عَنِ السَّلَفِ اَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الْقِرَاةِ فِي الصَّلٰوةِ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ فِي الْخُطْبَةِ وَ ذَكَرَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلِ الْاِجْمَاعُ عَلٰى اَنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ ذَالِکَ.

(فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۲۳ ص ۲۶۹)

سلف سے استفاضہ اور شہرت کے ساتھ منقول ہے کہ یہ آیت قرأت فی الصلوۃ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض کا قول ہے کہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اَحَدُهَا مَا ذَكَرَهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ مِنْ اَجْمَاعِ النَّاسِ عَلٰى اَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصَّلٰوةِ وَ فِي الْخُطْبَةِ وَ كَذَالِکَ قَوْلُهٗ فَاِذَا اَقْرَاءَ فَاَنْصِتُوْا.

(ج ۲۳ ص ۳۱۳)

ایک وہ جو امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح ارشاد نبویؐ فاذاقرا فانصتوا (جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو) بھی۔

وجہ یہ ہے کہ خطبہ بھی آیات قرآنی پر مشتمل ہونے کی بنا پر ''ذکر اللہ'' قرار پایا۔لہٰذا اس ذکر کو بغور سننا اور اس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

احادیث کریمہ میں خطبہ کے وقت مکمل خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ يَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَ يَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى. (بخاری ج ا ص ۱۲۱، ص ۱۲۴)

سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور تیل یا خوشبو لگائے، پھر نماز جمعہ کے لیے نکلے اور وہاں پہنچ کر کسی دو میں تفریق نہ کرے (یعنی لوگوں کو چیر کر اپنی جگہ نہ بنائے بلکہ جہاں جگہ مل جائے، بیٹھ جائے) پھر نماز پڑھے جو مقرر کی گئی ہے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے، ایسے شخص کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے۔

فَصَلّٰى مَا قُدِّرَلَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَعَهٗ.

(ج ا ص ۲۸۳)

پس نماز پڑھی جو اس کے لیے مقدر تھی، پھر خاموش رہا۔ یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

دوسری روایت میں ہے۔

ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَ اَنْصَتَ.

(حوالہ مذکورہ)

پھر جمعہ میں آیا، پس خطبہ کو غور سے سنا اور خاموش رہا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَ الْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ.

(بخاری ج ا ص ۱۲۸ مسلم ج ا ص ۲۸۱ ابن ماجہ ص ۷۹)

جب تم اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران یوں کہو چپ رہو تو یہ بھی تم نے لغو کام کیا۔

گویا خطبہ کے دوران امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کی بھی ممانعت اور ساری توجہ خطبہ کی طرف صرف کرنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب فریضہ کا یہ حال ہو تو تحیۃ الوضو

جیسی مستحب نماز پڑھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

ایک روایت میں ہے۔

ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَدَنٰی وَاسْتَمَعَ وَ اَنْصَتَ. (ترمذی ج ۱ ص ۶۶)

پھر جمعہ میں آیا، امام کے قریب ہوا اور خطبہ کو غور سے سنا اور خاموش رہا۔

ابن عباسؓ کی روایت میں خطبہ کے وقت بات کرنے والے کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کو چپ کرانے والے کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس کا جمعہ ہی نہیں ہوا۔

مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ الْاِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا وَ الَّذِیْ يَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَيْسَ لَهٗ جُمُعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۳)

جس نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بات کی وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر بوجھ لدا ہو (اور وہ اپنی آواز نکال رہا ہو) اور جو شخص اس سے کہے کہ "خاموش رہ" اس کا جمعہ ہی نہیں۔

ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے۔

ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيَرْكَعُ اِنْ بَدَالَهٗ وَ لَمْ يُؤْذِ اَحَدًا ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يُصَلِّیَ.

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۷۱)

پھر جامع مسجد چلا اور وہاں جا کر نماز پڑھی اگر موقع ملا۔ اور کسی کو ایذا نہیں دی (یعنی پھلانگ کر اور صفیں چیر کر) پھر نماز کی ادائیگی تک خاموش رہا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے۔

ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ حَتّٰى يَفْرُغَ عَنْ صَلٰوتِهٖ. (طحاوی ج ۱ ص ۱۸۰)

پھر نماز پڑھی جو اس کے لیے مقرر کی گئی تھی، پھر خاموش رہا جب امام خطبہ کے لیے نکلا۔ یہاں تک کہ اپنی نماز سے فارغ ہو جائے۔

ابوداؤد میں ہے۔

فَاسْتَمَعَ وَ اَنْصَتَ. (ج ۱ ص ۱۶۶)

پس غور سے سنا اور خاموش رہا۔

ان احادیث میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حد خطبہ تک بیان فرما دی کہ نماز اس وقت تک پڑھنا ہے جب تک امام خطبہ کے لیے نہ نکلے، اس کے بعد سکون کے ساتھ پوری دھیان سے خطبہ سننا اور اس کی طرف دل لگانا ہے۔

دوم یہ کہ نماز و سکوت کو ایک دوسرے کے مقابل لا کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ نماز سکوت کے

منافی ہے۔لہٰذا جب خطبہ کے دوران سکوت کا حکم ہوا تو نماز نہ پڑھنے کا بھی حکم ہوا اور خطبہ کے دوران نماز وکلام دونوں ممنوع ہوں گے۔

خطبہ کے وقت فرشتے بھی اپنا رجسٹر بند کر کے مسجد کے اندر آ جاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔

فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ. (بخاری ج ا ص ۱۲۷، مسلم ج اص ۲۸۱ وص ۲۸۳)

پس جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو اپنا رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور ذکر و خطبہ غور سے سنتے ہیں۔

خطبہ کے وقت نماز وکلام (خواہ امر بالمعروف کے ہی قبیل سے ہو) دونوں کی ممانعت نبیشہ ہذلیؓ کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْاِمَامُ خَرَجَ صَلّٰى مَابَدَا لَهٗ وَ اِنْ وَّجَدَ الْاِمَامَ قَدْ خَرَجَ جَلَسَ فَاسْتَمَعَ وَ اَنْصَتَ حَتّٰى يَقْضِىَ الْاِمَامُ جُمُعَتَهٗ وَ كَلَامَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۱)

پس اگر نہ پائے امام کو کہ خطبہ کے لیے نکلا ہے تو نماز پڑھے جو مناسب ہو،اور اگر امام کو پائے کہ خطبہ کے لیے نکل چکا ہے تو بیٹھ جائے پس غور سے سنے اور خاموش رہے یہاں تک کہ امام نماز جمعہ وخطبہ ختم کرلے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علیؓ،حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ،امام کے خطبہ کے لیے نکلنے کے بعد نماز مکروہ سمجھتے تھے۔

(ج ۲ ص ۱۷۱)

عروہ بن زبیرؒ سے مروی ہے کہ۔

اِذَا قَعَدَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلٰوةَ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۱)

جب امام منبر پر بیٹھ جائے، پس کوئی نماز جائز نہیں۔

ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں۔

فَخُرُوْجُ الْاِمَامِ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَ كَلَامُهٗ يَقْطَعُ الْكَلَامَ. (موطا امام مالک ص ۳۸)

امام کا خطبہ کے لیے نکلنا نماز کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا کلام (خطبہ) کلام (دوسروں کی بات) کو ختم کر دیتا ہے۔

اسحٰق بن راہویہؒ اپنی سند میں سائب بن یزیدؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ

کے زمانہ میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے تھے' پس جب عمرؓ منبر پر بیٹھتے تو ہم نماز پڑھنا بند کر دیتے۔ (نصف الرایہ ج ۲ص ۲۰۴)

ان تمام روایتوں کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ وَ الْاِمَامُ عَلَی الْمِنبَرِ فَلَا صَلٰوۃَ وَ لَا کَلَامَ حَتّٰی یَفْرُغَ الْاِمَامُ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْمُعْجَمِ الْکَبِیْرِ.

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہو تو نہ کوئی نماز جائز ہے نہ بات چیت یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ص ۱۸۴)

کیونکہ اس حدیث کا بھی مفہوم بالکل وہی ہے جو آیت کریمہ' احادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ کے حوالہ سے اب تک بیان کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام سلف صالحین (صحابہ کرامؓ و تابعینؒ وغیرہ) سے خطبہ کے وقت نماز و کلام کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے۔(دیکھئے مصنف عبدالرزاق ج ۳ص ۲۰۸' موطا امام محمد ص ۱۳۸' طحاوی شریف ج اص ۱۸۱' موطا امام مالک ص ۳۸ وغیرہ)

جن روایتوں سے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے وہ اس وقت کی روایتیں ہیں جب کہ دوران خطبہ نماز و کلام کی ممانعت وارد نہیں ہوئی' جیسے نماز میں کلام کی منسوخی سے قبل بات چیت کی اجازت تھی' بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی' اسی طرح تحیۃ المسجد کی اجازت بھی خطبہ کے دوران ممانعت نماز و کلام وارد ہونے سے قبل کی ہے۔یا پھر بعض استثنائی مخصوص واقعات ہیں جن کا مخصوص ہونا قرائن و شواہد سے ثابت ہے۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۲۲۵)

نماز عیدین

نماز عیدین کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے بس تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ نماز عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں- پہلی رکعت میں ثنا کے بعد قرأت سے قبل تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین تکبیریں، پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر علیحدہ ہے، اگر ان دونوں کو بھی ان چھ کے ساتھ شامل کرلیا جائے تو ہر رکعت میں حالت قیام میں چار چار تکبیریں ہوگئیں، جس طرح نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہوتی ہیں-

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا مُوْسٰى وَ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُفِي الْاَضْحٰى وَ الْفِطْرِ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ. (ابوداود ج ۱ ص ۱۶۹)

سعید ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے ابو موسیٰؓ نے جواب دیا چار تکبیریں، نماز جنازہ کی تکبیر کی طرح، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا-

دوسری روایت میں ہے-

عَنْ عَلْقَمَةَ وَ الْاَسْوَدُ قَالَا كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ جَالِسًا وَ عِنْدَهُ حُذَيْفَةُ وَ اَبُوْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِيُّ فَسَأَلَهُمْ سَعِيْدُ بْنِ الْعَاصِ عَنِ التَّكْبِيْرِ فِيْ صَلٰوةِ الْعِيْدِ فَقَالَ الْحُذَيْفَةِ سَلِ الْاَشْعَرِيُّ فَقَالَ الْاَشْعَرِيُّ سَلْ عَبْدَاللّٰهِ فَاِنَّهُ اَقْدَ مُنَاوَا عُلْمُنَا فَسَأَلَهُ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَءُ ثُمَّ

علقمہؒ اور اسود کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حذیفہؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے- ان سب سے سعید بن العاصؓ نے عید کی تکبیر کے بارے میں سوال کیا- حذیفہ نے کہا ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھو اس لیے کہ وہ ہم میں سب سے پرانے بھی ہیں اور سب سے بڑے عالم پھر بھی، چنانچہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا انہوں نے جواب دیا چار

يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ فَيَقُوْمُ فِي الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ ثُمَّ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ. تکبیریں کہے پھر قرأت کرے پھر رکوع کرے پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو پہلے قرأت کرے پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۳)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایات موجود ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۵)

عیدین سے متعلق ضروری احکام:

نماز عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت (مسلم ج ا ص ۲۸۹) نماز عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہوگا۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۱، ترمذی ج ا ص ۷۰) عورتیں عید گاہ مین نہ جائیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۲ ص ۱۸۳) عیدین کی نماز میں قرأت جہرا ہوگی۔

(مشکوۃ ج ا ص ۱۲۶)

رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے طاق عدد کھجوریں کھا کر عید گاہ تشریف لے جاتے۔ لہٰذا عید الفطر کے دن کھجور یا کوئی بھی میٹھی چیز کھا کر عید گاہ جانا سنت ہے (بخاری ج ا ص ۱۳۰) لیکن عید الاضحیٰ کے دن نماز عید کے بعد ہی کھانا وغیرہ کھانا چاہیے' یہی مسنون ہے۔ (ترمذی ج ا ص ۷۱) عید گاہ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا سنت ہے۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۴) اگر کسی وجہ سے نماز عید الفطر پہلے دن یکم شوال کو ادا نہ ہو سکے تو دوسرے دن ادا کی جائے اس کے بعد نہیں (ابوداؤد ج ا ص ۱۸۰) لیکن نماز عید الاضحیٰ کسی عذر سے ۱۰/ ذی الحجہ کو نہ ادا کی جا سکے تو گیارہ کو ادا کی جائے۔ اگر گیارہ کو بھی عذر لاحق ہو تو بارہ کو ادا کی جائے۔ یعنی قربانی کے ایام میں ادا کرانے کی گنجائش ہے بشرطیکہ بلا عذر ترک نہ کی جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں دن عید گاہ کے راستہ میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ. پڑھنا چاہیے۔

(بخاری ج ا ص ۱۳۲ وغیرہ)

نماز عیدین کا وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد زوال سے پہلے پہلے ہے۔

(ابن ماجہ ص ۹۴)

نمازِ عید الاضحیٰ جلدی اور نمازِ عید الفطر قدرے تاخیر سے ادا کرنی چاہیے۔

عَنْ اَبِی الْحُوَیْرِث اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَ ھُوَ بِنَجْرَ اَنْ عَجِّلِ الْاَضْحٰی وَ اَخِّرِ الْفِطْرَ۔

(مشکوٰۃ ج ا ص ۲۲۷)

ابو الحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نجران میں تحریر فرمایا کہ نمازِ عید الاضحیٰ جلدی پڑھو اور نمازِ عید الفطر میں تاخیر کرو۔

تراویح

تراویح کسے کہتے ہیں:

تراویح' ترویحہ کی جمع ہے ترویحہ وہ نشست جس میں کچھ راحت لی جائے۔ چونکہ تراویح کی چار رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دعاء پڑھی جاتی ہے اور اس طرح کچھ آرام مل جاتا ہے اس لیے تراویح کی چار رکعت کو ایک ترویح کہا جانے لگا۔ اور چونکہ پوری تراویح میں پانچ ترویحہ ہیں۔ اس لیے پانچوں کا مجموعہ تراویح کہلاتا ہے۔

تراویح وہ نماز ہے جو رمضان المبارک میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے۔ شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

سُمِيَّتِ الصَّلٰوةِ فِي الْجَمَاعَةِ فِيْ لَيَالِيْ رَمَضَانَ التَّرَاوِيْحَ.	رمضان کی راتوں میں نماز باجماعت کا نام تراویح ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۰)

اہل حدیث عالم حافظ عبداللہ بن صاحبؒ لکھتے ہیں۔

''نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے۔'' (ضمیمہ رکعات التراویح)

نیز دیکھئے قسطلانی ج ۳ ص ۴۸۳' یہی وجہ ہے کہ تراویح کو ''قیام رمضان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تہجد کو ''قیام لیل'' سے' جیسا کہ کتب حدیث سے ظاہر ہے۔

تراویح کا اجر و ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْغَبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اَحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''قیام رمضان'' پر ابھارتے تھے' بغیر اس کے کہ کسی تحدید و تاکید کا حکم دیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے رمضان المبارک کی راتوں میں ایمان و احتساب کے ساتھ نماز پڑھی' اس کے اگلے گناہ (صغیرہ) معاف کردیے جائیں گے

اَلْاَمْرُ عَلٰی ذَالِکَ ثُمَّ کَانَ الْاَمْرُ عَلٰی ذَالِکَ فِیْ خَلَافَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذَالِکَ. (بخاری ج ا ص ۲۶۹، مسلم ج ا ص ۲۵۹، ابوداؤد ج ا ص ۲۱۰)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی طرح رہا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی ایام خلافت میں بھی اسی طرح رہا۔

اس حدیث سے تراویح کے اجروثواب کے ساتھ ساتھ درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان (تراویح) کا شوق دلاتے تھے مگر اس کی نہ کوئی تعداد متعین کی تھی نہ کوئی تاکید۔ بلکہ ہر شخص کی صوابدید پر تھا جتنا ہوسکے پڑھے کم یا زیادہ، اور پڑھے یا نہ پڑھے۔

(۲) یہی صورت حال حضرت ابوبکرؓ کی پوری مدت خلافت تک رہی اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں بھی، آیئے ان دونوں باتوں کو مزید تفصیل سے دیکھیں۔

حضورؐ کی تراویح:

عروہ بن زبیرؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ وَ صَلّٰی رِجَالٌ بِصَلٰوتِهٖ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَاجْتَمَعَ اَکْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلّٰی فَصَلُّوْا مَعَهٗ فَاَصْبَحَ النَّاسَ فَتَحَدَّثُوْا فَکَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّیْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَصَلُّوْا بِصَلَاتِهٖ فَلَمَّا کَانَتِ اللَّیْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ اَهْلِهٖ حَتّٰی خَرَجَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ

رسول اللہ علیہ وسلم ایک رات میں نکلے پس آپؐ نے مسجد میں نماز پڑھی اور آپؐ کے پیچھے لوگوں نے بھی وہی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے پچھلی رات کی نماز کا آپس میں تذکرہ شروع کیا چنانچہ دوسری رات پہلے سے زیادہ تعداد ہوگئی پس آپؐ نے نماز پڑھی اور آپؐ کے ساتھ وہی نماز دوسرے لوگوں نے بھی پڑھی۔ صبح ہوئی تو پھر چرچا ہوا اور تیسری رات لوگوں کی تعداد اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ پس آپؐ نے نماز پڑھی، اور آپؐ کے ساتھ لوگوں نے وہی نماز پڑھی، جب چوتھی رات آئی تو مسجد نمازیوں سے

فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَ لٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ. (بخاری ج اص ۱۲۶، ۱۵۲ وص ۲۶۹، مسلم ج اص ۲۵۹)

تنگ ہو گئی اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے ہی نکلے جب نماز فجر ادا کر لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا مجھے تمہاری آمد کا علم تھا لیکن میں ڈرا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے پس تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ دنیا سے تشریف لے گئے اور معاملہ اسی طرح رہا۔

حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے یہ تو ثابت ہوتا ہے یہ واقعہ تین رات پیش آیا، مگر یہ نہیں پتہ چلتا کہ رمضان کی کن تاریخوں کا واقعہ ہے اور لگاتار پیش آیا یا ناغہ کر کے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے یہ ساری باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِّنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ قَالَ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ قَالَ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ فَلَمَّا

جبیر بن نفیرؒ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ ہم نے رمضان المبارک کا روزہ رکھا، پورے مہینہ آپؐ نے ہمیں رات میں نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے تو (تیکسویں رات میں) آپؐ نے نماز پڑھائی یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔ جب چھ دن رہ گئے تو نماز نہیں پڑھائی (یعنی چوبیسویں رات میں) پھر جب پانچ دن رہ گئے تو نماز پڑھائی (یعنی پچیسویں رات میں) یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کاش ان راتوں کا قیام آپؐ ہمارے لیے (فرائض و واجبات کے علاوہ) مزید متعین فرما دیتے۔ آپؐ نے فرمایا جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز عشاء پڑھے پھر اپنے گھر واپس جائے تو پوری رات نماز پڑھنے والا شمار کیا جائے گا۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ جب چار دن رہ گئے تو آپؐ نے ہمیں

كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهُ وَ نِسَاءَهُ وَ النَّاسُ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِينَا اَنْ يَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قَالَ قُلْتُ مَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ.

(ابوداؤد ج ا ص ۲۱۱، ترمذی ج ا ص ۹۹، ابن ماجہ ص ۹۵، نسائی ج ا ص ۲۳۸)

نماز نہیں پڑھائی (یعنی چھبیسویں رات میں) جب تین دن باقی رہ گئے تو آپؐ نے اپنے گھر والوں، عورتوں اور لوگوں کو جمع کیا اور نماز پڑھائی (یعنی ستائیسویں رات میں) اور ایسی طویل نماز تھی کہ ہمیں خوف ہوا کہ ہم سے فلاح فوت ہو جائے گی جبیر بن نفیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "فلاح فوت ہونے" کا کیا مطلب ہے فرمایا "سحری" پھر بقیہ ایام میں حضورؐ نے نماز نہیں پڑھائی۔

زید بن ثابتؓ کی روایت میں چوتھی رات کے متعلق مزید تفصیل یہ بھی ہے۔

ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَّ ظَنُّوْا اَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَازَالَ بِكُمُ الَّذِىْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَ لَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ.

(نسائی ج ا ص ۲۳۷)

پھر ایک رات صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی آواز محسوس نہ کی تو سمجھے کہ آپؐ سو گئے ہیں، کچھ نے کھنکھارنا شروع کیا تا کہ آپؐ باہر تشریف لائیں۔ چنانچہ جب (فجر کے وقت) حضورؐ تشریف لائے تو فرمایا مجھے تمہارے آنے کا حال معلوم تھا لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اگر فرض ہو جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسے ادا نہ کر سکو۔

ان روایات میں تین رات تراویح با جماعت پڑھانے کا ذکر ہے مگر یہ نہیں پتہ چلتا کہ کتنی رکعتیں پڑھائیں۔ آٹھ یا بیس، حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی روایتیں موجود ہیں، اسی لیے محدثین اور علمائے محققین کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے سند صحیح کے ساتھ تراویح کا کوئی مخصوص عدد متعینہ طور پر ثابت نہیں۔ (بذل ج ۲ ص ۳۰۴)

تعداد رکعت:

آٹھ رکعتیں:- جو لوگ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَ لَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، مسلم ج ۱ ص ۲۵۴)

کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں۔ پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

لیکن یہ حدیث آٹھ رکعات تراویح کے بارے میں نہیں، کیونکہ۔

(۱) اس حدیث میں رمضان و غیر رمضان، ہمیشہ گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جب کہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے نہ کہ رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں۔

(۲) اس حدیث میں ایک سلام سے چار چار رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے جب کہ تراویح ایک سلام سے دو، دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

(۳) اس حدیث میں گیارہ رکعات پڑھنے کا جو تذکرہ ہے وہ تنہا پڑھنے کا ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن جو تراویح پڑھی تھی وہ جماعت کے ساتھ تھی جیسا کہ احادیث گذریں۔

(۴) یہ حدیث تراویح سے متعلق نہیں بلکہ تہجد سے متعلق ہے کیونکہ تہجد رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی۔ اور تہجد پڑھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وتر عشاء کے ساتھ پڑھنے کے بجائے تہجد کے ساتھ پڑھے۔

(۵) اگر تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ یہ اصل میں تہجد ہے اور نماز تہجد ہی رمضان میں تراویح بن جاتی ہے اور غیر رمضان میں اسے تہجد کہتے ہیں۔ تو بھی تراویح کی آٹھ رکعتیں متعینہ طور پر مسنون نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی چار، چھ، آٹھ، دس ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ جیسا کہ تفصیل آئے گی۔

(۶) جو لوگ اس حدیث سے آٹھ رکعت تراویح ثابت کرتے ہیں وہ خود بھی اس حدیث کے

خلاف عمل کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں چار چار رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اور وہ دو' دو رکعت پڑھتے ہیں' حدیث میں تین رکعات وتر کا تذکرہ ہے مگر وہ آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کے بعد ایک رکعت وتر پڑھ کر گھر کی راہ لیتے ہیں۔ گویا نو ہی رکعت۔ اور کبھی تین پڑھتے بھی ہیں تو دو سلام سے' یعنی دو رکعت پر سلام پھیر دیتے ہیں پھر ایک رکعت پڑھتے ہیں۔

(۷) اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان ہمیشہ' آٹھ رکعات کے علاوہ تین رکعات وتر کا تذکرہ ہے۔ گویا پورے سال وتر تین ہی رکعات ہونی چاہیے۔ نہ ایک رکعت نہ پانچ نہ سات لیکن آٹھ رکعات تراویح کے قائلین تین کے کم اور ایک کے زیادہ قائل ہیں اور عمل بھی زیادہ تر ایک ہی پر ہے جب کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ وتر تین رکعات پڑھنی چاہیے۔

(۸) محدثین کے نزدیک یہ حدیث قیام رمضان (تراویح) سے متعلق نہیں۔ چنانچہ وہ اس حدیث کو قیام رمضان کے بجائے تہجد کے ابواب میں نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے مسلم ج ا ص ۱۹۶' ترمذی ج ا ص ۵۸' نسائی ج ا ص ۱۵۴' صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۲' موطا امام مالک ۴۲' امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''قیام اللیل'' میں ''قیام رمضان'' کا باب بھی باندھا اور تعداد بیان کرنے کے لیے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں مگر حضرت عائشہؓ کی حدیث زیر بحث نہیں نقل کی (دیکھئے قیام اللیل ص ۹۱ و ص ۹۲) گویا ان کے نزدیک بھی یہ حدیث تراویح سے متعلق نہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ج ا ص ۸۶ پر قیام اللیل (تہجد) میں ہی اسے نقل کیا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسے تہجد سے ہی متعلق مانا ہے۔ اور گیارہ کی حکمت یہ بتائی کہ دن کی نمازوں کی مشابہت ہو جائے۔ یعنی چار ظہر' چار عصر اور تین مغرب' کل گیارہ رکعتیں۔ اسی طرح نماز تہجد چار' چار رکعات اور تین وتر کل گیارہ رکعتیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وَ ظَهَرَ لِيْ اَنَّ الْحِكْمَةَ فِيْ عَدَمِ الزِّيَادَةِ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ اَنَّ التَّهَجُّدَ وَ الْوِتْرَ مُخْتَصٌّ بِصَلٰوةِ اللَّيْلِ وَ فَرَائِضَ النَّهَارِ الظُّهْرُ وَ هِيَ اَرْبَعٌ وَ الْمَغْرِبُ وَ هِيَ ثَلَاثٌ وِتْرُ النَّهَارِ

گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے کی حکمت مجھے یہ سمجھ میں آئی کہ تہجد اور وتر' خاص رات کی نمازیں ہیں اور دن کے فرائض ظہر کی چار رکعات' عصر کی چار رکعت اور مغرب جو کہ دن کی وتر ہے تین رکعت (کل گیارہ رکعتیں ہو گئیں)

فَنَاسَبَ اَنْ تَكُوْنَ صَلٰوةِ اللَّيْلِ كَصَلٰوةِ النَّهَارِ فِي الْعَدَدِ جُمْلَةً وَ تَفْصِيْلًا. (فتح الباری ج ۳ ص ۲۱)

لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ رات کی نماز تعداد و تفصیل میں دن کی نماز کی طرح گیارہ ہی ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

وَ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَكْعَةٍ وَّ ثَلَاثٍ وَ خَمْسٍ وَ هٰكَذَا بِالْاَوْتَارِ اِلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةٍ وَ الرِّوَايَةُ مُتَرَدِّدَةٌ فِيْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَ فِيْ حَدِيْثٍ شَاذٍّ سَبْعَ عَشْرَةَ وَ كَانَتْ هٰذِهِ الرَّكَعَاتُ اَعْنِيْ مَا سَمَّيْنَا جُمْلَتَهَا وِتْرًا بِاللَّيْلِ وَ هُوَ التَّهَجُّدُ. (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر کو ادا کیا ہے۔ اور تیرہ رکعات کی روایت متردد ہے۔ اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعتیں بھی آئی ہیں، یہ تمام رکعتیں جنہیں ہم نے وتر سے موسوم کیا ہے، رات کی نمازیں ہیں، اسی کو تہجد کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ کے اس بیان سے بھی ان گیارہ رکعات کا مع وتر تہجد ہونا ثابت ہوا۔

(۱۰) مذکورہ بالا اسباب وعلل کی وجہ سے یہ حدیث رکعات تراویح کے عدد کو ثابت نہیں کرتی، کیونکہ محدثین کے نزدیک اس کا تراویح سے متعلق ہونا متعین نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل علم اس حدیث کو مضطرب قرار دیتے ہیں۔

قَالَ الْقُرْطَبِيُّ اَشْكَلَتْ رِوَايَاتُ عَائِشَةَ عَلٰى كَثِيْرٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ حَتّٰى نَسَبَ بَعْضُهُمْ حَدِيْثَهَا اِلَى الْاِضْطِرَابِ. (فتح الباری ج ۳ ص ۲۱، عمدة القاری ج ۷ ص ۱۸۷)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بہت سے اہل علم کے لیے مشکل ثابت ہوئی، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے اسے اضطراب کی طرف منسوب کیا۔

بہرحال اس حدیث سے تو تراویح کی آٹھ رکعتیں ثابت نہ ہو سکیں۔ ہاں! دو روایتیں ضرور ہیں جن سے صراحت کے ساتھ آٹھ رکعتیں معلوم ہوتی ہیں مگر وہ دونوں روایتیں بھی حد درجہ ضعیف ہیں لہٰذا قابل استدلال نہیں۔

پہلی روایت :- صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، قیام اللیل اور معجم صغیر میں۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکْعَاتٍ وَّ الْوِتْرَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائی۔

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضورؐ نے تراویح تین رات پڑھائی، اس کے بعد تشریف نہیں لائے۔ اور حضرت جابرؓ کی اس روایت میں صرف ایک رات پڑھنے اور دوسری رات میں نہ نکلنے کا ذکر ہے جیسا کہ اسی روایت میں آگے یوں مذکور ہے۔

فَلَمَّا کَانَتِ اللَّیْلَۃُ الْقَابِلَۃُ اجْتَمَعْنَا فِی الْمَسْجِدِ رَجَوْنَا اَنْ یَّخْرُجَ فَیُصَلِّیْ بِنَا فَاَقَمْنَا فِیْہِ حَتّٰی اَصْبَحْنَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَجَوْنَا اَنْ تَخْرُجَ فَتُصَلِّیْ بِنَا فَقَالَ اِنِّیْ کَرِھْتُ اَوْ خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمُ الْوِتْرُ۔
(قیام اللیل ص، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)

پس جب اگلی رات ہوئی تو ہم مسجد میں جمع ہوئے اس امید پر کہ حضورؐ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے۔ پس ہم صبح تک وہیں رہے، (صبح کے وقت) ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں امید تھی کہ آپؐ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپؐ نے فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔

اور میزان الاعتدال میں لیلۃ (ایک رات) کی تصریح بھی ہے۔ لہٰذا متعین نہیں کہ یہ انہیں تین راتوں میں سے کسی رات کا واقعہ ہے۔ چنانچہ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو انہیں تین راتوں میں سے کسی رات کا واقعہ قرار دینے میں متردد ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۲)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے تین تین راوی ضعیف و مجروح ہیں۔ چنانچہ غور کیجئے کہ یہ حدیث درج ذیل دو سلسلہ سند سے آتی ہے۔

(۱) اسحٰق ابوالربیع، یعقوب قمی، عیسیٰ بن جاریہ، جابر بن عبداللہؓ۔

(۲) محمد بن حمید رازی، یعقوب قمی۔ عیسیٰ بن جاریہ۔ جابر بن عبداللہؓ۔

یہی دو سلسلہ سند ہر جگہ ملے گا خواہ صحیح ابن خزیمہ ہو یا محمد بن نصر مروزیؒ کی قیام اللیل یا کوئی اور کتاب جس میں یہ روایت درج ہو۔

سب سے پہلے دونوں سندوں میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اس

روایت کو نقل کرنے کا جو شخص دعویدار ہے وہ ہے عیسیٰ بن جاریہ۔ اور عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق خود صحیح ابن خزیمہ کے ہی حاشیہ پر ہے۔

عيسى بن جاريه فيه لين. (صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸) عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ہے۔

جب عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ثابت ہوگئی تو یہ پوری روایت ہی کمزور ہوگئی کیونکہ دونوں سندوں سے اس حدیث کا دارومدار عیسیٰ بن جاریہ پر ہی تھا۔

یہ تو عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق صحیح ابن خزیمہ کے محشی کی رائے تھی۔ اب دیگر آئمہ جرح و تعدیل کی آراء ملاحظہ کریں اور سوچیں کہ اس روایت کی کمزوری کس حد تک پہنچ گئی ہے۔

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں ليس بذاك عنده منا كير (وہ قوی نہیں ہے) اس کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں۔

امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں منكر الحديث (وہ منکر الحدیث ہے)

امام نسائی فرماتے ہیں متروک (وہ متروک الحدیث ہے۔ اس کی حدیثیں نہیں لی جاتیں)

ساجیؒ اور عقیلؒ کہتے ہیں ضعفاء میں شامل ہے۔

ابن عدیؒ کہتے ہیں اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں)

(دیکھئے میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷)

یہ کل سات آئمہ ہیں جنہوں نے عیسیٰ بن جاریہ پر شدید جرحیں کی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷ پر عیسیٰ بن جاریہ کو لین الحدیث کہا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱ پر عیسیٰ بن جاریہ کی منکر حدیثوں کی مثال میں یہی حدیث پیش کی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے علامہ سخاویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے جس کی بنا پر اس کی حدیث قابل ترک ہو جاتی ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۹۱)

یہ تو پہلے راوی عیسیٰ بن جاریہ کا حال تھا اس کے بعد دونوں ہی سندوں میں ایک اور نام آتا ہے وہ ہے یعقوب قمی کا نام۔ اس کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں ليس بالقوی وہ قوی نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۴)

دوسری سند میں یعقوب قمی سے پہلے ایک نام محمد بن حمید رازی کا ہے۔ اس کے متعلق امام

ذہبیؒ کہتے ہیں ھو ضعیف وہ ضعیف ہے۔

یعقوب بن شیبہؒ کہتے ہیں کثیر المناکیر بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں فیہ نظر اس میں نظر (اعتراض) ہے۔

ابوزرعہؒ کہتے ہیں وہ جھوٹا ہے کذبہ ابوزرعۃ۔

اسحٰق کوسجؒ کہتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّهٗ كَذَّابٌ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے صالح جزرہؒ کہتے ہیں فِيْ كُلِّ شَيْءٍ يُحَدِّثُنَا مَارَاَيْتُ اَجْرَاَ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ كَانَ يَاْخُذُ اَحَادِيْثَ النَّاسِ فَيَقْلِبُ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ (ہر چیز کے بارے میں حدیثیں بیان کرتا ہے اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا۔ لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے)

ابن خراشؒ کہتے ہیں كَانَ وَ اللّٰهِ يُكَذِّبُ خدا کی قسم! وہ جھوٹا ہے۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں لَيْسَ بِثِقَةٍ وہ معتبر نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹ و ۵۰)

غور کرنے کی بات ہے کہ جس حدیث کے سلسلہ سند میں تین تین ضعیف راوی موجود ہوں۔ اس حدیث کا درجہ کیا رہا۔

بلوغ المرام میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر اس میں رکعتوں کا ذکر ہی نہیں' دوسرا اضطراب یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے۔

فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجَوْنَا اَنْ تَخْرُجَ فَتُصَلِّيْ بِنَا فَقَالَ اِنِّيْ كَرِهْتُ اَوْ خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ. (بلوغ المرام ص ۴۲' ۴۳ صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)

ہم نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں امید تھی کہ آپؐ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے' آپؐ نے فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔

گویا وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے' جب کہ احادیث صحیحہ سے قیام رمضان (تراویح) فرض ہو جانے کے خوف سے تشریف نہ لانا منقول ہے' خود ابن خزیمہؒ نے اس حدیث کا عنوان یوں قائم کیا ہے باب ذکر دلیل بان الوتر لیس بفرض (اس بات کی دلیل کہ وتر فرض نہیں ہے) ج ۲ ص ۱۳۸۔

دوسری روایت:۔ حضرت جابرؓ کی ہی دوسری روایت اس طرح ہے۔

جَاءَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ — ابی بن کعبؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّهُ كَانَ مِنِّی اللَّيْلَةَ شَئٌ يَعْنِىْ فِىْ رَمَضَانَ قَالَ وَ مَا ذَالِكَ يَا اَبِىْ قَالَ نِسْوَةٌ فِىْ دَارِىْ قُلْنَ اِنَّا لَا نَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّىْ بِصَلَاتِكَ قَالَ فَصَلَّيْتَ بِهِنَّ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ وَّ اَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةُ الرِّضَاءِ وَ لَمْ يَقُلْ شَيْئًا. (ابویعلیٰ، قیام اللیل)

آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! رمضان کی گزشتہ رات مجھ سے ایک بات ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا اے ابی؟ جواب دیا میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے تو ہم بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں گے' چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعت پڑھائی اور وتر بھی پڑھائی' پس یہ سنت رضا ہوئی اور حضورؐ نے کچھ نہیں کہا۔

قیام اللیل ص ۱۵۵ پر علامہ مروزیؒ نے اس کی سند نقل کی ہے۔ اس میں بھی وہی خرابی ہے جو پہلی روایت میں ہے۔ یعنی اس کے سلسلہ سند میں بھی عیسیٰ بن جاریہ موجود ہے لہٰذا محدثین کے نزدیک ضعیف' متروک' منکر الحدیث اور غیر معتبر ہونے کی وجہ سے یہ روایت بھی قطعاً قابل استدلال نہیں۔ اس کے علاوہ یعقوب قمی بھی ہے۔ جس نے اس روایت کو مزید ضعیف بنا دیا۔

آٹھ رکعات کی لے دے کے یہی کل تین روایتیں تھیں[1]

اور ان سے تراویح کی آٹھ رکعتوں کا ثابت نہ ہونا بالکل واضح ہے۔

آٹھ سے زائد:- موطا امام مالکؒ میں آٹھ رکعات سے زائد کی یہ روایت موجود ہے۔

عَنْ دَاوٗدَ بْنِ الْحُصَيْنِ اَنَّهُ سَمِعَ الْاَعْرَجَ يَقُوْلُ مَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِىْ رَمَضَانَ وَ كَانَ الْقَارِیُّ يَقْرَاُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِىْ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِىْ اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ. (ص ۴۲)

داؤد بن حصینؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے اعرجؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ رمضان المبارک میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے اور امام آٹھ رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھ ڈالتا' پھر جب بارہویں رکعت میں کھڑا ہوتا تو لوگوں کو محسوس ہوتا کہ اب اس نے قرأت میں تخفیف کر دی ہے۔

---

[1] یعنی روایت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی یہ دو روایتیں۔ ایک روایت یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں گیارہ کا ہی حکم دیا تھا مگر وہ راوی کا وہم ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا بیس رکعات کا حکم دینا روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے۔ تفصیلی بحث اسی کتاب کے ص ۲۷۳ پر آ رہی ہے۔

اس کی سند صحیح ہے اور کسی نے بھی کلام نہیں کیا- اس حدیث سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آٹھ رکعات سے زائد تراویح پڑھنا صراحتہً ثابت ہے- کم از کم بارہ رکعت کا تذکرہ اسی روایت میں موجود ہی ہے اور آگے کی نفی نہیں بلکہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ امام پوری سورۂ بقرہ آٹھ رکعات میں پڑھ ڈالتا تھا- اس کے بعد بارہویں رکعت میں قرأت میں تخفیف کرتا- یعنی کم' کم پڑھ کر رکوع' سجدہ کرتا' اور رمضان المبارک میں باجماعت پڑھنے کا تذکرہ ہے جس نے اس نماز کا تراویح ہونا اور مؤکد کر دیا-

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ حضورؐ کے زمانہ میں تراویح صرف تین دن ہوئی' کیونکہ تین دن تو خود حضورؐ کے عمل سے ثابت ہے- لیکن صحابہ کرامؓ اپنے اپنے طور پر متفرق جماعتیں کر کے تراویح پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں انہیں متفرق جماعتوں کو ایک امام کے پیچھے اکٹھا کر دیا تھا-

بیس رکعتیں:- بیس رکعات تراویح کی روایت یہ ہے-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّىْ فِىْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّالْوِتْرَ اِنْتَهٰى.	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے-

(ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۳۹۴' بیہقی ج ۲ص ۴۹۶' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۳ص ۱۴۸' منتخب مسند حمید بن حمید ج اص ۲۳۱۷ وغیرہ)

اس کے سلسلہ سند میں بھی ایک ضعیف راوی ابراہیم بن عثمان موجود ہے-

حضورؐ سے تراویح کا کوئی متعین عدد منقول ہے یا نہیں؟:

خلاصہ یہ ہے کہ آٹھ یا بیس کی کوئی بھی روایت احتمال اور ضعف سے خالی نہیں' لہٰذا سند صحیح کے ساتھ اور بالصراحت کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین رات کی تراویح میں متعین طور پر کتنی رکعتیں پڑھی تھیں- آٹھ یا بیس- یہی وجہ ہے کہ علماء محققین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے تراویح کی رکعتوں کا کوئی متعین عدد ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بس اتنی ہی

پڑھی ہوں، نہ اس سے کم اور نہ زائد۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

اَنَّ نَفْسَ قِیَامِ رَمَضَانَ لَمْ یُوَقِّتِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهِ عَدَدًا مُعَیَّنًا بَلْ هُوَ کَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَ لَا غَیْرِهٖ عَلٰی ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَکْعَةً کَانَ یُطِیْلُ الرَّکْعَاتَ فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ کَانَ یُصَلِّیْ بِهِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً ثُمَّ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔

قیام رمضان (تراویح) کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عدد متعین نہیں کیا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات پر زیادہ نہیں کرتے تھے۔ رکعتیں لمبی پڑھتے تھے۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں سب لوگوں کی ایک جماعت قائم کر دی تو وہ بیس رکعتیں پڑھاتے تھے پھر تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

لیجئے! ابن تیمیہ کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے یعنی گیارہ کے بجائے تیرہ۔ اور حضور نے قیام رمضان (تراویح) کی رکعتوں کی کسی عدد معین کے ساتھ تحدید بھی نہیں فرمائی۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

مَنْ ظَنَّ اَنَّ قِیَامَ رَمَضَانَ فِیْهِ عَدَدٍ مُعَیَّنٍ مُوَقَّتٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ سَلَّمَ لَا یُزَادُ عَلَیْهِ وَ لَا یُنْقَصُ فَقَدْ اَخْطَأَ۔

جو یہ سمجھے کہ قیام رمضان کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی متعین عدد منقول ہے جس میں نہ زیادتی کی جا سکتی ہے نہ کمی، وہ غلطی پر ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۱۷۵)

علامہ سبکی شافعی شرح منہاج میں لکھتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ یُنْقَلْ کَمْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ تِلْکَ اللَّیَالِیْ هَلْ هُوَ عِشْرُوْنَ اَوْ اَقَلَّ۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھیں، بیس یا کم۔

(تحفۃ الاخیار ص ۱۹۶)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ مصابیح میں لکھتے ہیں۔

اِنَّ الْعَلَمَاءَ اِخْتَلَفُوْا فِیْ عَدَدِهَا وَ لَوْثَبَتَ ذَالِکَ مِنْ فَعَلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَخْتَلِفْ فِیْهِ. (ص ۴۲)

علماء نے تراویح کی رکعات میں اختلاف کیا ہے۔اور اگر یہ (تراویح کی متعین رکعتیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہوتیں تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

وَ الْحَاصِلُ الَّذِیْ دَلَّتْ عَلَیْهِ اَحَادِیْثُ الْبَابِ وَ مَا یُشَا بِهِمَا هُوَ مَشْرُوْعِیَّةُ الْقِیَامِ فِیْ رَمَضَانَ وَ الصَّلٰوةُ فِیْ جَمَاعَةٍ وَ فُرَادٰی فَقَصَرَ الصَّلٰوةَ الْمُسَمَّاةَ بِالتَّرَاوِیْحِ عَلٰی عَدَدٍ مُعَیَّنٍ وَ تَخْصِیْصِهَا بِقِرَاةٍ مَخْصُوْصَةٍ تَرِدْبِهِ سُنَّةٌ.

احادیث باب کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کا قیام مشروع ہے' اور نماز جماعت کے ساتھ بھی پڑھی جائے گی اور تنہا بھی۔ پس تراویح کو کسی متعین عدد میں منحصر اور کسی خاص قرأت کے ساتھ مخصوص کر دینے کے بارے میں حدیث وارد نہیں ہوئی۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳)

رکعات تراویح اور صحابہ کرامؓ:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات تراویح کا کوئی مخصوص عدد سند صحیح کے ساتھ بالصراحت مروی نہیں[1] اور محتمل وضعیف الاسناد احادیث کی جہاں تک بات ہے تو آٹھ بھی ثابت ہیں اور بیس بھی' لہٰذا ضروری ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل کو دیکھا جائے کہ وہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے کیونکہ وہی اسلام کے اولین مخاطب اور قول وفعل رسولؐ کے شارح تھے۔ انہوں نے سنت رسولؐ پر جس طرح عمل کیا وہ سنت رسولؐ پر عمل کرنے کے جیسے شیدائی تھے اس کی نظیر ومثال نہیں مل سکتی اور بعد کے لوگ تو ان کی برابری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ہم صحابہ کرامؓ کو دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی میں ہی حضورؐ کی اس سنت (تراویح) پر عمل کرنے لگے تھے' مختلف جماعتوں میں' متفرق ہو کر' الگ الگ ٹولیوں میں بٹ کر وہ تراویح پڑھتے

---

[1] اظہار المحمود ج ۲ ص ۳۰۴۔

رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے لیکن کبھی اس پر ناپسندیدگی یا ناگواری کا اظہار نہیں کیا، بلکہ پسندیدگی اور رضامندی کی سند عطاء فرمائی۔ کیونکہ تراویح کو آپؐ نے ہی سنت فرمایا تھا۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سَلَّمَ رَمَضَانَ فَقَالَ شَهْرٌ فَرَضَ اللّٰهُ صِيَامَهُ وَ سَنَنْتُ اَنَا قِيَامَهُ.

(ابن ماجہ ۹۵، بیہقی، نسائی، ابن شیبہ)

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر کیا۔ پس فرمایا رمضان المبارک ایسا مہینہ ہے کہ جس کے روزوں کو اللہ نے فرض کیا ہے اور اس کی رات کی نماز کو میں نے مسنون کیا ہے۔

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظیؓ روایت کرتے ہیں۔

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ فَرَاٰى نَاسًا فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ يُصَلُّوْنَ فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ هٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمُ الْقُرْاٰنُ وَ اُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ يَقْرَاُ وَ هُمْ مَعَهُ اَحْسَنُوْا وَ قَدْ اَصَابُوْا وَ لَمْ يَكْرَهْ ذَالِكَ لَهُمْ.

(رواہ البیہقی فی المعرفۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی ایک رات میں نکلے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد نبویؐ کے ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ایک شخص نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ! یہ قرآن کے حافظ نہیں، ابی بن کعبؓ قرأت کر رہے ہیں اور یہ لوگ ان کے ساتھ وہی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ان لوگوں نے اچھا کیا اور درست کیا۔ آپؐ نے ان لوگوں کے لیے اسے ناپسند نہیں کیا۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد شریف میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابُوْا وَ نِعْمَ مَا صَنَعُوْا. (ج ا ص ۲۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے درست کیا اور بڑا اچھا کام کیا۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے مروی ہے کہ۔

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَ

میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجد نبویؐ کی جانب نکلا تو لوگ

النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَ يُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ اَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَ احِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ.

(بخاری ج۱ص۲۶۹' موطا امام مالک ص۴۲)

مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آئے' کوئی خود نماز پڑھ رہا تھا' کوئی کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر پڑھ رہا تھا- حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دوں تو بہت عمدہ ہوتا پھر اس کا پختہ ارادہ کر لیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں سب کو جمع کر دیا-

دوسری روایت میں ہے-

عَنْ نَوْفَلِ بْنِ اَيَاسِ الْهُذَلِيِّ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي الْمَسْجِدِ فَيَتَفَرَّقُ هٰهُنَا فِرْقَةٌ وَ هٰهُنَا فِرْقَةٌ وَ كَانَ النَّاسُ يَمِيْلُوْنَ اِلٰى اَحْسَنِهِمْ صَوْتًا فَقَالَ عُمَرُ اَرَاهُمْ قَدِ اتَّخَذُوا الْقُرْاٰنَ اَغَانِيَ اَمَا وَ اللّٰهِ لَئِنْ اسْتَطَعْتُ لَاُ غَيِّرَنَّ فَلَمْ يَمْكُثْ اِلَّا ثَلٰثَ لَيَالٍ حَتّٰى اَمَرَ اُبَيًّا فَصَلّٰى بِهِمْ.

(رواہ البخاری فی خلق افعال العباد و ابن سعد و جعفر الفریابی و اسنادہ صحیح (آثار السنن ج۲ص۵۱)

نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسجد نبوی میں نماز (تراویح) پڑھتے تھے مختلف گروہوں میں تقسیم رہتے تھے' ایک گروہ یہاں پڑھتا' دوسرا گروہ وہاں' لوگ سب سے اچھی آواز والے امام کی طرف مائل ہوتے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں نے قرآن کو گانے کی چیز بنالیا ہے- خدا کی قسم! اگر مجھے استطاعت ہوئی تو اسے ضرور بدل دوں گا' چنانچہ اس بات کے تین راتوں کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم دیا لہٰذا وہ سب کو نماز پڑھانے لگے-

ان روایات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں-

(۱) حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی صحابہ کرامؓ تراویح پڑھتے تھے اور حضورؐ نے دیکھ کر پسند فرمایا-

(۲) یہ تراویح باجماعت ہوتی تھی' مگر ایک امام کے پیچھے نہیں بلکہ ایک ہی مسجد میں مختلف اماموں کے پیچھے- گویا ایک ہی مسجد میں تراویح کی کئی کئی جماعتیں ہوتی تھیں-

(۳) تراویح کی یہ متفرق جماعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتی رہیں اور آپؐ کے بعد بھی- مثلاً حضورؐ کے زمانہ میں ہونے کا تذکرہ ثعلب بن ابی مالک قرظیؓ اور حضرت

ابو ہریرہؓ کی روایات اور عہد فاروقی میں ہونے کا ذکر عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ اور نوفل بن ایاسؒ کی روایات سے ظاہر ہے۔

(۴) حضرت عمرؓ فاروق نے انہیں متفرق جماعتوں کو ملا کر ایک جماعت کر دی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو ان سب کا امام مقرر کر دیا[1] تا کہ مختلف جماعتوں کی وجہ سے اختلاف وانتشار نہ ہو اور ان لوگوں کی اس خواہش کی بھی تکمیل ہو جائے کہ سب سے اچھے قرآن پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھیں تا کہ قرآن سے رغبت بڑھے۔

ابی ابن کعبؓ کے متعلق حضورؐ کا ارشاد تھا اقرأکم ابی بن کعب (تم میں سب سے اچھے قاری ابی بن کعبؓ ہیں)

(۵) مگر ان روایات سے ایک بات کا پتہ نہیں چلتا۔ وہ یہ کہ جو صحابہ کرامؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متفرق جماعتوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے وہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے حکم سے پہلے متفرق جماعتوں والے کتنی رکعتیں ادا کرتے تھے۔ آٹھ یا بیس یا کوئی اور تعداد؟۔

البتہ داؤد بن حصین کی مؤطا امام مالک ص ۴۳ کی روایت (جو گزر چکی) میں صحابہ کرامؓ کا بارہویں رکعت کا تذکرہ سند صحیح کے ساتھ صاف طور پر موجود ہے اور بارہ سے آگے کی نفی بھی نہیں ہے بلکہ انداز بیان بتاتا ہے کہ بارہ کے بعد بھی نماز ہوتی تھی۔

اس روایت سے صحابہ کرامؓ کا یہ صریح طرز عمل معلوم ہوا کہ وہ آٹھ سے زائد پڑھتے تھے اور اسی روایت سے بارہ سے زائد بیس کی طرف اشارہ ملا اور جہاں تک حضرت عمرؓ بن خطاب کی بات

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تین دن کے بعد باجماعت تراویح کا ترک اس خوف سے تھا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور امت بعد میں چل کر اپنی تساہلی اور غفلت کی وجہ سے ادا نہ کر سکے مگر حضورؐ کی وفات کے بعد فرض ہونے کا امکان باقی نہیں رہا اور اس کا مسنون ہونا حضورؐ کی ترغیب وتلقین سے ثابت ہی تھا لہٰذا رفع مانع کے بعد حضرت عمرؓ نے مختلف جماعتوں کی ایک جماعت کر دی تا کہ تراویح اسی طرح ایک امام کے پیچھے ادا ہو جس طرح حضورؐ کی زندگی میں تین رات ادا ہوئی تھی۔ پھر تمام صحابہ کرام کا بالاتفاق اس پر عمل پیرا ہو جانا، جس سے یہ نماز سنت مؤکدہ قرار پائی۔

ہے تو انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس ہی رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا (جیسا کہ روایات آ رہی ہیں) حضرت عمرؓ کے اس حکم پر کسی بھی صحابیؓ نے انکار نہیں کیا' یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کی گیارہ رکعات والی روایت آٹھ کے قائلین پیش کرتے ہیں' انہوں نے بھی حضرت عمرؓ پر کوئی گرفت نہیں کی کہ آپ سنت رسولؐ کے خلاف بجائے آٹھ کے بیس کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟ گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک بھی تراویح کی بیس ہی رکعتیں مسنون تھیں- اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور حضرت علیؓ بھی' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' عبداللہ بن عمرؓ بھی- عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ وغیرہ- کا بالاتفاق اجماعی طور پر بیس رکعتوں کو تسلیم کر لینا اور ابی بن کعبؓ کے پیچھے بیس کی ادائیگی میں مشغول و مصروف ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسے حضورؐ کی سنت کے عین مطابق سمجھتے تھے- اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیس والی روایت اگرچہ بعد کے راوی کی وجہ سے ضعیف قرار پاتی ہے مگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماعی فیصلے نے اسے تقویت دے دی اور بتا دیا کہ بعد کے زمانہ کے اعتبار سے خواہ اس میں ضعف ہو مگر صحابہ کرامؓ کے نزدیک وہ کسی طرح ضعیف نہیں تھی کیونکہ اگر صحابہ کرامؓ کے نزدیک وہ ضعیف ہوتی اور حضور کی سنت کے خلاف ہوتی تو اسے برداشت کر لینا صحابہ کرامؓ کے اس مخصوص مزاج کے خلاف تھا جس پر قرآن و حدیث گواہ ہیں کہ وہ خلاف سنت اور خلاف حق کوئی بات' کوئی حکم' کوئی چیز ایک لمحہ کے لیے بھی قطعی طور پر گوارہ نہ کر سکتے تھے' خواہ اس کے لیے انہیں ابتلاء و آزمائش کے کتنے ہی مراحل سے کیوں نہ گزر جانا پڑے- ایک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا' سینکڑوں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں کسی غلط بات اور خلاف سنت امر پر مجبور نہیں کر سکتے تھے- اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں زبان رسالت سے کہیں تو کہا گیا لَوْ کَانَ بَعْدِی نَبِی لَکَانَ عُمَرَ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہی ہوتے) کہیں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبُہٗ (اللہ نے کلمہ حق' عمرؓ کی زبان اور قلب پر جاری کر دیا ہے) کہیں کہا گیا اِنَّ الشَّیْطَانَ یَخَافُ مِنْکَ یَا عُمَرَ (اے عمرؓ! تم سے شیطان بھی خوف کھاتا ہے) اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے مَا کُنَّا نَبْعُدُ اِنَّ السَّکِیْنَتَہ تَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ (ہم لوگ- یعنی صحابہؓ اس کو بعید نہیں سمجھتے

تھے کہ سکینہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر بولتا ہے[۱]) ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیان کردہ ان خصوصیات کے حامل حضرت عمرؓ آٹھ رکعات مسنون تراویح چھڑوا کر بیس رکعات غیر مسنون کا حکم دے سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔

امام ابوداؤد سجستانیؒ فرماتے ہیں۔

اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذبہ اصحابہ. (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳)	جب دو متضاد حدیثیں ہمارے سامنے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کس کے مطابق ہے۔

یقیناً حضور ﷺ کے قول و عمل سے صحیح سند اور غیر مضطرب روایت کے ساتھ رکعات تراویح کا کوئی متعین عدد ثابت نہیں، لیکن صحابہ کرامؓ کے اجماعی فیصلے نے بتا دیا کہ حضورؐ کی تراویح کی رکعتیں بیس ہی تھیں اور بیس ہی مسنون ہیں اور اس اعتبار سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیس والی روایت عہد صحابہ میں ہر قسم کے ضعف سے خالی اور استدلال کی پوری قوت کی حامل نظر آتی ہے۔ اور عہد صحابہؓ کے بعد اس کے سلسلہ سند میں کسی ضعیف راوی کا شامل ہو جانا اس کے درجے اور مرتبے کو کسی طرح کم نہیں کرتا۔ اشکال تو اس وقت ہوتا جب بیس رکعتوں کو صحابہ کرامؓ نے تسلیم نہ کیا ہوتا۔ یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ بیس پر خلفائے راشدین (عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ[۲]) نے عمل کیا، اجلہ صحابہؓ نے عمل کیا، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ (ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ احمد بن حنبلؒ) نے تسلیم کیا، مختصر یہ کہ چند گنے چنے افراد کو چھوڑ کر پوری امت نے ہاتھوں ہاتھ لیا، پھر یہ اشکال ہی کہاں رہ جاتا ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے۔ کیا یہ سب لوگ خلاف سنت پر ہی عمل کرانے کے درپے ہیں؟ کیا انہیں سنت رسولؐ سے محبت نہیں ہے؟۔

ایک دوسرے اعتبار سے سوچئے تو بیس پر عمل کرنا اس لیے بھی بہتر ہے کہ اگر حضور کی تراویح بیس رکعات تھی تو آٹھ پڑھنے والا سنت سے محروم رہا اور اگر آٹھ رکعت تھی تو بیس میں آٹھ شامل

---

۱ یہ ساری احادیث کریمہ مشکوۃ جلد ثانی ص ۵۵۶ باب مناقب عمر میں ترمذی، ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ کے حوالے سے درج ہیں۔

۲ خلافت صدیقی میں تراویح کی ایک جماعت نہیں ہوتی تھی جیسا کہ ص ۲۶۹ پر گزر چکا ہے۔

ہے۔ بیس پڑھنے والا بہر حال آٹھ پر عمل کرنے والا قرار پائے گا اور سنت سے محروم نہیں رہے گا۔

بہر حال اب بیس رکعتوں پر خلفائے راشدین سمیت دیگر اجلہ صحابہؓ، تابعین تبع تابعین، آئمہ اربعہ اور امت کے اجماعی عمل کی روایات ملاحظہ فرمائیں۔

بیس رکعتوں کا ثبوت' خلفائے راشدینؓ سے:

حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں ہونا درج ذیل روایات سے ثابت ہے۔

(۱) یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے۔

اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ انہیں (صحابہ و تابعین کو) بیس رکعات پڑھائے۔

(۲) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (موطا امام مالک ص ۴۳)

یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ و تابعینؒ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیئس رکعتیں پڑھتے تھے (بیس تراویح، تین وتر)

(۳) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَصِيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَ كَانُوْا يَقْرَأُوْنَ بِالْمِئِيْنَ وَ كَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ. (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

یزید بن خصیفہ، سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تراویح میں کئی سو آیتیں پڑھتے تھے' اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں شدت قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

(۴) کنز العمال میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

فَصَلّٰى لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (ج ۲ ص ۲۸۴) انہوں نے انکو (صحابہؓ و تابعینؒ کو) بیس رکعتیں پڑھائیں

(۵) عَنْ عَبْدِالْعَزِیْزِ بْنِ رُفَیْعٍ قَالَ کَانَاُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ بِالْمَدِیْنَہِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

عبد العزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں بیس رکعتیں اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

(۶) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ اَنَّ عَلِیًّا دَعَا الْقُرَّافِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَجُلًا اَنْ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ کَانَ عَلِیٌّ یُوْتِرُ بِھِمْ.

(معرفۃ السنۃ للبیہقی ج ا ص ۴۷۷، وسنن کبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء کو بلایا پس ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا حکم' حدیث مرفوع:

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعتوں کا ہی حکم کیوں دیا؟ نہ اس سے کم نہ زیادہ' کوئی نماز کتنی تعداد میں پڑھی جائے اور کس طرح پڑھی جائے؟ یہ کوئی عقلی چیز نہیں کہ عقل سے سوچ کر آدمی بتادے۔ نماز کا طریقہ' نماز میں رکعتوں کی تعداد' یہ وہ امور ہیں کہ جن میں عقل' اجتہاد کا ذرا بھی دخل نہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیس رکعتوں کا حکم دیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جو اسے تسلیم کیا' وہ سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل اسی طرح سنا اور دیکھا تھا۔ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے بالکل بیشی از خود بیس رکعتوں پر اجماع کر لینا اور اسے متفقہ طور پر تسلیم کر لینا' ممکن نہیں' کیونکہ یہ عقلی اور اجتہادی چیز نہیں تھی کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہی رہیں گی نہ اس سے کم ہوں گی' نہ زیادہ اور کسی ایسے امر میں کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول و فعل جس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

مَا یَقُوْلُ الصَّحَابِی الَّذِیْ لَمْ یَاْخُذْ مِنَ الْاِسْرَائِیْلِیَّاتِ مَا لَا اِجْتِهَادَ فِیْهِ وَ لَا لَهٗ تَعَلُّقٌ بِبَیَانِ لُغَةٍ اَوْ شَرْحِ غَرِیْبٍ ...... وَ اِنَّمَا کَانَ لَهٗ حُکْمُ الْمَرْفُوْعِ لِاَنَّهٗ اَخْبَارُهٗ بِذَالِکَ یَقْتَضِیْ مُخْبِرًالَهٗ وَ مَالَا مَجَالٌ لِلْاِجْتِهَادِ فِیْهِ یَقْتَضِیْ مَوْقِفًا لِلْقَائِلِ بِهٖ وَ لَا مَوْقِفٌ لِلصَّحَابَةِ اِلَّا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ... الخ

(شرح نخبۃ الفکر ص ۷۶)

صحابیؓ کا وہ قول بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے جسے اس نے اسرائیلیات سے نہ لیا ہو نہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو نہ اس کا تعلق کسی لغت کے بیان یا کسی نامانوس لفظ کی شرح سے ہو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں اس لیے ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کی اس کی اس قسم کی خبریں کسی خبر دینے والے کو چاہتی ہیں، جب اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں تو کہنے والے کے لیے کوئی واقفیت اور اطلاع کی جگہ ہوگی جہاں سے اس نے یہ بات حاصل کی ہو اور صحابہ کرامؓ کی واقفیت کی جگہ حضورؐ کے سوا کوئی نہیں۔

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔

هَلْ کَانَ لِعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَهْدٌ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَمْ یَکُنْ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مُبْتَدِعًا.

(فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۲۰، مراقی الفلاح ص ۱۸۱، البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶)

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیس رکعات کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات معلوم تھی؟ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حضرت عمرؓ بدعت کو ایجاد کرنے والے نہ تھے۔ (یعنی بلاشبہ حضرت عمرؓ کو بیس رکعتوں کے متعلق حضورؐ سے کوئی بات ضرور معلوم تھی ورنہ وہ اپنی طرف سے بیس کی تعیین نہ کر دیتے۔)

دیگر صحابہؓ و تابعینؒ:

(۱) وَ فِیْ قِیَامِ اللَّیْلِ قَالَ الْاَعْمَشُ کَانَ اَیْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ یُصَلِّیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵)

قیام اللیل میں ہے کہ اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر۔

(۲) عَنْ اَبِی الْخَصِیْبِ قَالَ کَانَ

ابو الخصیبؒ کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ

يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِيْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (بیہقی ج۲ص۴۹۶)

رمضان المبارک میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویحوں میں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۳) نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ۔

كَانَ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ يُصَلِّيْ بِنَافِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبہؒ ج۲ص۳۹۳)

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

اَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. (حوالہ مذکورہ)

علی بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں رمضان المبارک میں پانچ ترویحے اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

(۵) حضرت عطاء بن رباحؒ سے مروی ہے کہ۔

اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَ هُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ. (حوالہ مذکور)

میں نے لوگوں (صحابہؓ وتابعینؒ) کو پایا کہ وہ مع وتر تیئیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۶) عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكْلٍ وَ كَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. (بیہقی ج۲ص۴۹۶ ومصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۳۹۳)

شتیر بن شکل رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرام اللہ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے وہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

(۷) عَنِ الْحَارِثِ اَنَّهُ كَانَ يَؤُمَّ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۳۹۳)

حارث رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں لوگوں کو امامت کرتے اور بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۸) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانِ عِشْرِيْنَ

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وتابعین رحمۃ اللہ علیہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

رَكْعَةً. (قیام اللیل ص ۹۱) زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۹) ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ نے بیس رکعتوں پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے (المغنی ج ۲ ص ۱۶۷) علامہ ابن حجر ہیثمیؒ اور ابن عبدالبرؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ (تحفۃ الاخیار ص ۱۹۷، مرقات ج ۲ ص ۱۷۴) امام غزالی بھی اسی کے قائل ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۸)

ائمہ اربعہ:

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ یہ سب کے سب بیس رکعات تراویح کو مسنون قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام مالکؒ چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے یعنی بیس میں سولہ (۱۶) کے اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ ہر چار رکعت پر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا کرتے تھے اور اہل مدینہ ظاہر ہے کہ اس پر قادر نہیں تھے لہٰذا انہوں طواف کا بدل یہ نکالا کہ ہر طواف کے عوض چار رکعتیں مزید پڑھنے لگے تاکہ اہل مکہ سے برابری ہو سکے۔ کہ اگر اہل مکہ بیس رکعتوں کے ساتھ چار مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں تو یہ لوگ بیس رکعتوں کے ساتھ مزید سولہ رکعتیں پڑھ لیتے ہیں۔ چونکہ اہل مدینہ کے ہی عمل کو امام مالکؒ نے اختیار کیا تھا اس لیے وہ بھی بیس کے ساتھ مزید سولہ رکعتوں کے قائل تھے۔

ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

إِنَّمَا فَعَلَ هٰذَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لِاَنَّهُمْ اَرَادُوْا مُسَاوَاةَ اَهْلِ مَكَّةَ فَإِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ يَطُوْفُوْنَ سَبْعًا بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيْحَتَيْنِ فَعَلَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مَكَانَ كُلِّ سَبْعٍ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ. (المغنی ج ۲ ص ۱۶۷)

اہل مدینہ نے یہ اس لیے کیا تھا کہ اہل مکہ کے ساتھ برابری ہو جائے کیونکہ اہل مکہ ہر دو تراویحوں کے درمیان سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے لہٰذا اہل مدینہ نے ہر سات طرف کی جگہ چار رکعتیں رکھ دیں۔

پھر ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ لیکن چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس رکعات مروی ہیں اس لیے ہمیں اسی کی اتباع کرنی چاہیے۔ خواہ کسی جگہ بھی رہیں۔

وَ مَا كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلٰى وَ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ. (حوالہ مذکورہ)

اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اولیٰ ہیں اور اتباع کے زیادہ حق دار ہیں۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں۔

وَ اخْتَلَفُوْا فِي الْمُخْتَارِ مِنْ عَدَدِ الرَّكْعَاتِ الَّتِيْ يَقُوْمُ بِهَا النَّاسُ فِيْ رَمَضَانَ فَاخْتَارَ مَالِكٌ فِيْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ وَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ الشَّافِعِيُّ وَ اَحْمَدُ وَ دَاوٗدُ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ وَ ذَكَرَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ يَسْتَحْسِنُ سِتًّا وَّ ثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَ الْوِتْرُ ثَلَاثٌ.

(ہدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۷۹)

رکعات تراویح کے مختار عدد کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اور داؤد ظاہری رحمۃ نے وتر کے علاوہ بیس رکعتوں کو اختیار کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس (۳۶) رکعات اور تین رکعات وتر کو بہتر سمجھتے تھے۔

شوافع کا توشیح میں بیس رکعات کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔ (بذل ج ۲ ص ۳۰۵)

ابن قدامہ حنبلیؒ رکھتے ہیں۔

وَ الْمُخْتَارُ عِنْدَ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ فِيْهَا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَ بِهٰذَا قَالَ الثَّوْرِيُّ وَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ الشَّافِعِيُّ وَ قَالَ مَالِكٌ سِتَّةٌ وَ ثَلَاثُوْنَ وَ تَعَلَّقَ بِفِعْلِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ. (المغنی ج ۲ ص ۱۶۷)

امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں مختار و پسندیدہ ہیں۔ اسی کے قائل ہیں سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ بھی۔ اور امام مالکؒ چھتیس رکعات کے قائل ہیں اہل مدینہ کے فعل سے تعلق پیدا کرتے ہوئے۔

دیگر ائمہؒ کبار و علمائے محققینؒ:

عام طور پر تمام ائمہ کبار اور علمائے محققین بیس کے ہی قائل ہیں لیکن بعض بیس سے بھی زیادہ کے جیسا کہ امام مالکؒ کا حوالہ گزرا اس کے علاوہ کچھ اور حضرات اس سے بھی زیادہ کے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔

وَ اخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ فَرَاٰى بَعْضُهُمْ اَنْ يُّصَلِّيَ اِحْدٰى وَ اَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ

اہل علم نے رمضان (تراویح) کے بارے میں اختلاف کیا ہے ان میں سے بعض مع وتر اکتالیس رکعتوں کے قائل ہیں یہی اہل مدینہ کا

قَوْلُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ وَ اَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَارُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَ عُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَ الشَّافِعِيِّ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَ هٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (ترمذی شریف ج اص ۹۹)

قول ہے اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل ہے[1] اور اکثر اہل علم ان بیس رکعتوں کے قائل ہیں جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان دونوں کے علاوہ دیگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، یہی سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعیؒ کا قول ہے[2] اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایسے ہی اپنے شہر مکہ میں پایا کہ وہ بیس رکعتیں پڑھتے ہیں[3]

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح ہوا کرتی تھی اور حضرت ابی بن کعبؓ پڑھاتے تھے۔ پھر آگے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ عہد فاروقی میں اسی بیس رکعات پر تمام انصار و مہاجر صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔

فَاِنَّهُ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ يَقُوْمُ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ فَرَاٰى كَثِيْرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ اِنَّ ذَالِكَ هُوَا لسُّنَّةُ لَا

یہ بات سند صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں (صحابہ و تابعین) کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے لہٰذا بہت سارے علماء اسی کو سنت

---

[1] یہ اکتالیس رکعتیں وتر کو شامل کر کے ہیں اور وتر کی بعض علماء کے نزدیک پانچ رکعتیں بھی مروی ہیں لہٰذا چھتیس اور پانچ، اکتالیس ہو جاتی ہیں، اس طرح اہل مدینہ کے عمل میں سابقہ چھتیس رکعت اور موجودہ اکتالیس والی روایت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳)

[2] غور کیجئے اب تک کے جتنے اقوال سامنے آئے خصوصاً امام ترمذیؒ نے کئی حضرات کے نام گنا دیئے، کسی کا بھی آٹھ کا قول نہیں ملا زیادہ تر بیس کے ملے بعض بیس سے بھی زیادہ۔

[3] مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آج بھی بیس رکعات پر ہی عمل ہوتا ہے۔

نَّہٗ اِقَامَہٗ بَیْنَ الْمُھَاجِرَۃِ وَ الْاَنْصَارِ وَ لَمْ یُنْکِرْہُ مُنْکِرٌ.
(فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۲۳ص ۱۱۲)

قرار دیتے ہیں کیونکہ ابی بن کعبؓ نے بیس رکعت حضرات انصار ومہاجرین کی موجودگی میں پڑھائی تھیں اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

کشف الغمہ ج ۱ص ۱۶۷ پر عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے بھی یہی لکھنے کے بعد یہ بھی بتادیا کہ۔

وَ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلٰی ذَالِکَ فِی الْاَمْصَارِ.

تمام بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل درآمد متعین ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہؒ سے بھی بیس رکعتیں ہی منقول ہیں۔
(دیکھئے غنیۃ الطالبین ج ۲ص ۱۰و ۱۱ احیاء العلوم ج ۱ص ۲۰۸ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ص ۶۷)

ان سب حضرات نے بیس رکعات کو ہی سنت قرار دیا ہے۔

شیخ احمد رومیؒ، مجالس الابرار میں فرماتے ہیں۔

وَ الصَّحَابَۃُ حِیْنَئِذٍ مُتَوَافِرُوْنَ مِنْھُمْ عُثْمَانُ وَ عَلِیٌّ وَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ الْعَبَّاسُ وَ ابْنُہٗ وَ طَلْحَۃُ وَ الزُّبَیْرُ وَ مُعَاذٌ وَ غَیْرُھُمْ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ مَارَدَّ عَلَیْہِ وَ احِدٌ مِنْھُمْ بَلْ سَاعِدُوْہُ وَ افَقُوْہُ وَاَمَرُوْہُ بِذَالِکَ وَ اظَبُوْا عَلَیْھَا حَتّٰی اَنَّ عَلِیًّا اَثْنٰی عَلَیْہِ وَ دَعَالَہٗ وَ قَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ مَضْجِعَ عُمَرَ کَمَا نَوَّرَ مَسَاجِدَنَا وَ قَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَ ھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً.
(مجالس الابرار مجلس ۲۸ص ۱۸۷)

صحابہؓ اس وقت بکثرت موجود تھے۔ ان میں عثمانؓ و علیؓ بھی تھے عبداللہ بن مسعودؓ بھی، حضرت عباسؓ بھی اور عبداللہ بن عباسؓ بھی طلحہؓ و زبیرؓ اور معاذ بن جبلؓ بھی۔ اور ان کے علاوہ بہت سے انصار و مہاجرؓ صحابہ۔ کسی نے بھی حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کی مساعدت وموافقت کی اور ان کے حکم کی تعمیل کی اور مداومت وہمیشگی کے ساتھ اس پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور دعا دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو منور کردے جس طرح انہوں نے ہماری مساجد کو منور کیا۔ اور حضورؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے بعد والے خلفائے راشدین کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت بیس رکعت ہے۔

ساڑھے بارہ سو سال تک آٹھ پر عمل کا ایک بھی ثبوت نہیں:

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی دامت برکاتہم اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''رکعات تراویح'' میں فرماتے ہیں۔

''یہ تھے عہد فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے تقریباً وسط تک کے علماء وائمہ کے مذاہب رکعات تراویح کے باب میں، اور یہ تھا اس عہد کے مسلمانوں کا معمول' مکہ' کوفہ' بصرہ' بغداد اور بلاد خراسان میں' ایک بار آپ اس کو پھر پڑھ جائیے اور دیکھئے کہ کوئی بھی آٹھ رکعت پر اکتفاء کرنے کا قائل تھا اور کہیں بھی اس پر عمل تھا؟۔

اس کے بعد سنئے کہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے ہی ائمہ اربعہ ابو حنیفہ' مالک' شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہم اپنی اپنی فقہ کی تعلیم اپنے اپنے شاگردوں کو دے کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے' اور ان کے فقہی مسالک کی اشاعت اور ان پر عمل شروع ہو چکا تھا' جو آج تک جاری ہے' آج ان چاروں اماموں کی کتب فقہیہ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں آٹھ پر اکتفاء کی تعلیم نہیں دی گئی' یہ صحیح ہے کہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے اور بعد میں ان چاروں کے علاوہ بعض دوسرے ائمہ کے مسلک کا اتباع بھی کچھ کچھ عرصہ تک کے لیے ہوتا رہا ہے' جیسے سفیان ثوریؒ اور داؤدؒ ظاہری کے مسلک پر عمل' مگر لطف یہ ہے کہ یہ حضرات بھی آٹھ پر اکتفاء کے قائل نہیں تھے بلکہ بیس کے قائل تھے' بیس اور بیس سے زائد پر امت محمدیہ کے اس قدیم عمل درآمد اور ائمہ وعلمائے سلف وخلف کے اس کو پسند اور اختیار کرنے کا مقابلہ میں آٹھ رکعات پر عمل کرنے کو سامنے رکھئے اور کتابوں کی ورق گردانی کیجیے تو حضرت عمرؓ کے بعد سے تیرھویں صدی کے اواخر تک دنیائے اسلام میں کسی ایک جگہ بھی اس پر عمل ہونے کا ذکر آپ کو نہیں مل سکتا' اور پوری قوت صرف کرنے کے بعد بھی اس طویل مدت میں آٹھ پر عمل درآمد کی تصریح کہیں بھی نہیں دکھائی جا سکتی اور اس کا کوئی گھٹیا سے گھٹیا ثبوت بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ (رکعات تراویح مذیل بردانوار مصابیح ص ۳۵)

ہاں! ادھر سو ڈیڑھ سو سال سے ایک فرقہ نے یہ نیا شوشہ چھیڑ دیا ہے کہ بیس رکعات تراویح مسنون نہیں۔ مسنون آٹھ رکعت ہے۔ گویا خلافت فاروقی کے بعد سے اب تک جن جن اصحابؓ رسولؐ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ' ائمہ ہدیٰ' علمائے سلف نے بیس رکعات کو مسنون کہا اور مسنون سمجھ کر عمل کیا اور آٹھ کو چھوڑے رہے وہ سب سنت کے تارک تھے' سب نے مل کر حضورؐ کی ایک

سنت کو فنا کر دیا (نعوذ باللہ من ذالک گویا وہ سب کے سب ضلالت و گمراہی پر متفق ہو گئے ظاہر ہے کہ کسی سنت کو مستقلاً چھوڑ دینا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْقَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ. اللہ تعالیٰ میری امت کو کسی گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔ (مشکوۃ ج ا ص ۳۰)

مذکورہ تمام صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ اربعہ و علمائے سلف کو تارک سنت قرار دینے والے خود ہی سوچ لیں کہ انہوں نے اس حدیث نبویؐ کی تکذیب کر دی یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ بیس کے مقابلے میں آٹھ رکعت تراویح اس لیے نہیں بھاتی کہ وہی مسنون ہے بلکہ اس میں سہولت اور آسانی ہے' آرام و راحت ہے' جلد فرصت مل جاتی ہے اور آج کے دین بیزاروں اور سہولت پسندوں کے ذوق کا پورا سامان موجود ہے۔

بقول حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ''باقی رہی تراویح' اس میں آج کل کے ملانوں نے تخفیف کر ڈالی ہے۔ یعنی بیس (۲۰) کی آٹھ (۸) کر ڈالی ہے' اور سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے' مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وارد ہے تہجد کی رکعات ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے۔ تراویح تو بیس ہی رکعت ہے۔''

(تصفیۃ العقائد ص ۳۸)

سند دیکھنے کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟:

یہاں ٹھہر کر ایک بات پر اور غور کر لیجئے۔ آٹھ کو سنت اور بیس کو غیر سنت کہنے والے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیس رکعت تراویح والی حدیث کو ایک راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دینے پر بہت زور دیتے ہیں مگر وہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ سند دیکھنے کی ضرورت کس حدیث کے سلسلے میں ہوگی۔

ایک حدیث وہ ہے جو امت کے درمیان بالاتفاق قبول کر لی گئی' صحابہ کرامؓ نے قبول کیا' تابعینؒ، ائمہ اربعہ اور علمائے محققین نے تسلیم کیا' ہر ایک کا عمل بھی اسی کے مطابق' دوسری حدیث وہ ہے جو مختلف فیہ ہے' اس سے ثابت شدہ حکم پر نہ صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا نہ بعد کے حضرات نے ظاہر ہے کہ سند دیکھنے کی ضرورت دوسری حدیث کے سلسلے میں ہوگی نہ کہ پہلی حدیث کے سلسلے میں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مد ظلہ لکھتے ہیں۔

سند کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اختلاف ہو۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بالجہر فرمائی یا بالسر، اور جہاں اختلاف ہی نہ ہو۔ حضرات صحابہؓ کے دور مقدس سے لے کر آج تک ان تمام علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا اتفاق پایا جاتا ہو جن پر امت اعتماد کرتی ہے۔ یہ اتفاق یہ عمل تواتر اور تلقی بالقبول خود سند اور نہایت قابل وثوق سند ہے۔

(فتاوی رحیمیہ ج ا ص ۲۹۱)

تہجد کی رکعتیں:

آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔ رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جائے تو تہجد ہے اور رمضان میں اسی کا نام تراویح ہے۔ اولاً تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کہ ایک ہی نماز رمضان میں تراویح اور غیر رمضان میں تہجد بن جاتی ہے۔ اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو بھی متعین طور پر بلا کم وبیش تراویح کی آٹھ رکعتیں کبھی بھی ثابت نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد رمضان اور غیر رمضان میں مع وتر گیارہ رکعت ہی پڑھتے رہے ہوں۔ (یعنی آٹھ تہجد اور تین وتر) بلکہ اس سے کم اور زیادہ دونوں ثابت ہیں اور متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا بِكُمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ بَاَرْبَعٍ وَ ثَلَاثٍ وَّسِتٍّ وَ ثَلَاثٍ وَّ ثَمَانٍ وَ ثَلَاثٍ وَ لَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ وَ لَا اَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ .

عبداللہ بن ابی قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، فرمایا چار اور تین کے ساتھ، آپ کی وتر کی رکعتیں نہ تیرہ سے زیادہ ہوتی تھیں، نہ سات سے کم۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۹۳، طحاوی ج ا ص ۱۳۹)

اس روایت میں تہجد اور وتر دونوں پر وتر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ نماز تہجد وتر کے علاوہ چار (۴) بھی تھی، چھ (۶) بھی، آٹھ (۸) بھی اور دس بھی، وتر کے ساتھ مل کر یہی سات، نو، گیارہ اور تیرہ بن جاتی تھیں۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ عَنْ عَائِشَۃَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ تِسْعَ رَکْعَاتٍ فِیْھِنَّ الْوِتْرُ. (ج۲ص۱۹۳)

عبداللہ بن شقیق، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے، انہیں میں وتر بھی ہوتی تھی [1]

اس حدیث میں وتر کے علاوہ تہجد کی چھ رکعتوں کا ذکر ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلاثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج۲ص۱۹۲)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَتَمَۃِ ثَلاثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً. (حوالہ مذکورہ)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد تیرہ رکعتیں پڑھیں۔

ان دونوں روایتوں میں وتر کے علاوہ دس، دس رکعات تہجد کا ذکر ہے۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُھَنِیِّ اَنَّہٗ قَالَ لَاَ رْمُقَنَّ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اللَّیْلَۃَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَ ھُمَا دُوْنَ اللَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَ ھُمَا دُوْنَ اللَّتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَ ھُمَا دُوْنَ اللَّتَیْنِ

زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں۔ پھر وتر پڑھی یہ کل تیرہ رکعتیں

---

[1] بعض مدعیان علم و تحقیق نے محض عناداً اور تعصباً اس حدیث کو موضوع تک لکھ مارا (دیکھئے حدیث خیر و شر ص ۶۷، و ۱۰۶) حالانکہ کسی بھی محدث کا ایک بھی حوالہ ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا کہ جس میں اس حدیث کو موضوع کہا گیا ہو۔ تفصیل کے لیے دیکھئے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا رسالہ تحفۃ الاخیار ص ۲۱۰)

قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذَالِکَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَکْعَةً. ہوئیں (دس تہجد اور تین وتر) (مسلم ج ا ص ۲۶۲' مؤطا امام مالکؒ ص ۴۵' ابوداؤد ج ا ص ۲۰۹)

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری لکھتے ہیں۔

اَنَّهٗ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّىْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ سنت فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۳)

اب جو حضرات تراویح اور تہجد دونوں کو ایک کہتے ہیں' پھر تراویح کو آٹھ رکعت میں محصور کر دیتے ہیں' نہ اس سے کم کو سنت کہتے' نہ زیادہ کو۔ وہ غور کریں تہجد کی چار' چھ' آٹھ' دس سبھی رکعتیں ثابت ہیں تو ان کا حصر کا دعویٰ کیسے صحیح ہوا۔ تراویح اور تہجد دونوں کو ایک قرار دینے کی صورت میں ان پر لازم ہے کہ وہ چار رکعات تراویح' چھ رکعات تراویح اور دس رکعات تراویح کو بھی سنت کہیں۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف آٹھ کو ہی سنت کہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت

مَا كَانَ يَزِيْدُ فِىْ رَمَضَانَ وَلَا فِىْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر زیادہ نہیں کرتے تھے۔

کا اگر یہ مطلب ہو کہ حضورؐ وتر کے علاوہ آٹھ سے کم یا زیادہ پڑھتے ہی نہیں تھے' تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تردید خود حضرت عائشہؓ کی ہی دوسری روایتیں کر رہی ہیں۔ لہٰذا اگر اسے تہجد کے سلسلے میں حضورؐ کے مستقل عمل کا بیان مانا جائے تو حضرت کی اس حدیث کے مضطرب ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ پھر بقیہ روایات کو سامنے رکھنے کی صورت میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں۔ ہاں اگر ان سب روایات کو مختلف حالات وظروف اور آٹھ رکعات تہجد کو اکثر اوقات پر محمول کیا جائے تو سب روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ مگر اس صورت میں تراویح کو تہجد قرار دینے اور آٹھ رکعات میں ہی منحصر کر دینے والے حضرات کے لیے استدلال کی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ انہیں یہ کہنا چاہیے کہ اکثر حالات میں تراویح کی آٹھ رکعتیں مسنون ہیں اور یوں کبھی کبھی چار' چھ اور دس بھی مسنون ہیں۔ لیکن وہ ایسا نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں آٹھ رکعتوں کو ہی مسنون کہتے ہیں نہ اس سے کم' نہ اس سے زیادہ۔

صحیح ابن خزیمہ اور نماز تہجد:

امام ابوبکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمہ محدث نیشاپوریؒ نے اس مسئلہ کو بالکل منقح کر دیا ہے سب سے پہلے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی وہ روایتیں نقل کی ہیں کہ جن میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد مع وتر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۱و۱۹۲)

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں مع وتر گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۲)

پھر حضرت عائشہؓ کی ہی وہ روایت نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد مع وتر سات رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۳)

تینوں روایتیں نقل کرنے کے بعد تینوں میں تطبیق دیتے ہوئے یوں عنوان قائم کرتے ہیں۔

بَابُ ذِكْرِ الْخَبَرِ الدَّالِّ عَلٰی اَنَّ هٰذِهِ الْاَخْبَارَ الثَّلَاثَةَ الَّتِیْ ذَكَرْتُهَا لَيْسَتْ بِمُتَضَادَةٍ وَ لَا مُتَهَاتِرَةٍ وَ الدَّلِيْلُ عَلٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ يُصَلِّیْ مِنَ الَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً عَلٰی مَا اَخْبَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ نَقَصَ رَكْعَتَيْنِ فَكَانَ يُصَلِّیْ اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ اللَّيْلِ عَلٰی مَا اَخْبَرَ اَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ ثُمَّ نَقَصَ صَلٰوةَ اللَّيْلِ رَكْعَتَيْنِ فَكَانَ يُصَلِّیْ مِنَ الَّيْلِ تِسْعَ رَكْعَاتٍ عَلٰی مَا اَخْبَرَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ شَقِيْقٍ عَنْ عَائِشَةَ.

اس بات کا بیان کہ یہ تینوں حدیثیں جنہیں میں نے ذکر کیا آپس میں متضاد و مخالف نہیں، دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے (مع وتر) تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ پھر دو رکعتیں کم کر دیں لہٰذا (مع وتر) گیارہ پڑھنے لگے جیسا کہ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، پھر دو رکعات اور کم کر دیں پس نو رکعتیں پڑھنے لگے جیسا کہ عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ الْھَمْدَ انِیْ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّہٗ دَخَلَ عَلٰی عَائِشَۃَ فَسَاَ لَھَا عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کَانَ یُصَلِّیْ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً مِنَ اللَّیْلِ ثُمَّ اَنَّہٗ صَلّٰی اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً تَرَکَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قُبِضَ حِیْنَ قُبِضَ وَ ھُوَ یُصَلِّیْ فِی اللَّیْلِ بِتِسْعِ رَکْعَاتٍ اٰخِرُ صَلٰوتِہٖ مِنَ اللَّیْلِ الْوِتْرُ.

(صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۳، ابوداؤد ج ا ص ۲۰۹)

ابواسحٰق ہمدانیؒ "مسروق" سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (نماز تہجد مع وتر) کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا پہلے آپؐ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر گیارہ رکعتیں پڑھیں اور دو رکعتیں ترک کر دیں، پھر جب آپؐ کی وفات ہوئی تو آپ نو رکعتیں پڑھتے تھے، اور آپؐ کی رات کی آخری نماز وتر ہوتی تھی یعنی وتر، تہجد پڑھنے کے بعد آخر میں پڑھتے تھے)

اس کے بعد تہجد کے سلسلے کی آئی ہوئی تمام احادیث کے متعلق فیصلہ کن نقطہ نظر یوں بیان کرتے تھے۔

قَالَ اَبُوْبَکْرٍ (ناخذ) بِالْاَخْبَارِ کُلِّھَا الَّتِیْ اَخْبَرْجَنَا ھَا فِیْ کِتَابِ الْکَبِیْرِ فِیْ عَدَدِ صَلٰوۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ سَلَّمَ بِاللَّیْلِ وَ اخْتِلَافِ الرُّوَاۃِ فِیْ عَدَدِھَا کَا خْتِلَافِھِمْ فِیْ ھٰذِہِ الْاَخْبَارِ الَّتِیْ ذَکَرْتُھَا فِیْ ھٰذِہِ الْاَخْبَارِ الَّتِیْ ذَکَرْتُھَا فِیْ ھٰذَا الْکِتَابِ، قَدْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ بَعْضِ اللَّیَالِیْ اَکْثَرَ مِمَّا یُصَلِّیْ فِیْ بَعْضٍ فَکُلُّ مَنْ اَخْبَرَ مِنْ

ابوبکر بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعتوں کے سلسلے میں ان تمام حدیثوں کو لیتے ہیں، جن کی ہم نے کتاب الکبیر میں تخریج کی ہے۔ اور راویوں کا اس کی رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ویسا ہی ہے جیسا کہ ان حدیثوں میں اختلاف ہے جنہیں میں نے اس کتاب (صحیح بن خزیمہ) میں ذکر کیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض راتوں میں بعض کے مقابلے میں زیادہ پڑھتے تھے۔ پس اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ

اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ مِنْ اَزْوَاجِہٖ اَوْ غَیْرِ مِنَ النِّسَاءِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی مِنَ اللَّیْلِ عَدَدًا مِنَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْکَ الصَّلٰوۃِ فِیْ بَعْضِ اللَّیَالِیْ بِذَالِکَ الْعَدَدِ وَ بِتِلْکَ الصُّفَّۃِ وَ ھٰذَا اِلَّا خْتِلَافُ مِنْ جِنْسِ الْمُبَاحِ، فَجَائِزٌ لِلْمَرْءِ اَنْ یُّصَلِّیْ اَیَّ عَدَدَ اَحَبُّ مِنَ الصَّلٰوۃِ لِمَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ صَلاھُنَّ وَ عَلَی الصُّفَّۃِ الَّتِیْ رُوِیَتْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ صَلّٰھَا لَا حَظَرَ عَلٰی اَحَدَ فِیْ شَیْئٍ مِنْھَا. (حوالہ مذکورہ)

وسلم یا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہمین یا دیگر صحابیات رضی اللہ عنہمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی جو تعداد رکعت بیان کی' یا کسی خاص طریقے سے پڑھنے کا ذکر کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض راتوں میں اسی تعداد اور اسی طریقے کے مطابق تہجد پڑھی ہے- اور یہ اختلاف مباح کی جنس سے ہے' پس جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اعداد میں سے جسے جو پسند ہو اسی کے مطابق پڑھے- اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی پڑھنے کے طریقوں میں سے جو طریقہ محبوب و پسند ہو- اسی کے مطابق پڑھے' ان میں سے کوئی چیز کسی پر ممنوع نہیں [1]

اگر تہجد ہی رمضان میں تراویح ہے تو آٹھ کے قائلین کو عام اعلان کر دینا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی جتنی رکعتیں جن جن صورتوں کے ساتھ مروی ہیں وہ سب ''تراویح'' کے بطور پڑھنا مسنون ہیں' خواہ آٹھ ہوں یا آٹھ سے کم یا آٹھ سے زیادہ-

مگر حیرت وافسوس تو اس پر ہے کہ ''نماز تراویح'' کو رمضان کی ''نماز تہجد'' کہنے میں پورا زور صرف کر دیتے ہیں' لیکن تہجد کی رکعات کی طرح آٹھ سے کم یا زیادہ مسنون نہیں کہتے بلکہ آٹھ ہی کے مسنون ہونے پر شدت کے ساتھ اصرار کرتے ہیں-

تہجد اور تراویح الگ الگ ہیں:

اوپر جو باتیں کہی گئیں' وہ ان لوگوں کی بات تسلیم کر کے' جو تہجد اور تراویح دونوں کو ایک کہتے

[1] حضرت عائشہؓ کی مختلف روایتوں میں یہی تطبیق حافظ ابن حجرؒ نے بھی دی ہے- فتح الباری ج ۳ ص ۲۱-

ہیں' لیکن ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ تہجد اور تراویح اور الگ الگ نمازیں ہیں اسی لیے ہم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ والی روایت کو تراویح سے متعلق تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا تعلق تہجد سے ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے۔

(۱) تہجد کی مشروعیت قرآن سے ہے۔

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (بنی اسرائیل/۷۹)

رات کے کچھ حصے میں تہجد ادا کیجیے! یہ خاص آپ کے لیے زیادہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ. (مزمل/۴)

اے چادر میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات قیام' آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم' یا کچھ زیادہ۔

اور تراویح کی مشروعیت حدیث سے ہے۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ شَهْرَ رَمَضَانَ فَقَالَ شَهْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَ سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ. (ابن ماجہ ص ۹۵)

عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر کیا پس فرمایا یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کے روزے کو اللہ نے تم پر فرض کیا اور اس کی راتوں میں نماز پڑھنے کو میں نے تمہارے لیے مسنون کیا۔

(۲) جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تراویح زندگی میں صرف تین دن پڑھی ہے' اب اگر تراویح اور تہجد ایک ہے تو جس رمضان میں حضورؐ نے تین دن پڑھی تھی۔ اس کے بقیہ دنوں میں حضورؐ نے جو تہجد ادا کی اسے تراویح بھی کہنا چاہیے' مگر آٹھ کے قائلین سے بھی پوچھا جائے تو بقیہ دنوں کی نماز کو تہجد ہی کہیں گے نہ کہ تراویح' حالانکہ وہ بھی رمضان میں ہی ادا ہوئی۔ دوسری طرف رمضان میں تراویح و تہجد کے ایک ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔

(۳) تہجد حضورؐ پر فرض تھی اور تراویح حضورؐ نے صرف تین دن پڑھی ہے۔ یہ کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں منقول نہیں کہ گیارہ ماہ حضورؐ پر تہجد فرض ہوتی تھی اور رمضان میں تراویح یا یہی نماز رمضان میں تراویح کے شمار میں ہوتی تھی۔

(۴) تہجد اور تراویح میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ تہجد کی رکعتیں حضورؐ سے صراحۃً منقول و مروی ہیں

یعنی کم از کم چار۴ (وتر کے ساتھ سات) زیادہ سے زیادہ دس (وتر کے ساتھ تیرہ) جیسا کہ احادیث گزریں۔ مگر تراویح کی رکعتیں حضورؐ سے صراحۃً منقول نہیں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۵) امام بخاریؒ کے عمل سے بھی دونوں کا الگ الگ ہونا ثابت ہوتا ہے' چنانچہ انکا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے اور ایک قرآن ختم کرتے تھے اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اور تراویح کی ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھنے کا التزام کرتے تھے' حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

كَانَ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ الْبُخَارِىُّ اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَصْحَابُه فَيُصَلّٰى بِهِمْ وَ يَقْرَأُفِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ عِشْرِيْنَ اٰيَةً وَ كَذٰلِكَ اِلٰى اَنْ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ وَ كَانَ يَقْرَأُفِى السَّحَرِ مَا بَيْنَ النِّصْفِ اِلَى الثُّلُثُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَيَخْتِمُ عِنْدَ السَّحَرِ فِىْ كُلِّ ثَلاثَ لَيَالٍ.

(ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۱)

رمضان المبارک کی پہلی رات میں امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کے شاگرد و اصحاب جمع ہوتے پس وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے' ایسے ہی ختم قرآن پاک تک سلسلہ چلتا رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن پاک تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے۔

(۶) حضرت طلق بن علیؓ سے بھی دونوں کا دو ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے قیس بن طلقؒ روایت کرتے ہیں کہ۔

زَارَ نَا طَلْقُ بْنُ عَلِىٍّ فِىْ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَ اَمْسٰى عِنْدَنَا وَ اَفْطَرَ ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَ اَوْتَرَ بِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ اِلٰى مَسْجِدِه فَصَلّٰى بِاَصْحَابِه حَتّٰى اِذَا بَقِىَ الْوِتْرُ قَدَّمَ

طلق بن علیؓ نے ہماری زیارت کی رمضان کے ایک دن اور شام کو ہمارے پاس افطار کیا۔ پھر اس رات میں ہمیں نماز پڑھائی اور وتر بھی پڑھے پھر اپنی مسجد میں گئے پس اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی [1] یہاں تک کہ جب وتر باقی رہ گئے تو

---

[1] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلق بن علی تہجد کی جماعت کو جائز سمجھتے تھے اور مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش ہوتی ہے۔

رجُلا فَقَالَ اَوْتِرْ بِاَصْحَابِکَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ لَاوِتْرَانِ فِیْ لَیْلَةٍ.

مقتدیوں میں سے ایک شخص کو آگے بڑھایا اور کہا کہ وتر پڑھاؤ' اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہے۔ (ابوداؤد ج اص ۲۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت طلق بن علیؓ نے پہلی دفعہ مع وتر جو نماز پڑھی وہ تراویح تھی اور دوسری دفعہ اپنی مسجد میں جا کر جو ادا کی وہ تہجد تھی۔

(۷) فقہ حنبلی کی کتاب مقنع میں ہے۔

ثُمَّ التَّرَاوِیْحُ وَ هِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً یَقُوْمُ بِهَا فِیْ رَمَضَانَ فِیْ جَمَاعَةٍ وَ یُوْتِرُ بَعْدَهَا فِی الْجَمَاعَةِ فَاِنَّ کَانَ لَهٗ تَهَجُّدَ جَعَلَ الْوِتْرَ بَعْدَهٗ.

تراویح بیس رکعت ہے' رمضان المبارک میں جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اور اس کے بعد وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھے اور اگر تہجد بھی پڑھنا ہو تو وتر تہجد کے بعد پڑھے۔

اس سے بھی تراویح اور تہجد دونوں کا الگ الگ ہونا ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ اسی کتاب کے حاشیہ پر امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ایک مسئلہ بھی موجود ہے جسے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے نے نقل کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص تراویح اور تہجد دونوں پڑھتا ہے' اگر تراویح کے بعد یہ وتر میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ تیسری رکعت پر جب امام سلام پھیرے تو یہ سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تا کہ چار رکعت ہو جائے' اس کے بعد جب تہجد پڑھے تو وتر اسی کے ساتھ پڑھے تا کہ ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا لازم نہ آئے جس کی حدیث میں ممانعت ہے[1] رکعات تراویح نذیل ص ۱۱۹)

(۸) ابتدائے اسلام میں نماز تہجد' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تمام امت پر فرض تھی۔ ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہو گئی اور یہ نماز امت کے حق میں نفل بن گئی۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ قُلْتُ حَدِّثْنِیْ عَنْ قِیَامِ اللَّیْلِ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَاُ یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قَالَ قُلْتُ بَلٰی

سعد بن ہشامؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا مجھے حضورؐ کی رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں بتائیے' فرمایا کیا تم

---

[1] ترمذی ج اص ۶۲۔

قَالَتْ فَاِنَّ اَوَّلَ هٰذِهِ السُّوْرَةِ نَزَلَتْ فَقَامَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَفَخَتْ اَقْدَامُهُمْ وَ حُبِسَ خَاتِمَتُهَا فِي السَّمَاءِ اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ نَزَلَ اٰخِرُهَا فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ فَرِيْضَةٍ۔ (ابوداؤد شریف ج ا ص ۲۰۶)

یایھا المزمل نہیں پڑھتے' میں نے کہا کیوں نہیں' فرمایا اس سورہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا تو اصحاب رضی اللہ عنہم رسول نے نماز پڑھنی شروع کی۔ یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے اور اس کا آخری حصہ آسمان میں بارہ مہینہ رکا رہا۔ پھر اس کا آخری حصہ نازل ہوا تو قیام لیل (تہجد) فرضیت کے بعد نفل بن گیا۔

عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی مفہوم کی روایت موجود ہے۔ (دیکھئے ابوداؤد ج ا ص ۲۰۱)

ابتدائے اسلام میں جب تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی' اس وقت نماز تراویح کا وجود بھی نہ تھا' ہجرت کے بعد جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو اسی کے ساتھ رمضان المبارک میں تراویح کے زائد از فرض ہونے کو بھی بیان کیا گیا۔ چنانچہ اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۷۳)

اللہ نے رمضان المبارک کا روزہ فرض کیا اور اس کی رات کی نماز نفل قرار دی[1]

اب اگر نماز تہجد ہی تراویح بنتی تو قیام لیلہ تطوعا (اس کی رات کی نماز نفل قرار دی) کہنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یوں کہہ دیا جاتا کہ اب تک جو نماز تہجد رمضان اور غیر رمضان میں فرض تھی' اب وہی رمضان و غیر رمضان میں نفل بن گئی ہے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَ سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ۔ (ص ۹۵)

اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان المبارک کا روزہ فرض فرمایا اور میں نے تمہارے لیے اس کی رات کی نماز سنت قرار دی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قیام رمضان (تراویح)، کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] یہاں نفل فرض کے مقابلے میں ہے جس میں سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ سبھی شامل ہیں۔ یعنی فرض سے زائد۔

مسنون فرمایا تھا اور تہجد کا نفل ہونا اس سے قبل ہی خود بحکم الٰہی ہو چکا تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں ہیں، دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں۔ تہجد کی اصل مشروعیت قرآن سے ہے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ الخ اور تراویح کی مشروعت حدیث رسولؐ سے ہے سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ الخ۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد آخر شب میں پڑھتے تھے، اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں، تہجد سے فارغ ہونے کے بعد وتر ادا کرتے۔ اس کے بعد دو رکعت نفل کبھی پڑھتے کبھی نہ پڑھتے، پھر کبھی کچھ آرام کرنے کے لیے لیٹتے، کبھی نہ لیٹتے کہ فجر کی اذان ہو جاتی تھی (بخاری ج ۱ ص ۱۵۳، مسلم ج ۱ ص ۲۵۳) اب ظاہر ہے کہ تہجد اور وتر سے فراغت کے بعد فجر کی اذان ہو جانا یا اذان کا وقت قریب آ جانا تہجد کو آخر شب میں پڑھنے کی صریح دلیل ہے اور یہی حضورؐ کا عام معمول تھا۔

اس کے برعکس تراویح کو آپ نے اول شب میں پڑھا ہے۔ چنانچہ پہلے دن جب تراویح سے فراغت ہوئی تو تہائی رات گزر چکی تھی حتی ذهب ثلث الليل (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱، ترمذی ج ۱ ص ۹۹) دوسرے دن جب فراغت ہوئی تو آدھی رات گزر چکی تھی حتی ذهب شطر الليل (حوالہ مذکورہ) تیسرے دن جب فارغ ہوئے تو سحری کا وقت آ گیا۔ یعنی اول شب سے آخر تک ادا کرتے رہے حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَ مَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ۔ (حوالہ مذکورہ)

(۱۰) تہجد کو حضورؐ ہمیشہ تنہا پڑھتے تھے، بلا کر کبھی دوسروں کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا۔ کوئی خود سے شامل ہو گیا تو ہو گیا جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آ کر شامل ہو گئے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۸)

لیکن تراویح تینوں دن جماعت کے ساتھ ہوئی تھی اور آپؐ نے اپنے گھر والوں اور عورتوں کو بلا بلا کر شامل کیا تھا۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹۹، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱)

(۱۱) نماز تہجد کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات بھر نہیں جاگے بلکہ سوتے بھی تھے اور جاگ کر تہجد بھی پڑھتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

وَ لَا اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّ لَا صَلّٰی لَیْلَۃً اِلَی الصُّبْحِ وَ لَا صَامَ شَھْرًا کَامِلًا غَیْرَ رَمَضَانَ۔

میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے رمضان کے پورا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو یا کسی رات صبح تک نماز پڑھی ہو یا پورے ماہ روزہ رکھا ہو۔ (مسلم ج ا ص ۲۵۶' ابوداؤد ج ا ص ۲۰۶)

اور نماز تراویح کے لیے تیسری رات پوری رات جاگنا حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ثابت ہے حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح (ابوداؤد ج ا ص ۲۱۱' ترمذی ج ا ص ۹۹) خود حضرت عائشہؓ کو بھی یہ بات معلوم تھی کیونکہ تیسری رات حضورؐ نے نماز میں ازواج مطہرات کو بھی شامل کر لیا تھا۔

(حوالہ مذکورہ)

اور حضرت عائشہ ظاہر ہے کہ بلند پایہ ازواج مطہراتؓ میں سے ہیں' لہٰذا جب حضرت عائشہؓ یہ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے کسی رات صبح تک نماز نہیں پڑھی تو اس سے مراد تہجد ہے ورنہ تیسری رات کی تراویح جو صبح تک ہوئی تھی' اس میں وہ خود بھی شریک تھیں۔

(۱۲) حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نوافل وغیرہ کا جتنا اہتمام کرتے تھے کسی ماہ میں اتنا اہتمام نہیں کرتے تھے' رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور مہینے میں رات رات بھر نماز میں مشغول نہ رہتے' اسی طرح رمضان المبارک میں جودوسخا کا دریا بہانے اور راہ خدا میں لٹانے کا جذبہ اور زیادہ ہو جاتا تھا۔ (بخاری ج ا ص ۲۵۵)

دوسری طرف حضرت عائشہؓ کی ہی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں مع وتر گیارہ رکعات ہی پڑھتے تھے' اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رمضان المبارک میں بھی حضورؐ کی نماز گیارہ رکعت ہی ہوتی تھی تو شدت اجتہاد عبادت جس کا حدیث میں تذکرہ ہے۔ کہاں ہوا۔ رمضان اور غیر رمضان' ہر ایک کی رات کی عبادت برابر ہوگئی۔ ماننا پڑے گا حضورؐ نے تراویح الگ پڑھی اور تہجد الگ' اس طرح شدت اجتہاد عبادت بالکل ظاہر و باہر ہے۔

اگر رمضان اور غیر رمضان کی نماز برابر ہوتی تو ان حدیثوں کا کیا مطلب ہوگا۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ لَمْ یَاْتِ فِرَاشَہٗ حَتّٰی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آ جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہیں جاتے۔ یہاں تک

يَنْسَلِخ. (بیہقی) کہ رمضان گزر جاتا۔

خصوصاً رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے متعلق آیا ہے کہ۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهٗ وَ اَحْيٰى لَيْلَهٗ وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ. (بخاری ج ۱ ص ۲۷۱، مسلم ج ۱ ص ۳۷۲، مسند حمیدی ج ۱ ص ۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آ جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری مستعدی ظاہر کرتے، رات عبادت میں گزارتے اور ازواج مطہراتؓ کو بھی جگاتے۔

حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے کہ۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ. (مسلم ج ۱ ص ۳۷۲)

رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں جو کوشش فرماتے تھے اتنی اس کے علاوہ رمضان کے دیگر عشروں میں نہیں کرتے تھے۔

(۱۳) حضرت عمرؓ کے اس قول سے بھی تہجد اور تراویح کا الگ الگ ہونا ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں تراویح با جماعت ہوتے دیکھ کر فرمایا تھا۔

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَ الَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يَعْنِيْ اٰخِرُ اللَّيْلِ وَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ.

(بخاری ج ۱ ص ۲۶۹، موطا امام مالک ص ۴۳)

کتنی اچھی ہے یہ نئی چیز (یعنی متفرق جماعتوں کی ایک بڑی جماعت) اور وہ نماز جس سے تم سوئے رہتے ہو افضل ہے اس نماز سے جسے تم پڑھتے ہو۔ حضرت عمرؓ مراد لیتے ہیں کہ تم اس نماز کو رات کے آخر میں پڑھو تو یہ زیادہ افضل ہے، اور لوگ اول حصے میں پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم لوگ یہ تراویح بجائے اول شب میں پڑھنے کے آخر شب میں پڑھتے جو تمہارے سونے کا وقت ہے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ آخر شب میں تہجد ہوتی ہے اب اگر تراویح بھی آخر شب میں ہو تو اسی تراویح سے تہجد کا ثواب مل جاتا کیونکہ نوافل میں تداخل ہوتا ہے، مثلاً اگر چاشت کے وقت نماز کسوف (سورج گرہن والی نماز) پڑھی جائے تو وہ چاشت کے قائم مقام ہو جاتی ہے، چاشت کی نماز الگ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح مسجد میں جاتے ہی اگر کوئی شخص ظہر وغیرہ کی سنت ادا کر لے، تو یہ

سنت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔

اسی طرح اگر تہجد کے وقت تراویح پڑھ لی جائے تو تراویح تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور الگ سے تہجد پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی تیسری رات میں حضورؐ نے پوری رات تراویح پڑھی تھی اور صحابہ کرامؓ کو سحری فوت ہونے کا خطرہ ہونے لگا تھا۔ اس رات میں حضورؐ کا الگ سے تراویح پڑھنا بظاہر منقول نہیں اور وجہ اس کی یہی تداخل ہے۔ کیونکہ تہجد کے وقت تک تراویح ادا ہوتی رہی۔

بہر حال جس طرح نماز کسوف و نماز چاشت الگ الگ نمازیں ہیں' سنت ظہر اور تحیۃ المسجد الگ الگ نمازیں ہیں مگر دونوں کا تداخل ہو جاتا ہے اسی طرح تراویح اور تہجد میں بھی تداخل ہو جاتا ہے۔

ایک استدلال اور اس کا جواب:

آٹھ رکعات کو مسنون کہنے والے حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی آٹھ رکعات ہی کا حکم دیا تھا۔ یعنی مع وتر گیارہ کا۔

ان کا مستدل موطا امام مالکؒ اور سنن سعید بن منصور کی یہ روایت ہے۔

مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ اَنَّهُ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَ تَمِيمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' محمد بن یوسفؒ سے وہ سائب بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ یہ روایت حد درجہ اضطراب کا شکار ہے اور کسی بھی طرح اس لائق نہیں کہ استدلال کی بنیاد بنے' کیونکہ اوپر کی روایت کو دیکھئے۔ سائب بن یزید سے روایت کرنے والے راوی محمد بن یوسف ہیں اور ان سے امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس روایت کو محمد بن یوسف سے تنہا امام مالکؒ نے ہی روایت نہیں کیا۔ بلکہ امام مالکؒ کے علاوہ اسی روایت کو نقل کرنے والے محمد بن یوسف کے چار شاگرد اور بھی ہیں یعنی بن قطان' عبدالعزیز بن محمد' بن اسحٰق' عبدالرزاق کے استاذ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ امام مالکؒ سمیت محمد بن یوسف کے

پانچوں شاگرد ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ بات نقل کرتے ہیں۔

مثلاً امام مالکؒ والی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں' اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں' کوئی تفصیل نہیں۔

یحییٰ بن قطان والی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا۔ پس وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھتے تھے' اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ وہ دونوں گیارہ رکعت از خود پڑھتے تھے یا حضرت عمرؓ نے گیارہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

عبدالعزیز بن محمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہم گیارہ رکعت پڑھتے تھے' اس میں نہ حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے' نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس روایت میں اولاً تو گیارہ کے بجائے تیرہ کا ذکر ہے نہ ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کا کوئی تذکرہ ہے۔

عبدالرزاق کے استاذ کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے اکیس رکعات کا حکم دیا تھا۔ یعنی نہ گیارہ نہ تیرہ بلکہ اکیس کا ذکر ہے۔

ایک طرف سائب بن یزیدؓ سے روایت کرنے والے راوی محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کا یہ تضاد دیکھئے' دوسری طرف یہ بھی ملحوظ رہے کہ سائب بن یزیدؓ سے ہی روایت کرنے والے ایک دوسرے راوی یزید بن خصیفہ بھی ہیں ان کی روایت بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ میں یوں موجود ہے۔

اَنْبَاَ ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خَصِیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔	ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ' یزید بن خصیفہ سے وہ سائب بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے عہد خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

یعنی اس روایت میں عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح کا صاف وصریح بیان موجود ہے۔ اسی کے ساتھ اس بات پر بھی نظر رہے کہ یزید بن خصیفہ سے اس روایت کو ان کے دو شاگردوں

نے نقل کیا ہے ابن ابی ذئب اور محمد بن جعفر نے۔ اور دونوں کے بیان میں کوئی تضاد نہیں' دونوں متفق اللفظ ہوکر روایت کرتے ہیں کہ ہمارے استاذ یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان سے ان کے استاذ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

ان حالات میں محمد بن یوسفؒ کے پانچ شاگردوں کی مختلف البیان و مشکوک روایت کے مقابلے میں' یزید بن خصیفہؒ کے دونوں شاگردوں کی متفق اللفظ اور بے غبار روایت کو ہی مدار استدلال بنانا عین انصاف و دیانت کا تقاضا ہے۔

یزید بن خصیفہؒ والی بیس کی روایت کی سند کو امام نوویؒ، امام عراقیؒ، علامہ سبکیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھیے مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار' ص ۱۹۲' تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵' مصابیح سیوطی ص ۴۲ وغیرہ)

اس کے برخلاف محمد بن یوسف والی گیارہ کی روایت کو علامہ ابن عبدالبرؒ نے شرح مؤطا میں راوی کا وہم قرار دیا ہے۔

قَالَ ابْنِ عَبْدِالْبِرِّ هٰذِهِ الرِّوَايَةُ وَهْمٌ وَ الَّذِیْ صَحَّ اَنَّهُمْ کَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت راوی کا وہم ہے اور صحیح وہی روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ خلافت فاروقی میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

(مرقات ج ۲ ص ۱۷۴' اوجز ج ۱ ص ۳۹۴' بذل ج ۲ ص ۳۰۵' تحفۃ الاخیار ص ۱۹۱)

کچھ حضرات نے تاویل کر کے اسے صحیح بھی کہا ہے تو یوں کہا ہے کہ اول مع وتر گیارہ تھیں بعد میں بیس کا حکم دیا اور وہی مستقلاً متعین ہوکر متفق علیہ ہوگیا۔ (دیکھیے کتب مذکورہ)

عہد فاروقی میں تراویح کی تعداد رکعت کو بیان کرنے والی صدہا روایات جن میں بیس کے عدد کی صراحت موجود ہے' کے مقابلے میں صرف ایک روایت وہ بھی شاذ و مضطرب جس میں بیس کے بجائے گیارہ کا تذکرہ ہے' بلاتاویل اپنے ظاہری معنی میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ جب کہ خود اسی استاذ (سائب بن یزیدؓ) کا دوسرا شاگرد (یزید بن خصیفہ) اپنے استاذ سے بیس کی ہی روایت نقل کر رہا ہو اور اس میں کسی قسم کا نہ شذوذ ہو نہ اضطراب' بلکہ صدہا

روایات اس کی تائید میں موجود ہوں[1]

اور خود موطا امام مالکؒ میں ہی امام مالکؒ کی یہ روایت میں بھی موجود ہے۔

مَالِکٌ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ رُوْمَانَ اَنَّهٗ قَالَ کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً. (ص ۴۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وسلم یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ و تابعینؒ) خلافت فاروقی میں رمضان المبارک بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

❀ ❀ ❀

[1] اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی مدظلہ کی معرکۃ الآرا تصنیف رکعات تراویح مذیل بر دانوار مصابیح ص ۳۷ تا ص ۵۵ و ص ۱۹۱ ص ۲۲۰۔

رکعات تراویح اور ائمہ احناف

ہر سال رمضان المبارک کے موقع پر ملک کے متعدد مقامات پر کچھ لوگوں کی طرف سے اس قسم کے پوسٹر نظر آنے لگتے ہیں۔ جن میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ آٹھ رکعت تراویح کو ہی مسنون اور بیس کو غیر مسنون قرار دیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسے ائمہ احناف کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے کہ وہ خود بیس کو غیر مسنون اور آٹھ کو مسنون کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی بعض عبارتیں توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں۔

مگر حقیقت کیا ہے؟ آیئے اسے ان کی مفصل و مصرح عبارات کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ:- امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مایہ ناز شاگرد امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے دریافت کیا۔

هَلْ كَانَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَهْدٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فَقَالَ لَهُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَمْ يَكُنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُبْتَدِعًا. (فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۲۰، العرف الشذی ص ۳۳۰، البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ طحطاوی ص ۲۴۶)

کیا حضرت عمرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات کے بارے میں کوئی بات معلوم تھی؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت عمرؓ بدعت کو ایجاد کرنے والے نہ تھے۔ (یعنی بلاشبہ حضرت عمرؓ کو بیس رکعات کے بارے میں حضورؐ سے کوئی بات ضرور معلوم تھی ورنہ وہ اپنی طرف سے بیس کی تعیین نہ کر دیتے)

آثار امام ابو یوسفؒ میں ہے۔

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ. (ص ۴۱)

یوسفؒ اپنے والد امام ابو یوسفؒ سے وہ امام ابو حنیفہؒ سے وہ حمادؒ سے وہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ و تابعینؒ) رمضان میں پانچ ترویحات پڑھتے تھے[1]۔

---

[1] ہر ترویحہ چار رکعت کا ہوتا ہے اس طرح پانچ ترویحات، بیس رکعتیں ہو گئیں۔

امام شمس الائمہ سرخسیؒ:- امام سرخسیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''مبسوط'' جو کہ امام محمدؒ کی ظاہر الروایات پر مشتمل ہے- میں فرماتے ہیں-

فَاِنَّھَا عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً سِوَی الْوِتْرِ عِنْدَنَا وَ قَالَ مَالِکٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلسُّنَّۃُ فِیْھَا سِتَّۃٌ وَ ثَلَاثُوْنَ قِیْلَ مَنْ اَرَادَاَنْ یَعْمَلَ بِقَوْلِ مَالِکٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ یَسْلُکُ مَسْلَکَہٗ یَنْبَغِیْ اَنْ یُفْعَلَ کَمَا قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی یُصَلِّیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً کَمَا ھُوَ اَلسُّنَّۃُ وَ یُصَلِّی الْبَاقِیْ فُرَادٰی کُلُّ تَسْلِمَتَیْنِ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ وَ ھٰذَا مَذْھَبُنَا وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا بَاْسَ بِاَدَاءِ الْکُلِّ جَمَاعَۃً. (مبسوط ج۲ ص۱۴۴)

تراویح ہمارے نزدیک وتر کے علاوہ بیس رکعتیں ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سنت اس میں چھتیس رکعتیں ہیں- کہا گیا ہے کہ جو شخص امام مالکؒ کے قول اور مسلک پر عمل کرنا چاہے اسے مناسب ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق عمل کرے- یعنی جماعت کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھے کیونکہ یہی سنت ہے' پھر (۱۶ رکعتیں) تنہا پڑھے' ہر چار رکعات میں دو سلام ہوں (یعنی دو دو رکعتیں کر کے) یہ ہمارا مذہب ہے' اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' کہ کل کی کل چھتیس رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں-

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ:- ملک العلماء علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانیؒ لکھتے ہیں-

وَ اَمَّا قَدْرُھَا فَعِشْرُوْنَ رَکْعَۃً فِیْ عَشْرِ تَسْلِیْمَاتٍ فِیْ خَمْسِ تَرْوِیْحَاتٍ کُلُّ تَسْلِیْمَتَیْنِ تَرْوِیْحَۃٌ وَ ھٰذَا قَوْلُ عَامَّۃِ الْعُلَمَاءِ وَ قَالَ مَالِکٌ فِیْ قَوْلٍ سِتَّۃٌ وَ ثَلَاثُوْنَ رَکْعَۃً وَ فِیْ قَوْلٍ سِتَّۃَ وَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً وَ الصَّحِیْحُ قَوْلُ الْعَامَّۃِ لِمَارُوِیَ اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جَمَعَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی

تراویح کی مقدار بیس رکعات ہی' دس سلاموں سے' پانچ ترویحات میں' ہر دو سلام میں ایک ترویح ہوگا' یہی عام علماء کا قول ہے- اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول میں چھتیس رکعات اور ایک قول میں چھبیس رکعات بیان فرمائی ہے اور صحیح عام علماء کا ہی قول ہے اس لیے کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان المبارک میں حضرت

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَصَلّٰى بِهِمْ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ لَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ اَحَدٌ فَيَكُوْنُ اِجْمَاعًا مِنْهُمْ عَلٰى ذَالِكَ.

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۸)

ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں جمع کیا، پس انہوں نے ان کو ہر رات امامت میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا پس یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف سے بیس رکعات پر اجماع ہو گیا۔

علامہ برہان الدین مرغینانی:- صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ نے بھی بیس رکعات تراویح کو سنت قرار دیا ہے اور یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ امام حسن بن زیاد نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیس رکعات تراویح کو مسنون ہونا ہی روایت کیا ہے۔

وَ الْاَصَحُّ اَنَّهَا سُنَّةٌ كَذَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

(ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۱)

زیادہ صحیح یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح سنت ہے۔ ایسے ہی حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ:- شارح بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

اَنَّ عَدَدَهَا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَ بِهٖ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَ اَحْمَدُ وَ نَقَلَهُ الْقَاضِيْ عَنْ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَ حَكٰى اَنَّ الْاَسْوَدَ بْنَ يَزِيْدَ كَانَ يَقُوْمُ بِاَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً وَ يُوْتِرُ بِسَبْعٍ وَ عِنْدَ مَالِكٍ سِتَّةٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الْوِتْرِ وَ احْتَجَّ عَلٰى ذَالِكَ بِعَمَلِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ احْتَجَّ اَصْحَابُنَا وَ الشَّافِعِيَّةُ وَ احْتَجَّ اَصْحَابُنَا وَ الشَّافِعِيَّةُ وَ الْحَنَابِلَةُ بِمَا رَوَاهُ

تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے، اسی کے قائل ہیں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور قاضی عیاضؒ نے یہی بیس رکعتیں جمہور علماء سے نقل کی ہیں اور بیان کیا ہے کہ اسود بن یزیدؒ چالیس رکعتیں پڑھتے تھے اور سات وتر اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعتیں ہیں وتر کے علاوہ، انہوں نے اس سلسلے میں اہل مدینہ کے عمل سے استدلال کیا ہے اور ہمارے اصحاب اور شوافع اور حنابلہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے بیہقیؒ نے سند صحیح سے صحابی رسول صلی اللہ علیہ

اَلْبَیْهَقِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ الصَّحَابِیُّ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَ عَلٰی عَهْدِ عُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا مِثْلَهٗ.

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۷۸)

وسلم حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں بھی۔

علامہ ابن ہمامؒ:۔ علامہ کمال ابن ہمامؒ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ فِی الْمُوَطَّا عَنْ یَزِیْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَ رَوَی الْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَ الْوِتْرُ قَالَ النَّوَوِیُّ فِی الْخَلَاصَةِ اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ. (فتح القدیر ج ا ص ۳۳۳)

بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے مؤطا امام مالک کی روایات کے مطابق ثابت ہیں، یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تئیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور بیہقی نے معرفہ میں سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے امام نوویؒ نے خلاصہ میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ:۔ علامہ زین العابدین ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں۔

وَ التَّرَاوِیْحُ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً بِعَشْرِ تَسْلِیْمَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِیْ لَیَالِیْ رَمَضَانَ.

(الاشباہ والنظائر ص ۴۷)

تراویح بیس رکعات ہے، دس سلام سے عشاء کے بعد رمضان کی راتوں میں۔

امام ابوالبرکات نسفیؒ:۔ امام ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں۔

وَ سَنَّ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً

رمضان المبارک میں دس سلاموں سے بیس

بِعَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوِتْرِ اَلْخ. (کنز الدقائق ص ۳۶)

رکعتیں عشاء کے بعد وتر سے قبل پڑھنا مسنون ہے۔

کنز الدقائق کی مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری فرماتے ہیں۔

وَ قَوْلُهٗ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً بَيَانُ كَمِّيَتِهَا وَ هُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ لِمَا فِي الْمُوَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ عَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَ غَرْبًا.

(البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶)

صاحب کنز کا قول ''بیس رکعتیں'' تراویح کی مقدار کا بیان ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اس لیے کہ مؤطا امام مالک میں یزید بن رومانؒ سے مروی ہے کہ لوگ (صحابہؓ و تابعینؒ) حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں تیئیس رکعتیں (مع وتر) پڑھا کرتے تھے اور اسی شرقاً و غرباً ہر جگہ کے لوگوں کا عمل ہے۔

امام اوز جندی المعروف بہ قاضی خان:- امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندیؒ المعروف بہ قاضی خان، فتاویٰ قاضی خان میں لکھتے ہیں۔

مِقْدَارُ التَّرَاوِيْحِ عِنْدَ اَصْحَابِنَا وَ الشَّافِعِيِّ مَارَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ قَالَ الْقِيَامُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ لَا يَنْبَغِيْ تَرْكُهَا يُصَلِّيْ لِاَهْلِ كُلِّ مَسْجِدٍ فِيْ مَسْجِدِهِمْ كُلَّ لَيْلَةٍ سِوَى الْوِتْرِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً خَمْسُ تَرْوِيْحَاتٍ بِعَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ يُسَلِّمُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ قَالَ مَالِكٌ اَنْ يُصَلِّيْ سِتًّا وَّ ثَلٰثِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ لِمَارُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَ عَلِيٍّ اَنَّهُمَا كَانَا يُصَلِّيَانِ سِتَّةً وَّ ثَلَاثِيْنَ وَ لَنَا مَارُوِيَ

تراویح کی مقدار ہمارے اصحاب اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہی ہے جو حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ رمضان میں قیام (تراویح پڑھنا) سنت ہے۔ اس کا ترک مناسب نہیں ہر مسجد والوں کے لیے ان کی مسجد میں، ہر رات وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ پانچ ترویحے، دس سلاموں سے، ہر دو رکعات پر سلام پھیرے۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعات کیونکہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ دونوں حضرات چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے اور

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثُمَّ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ بَعْدَهَا خَصَّ الرَّمَضَانَ بِالذِّكْرِ فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ اَرَادَبِهِ التَّرَاوِيْحَ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَ مَارُوِيَ مَالِكٌ وَغَيْرُ مَشْهُوْرٍ.

(فتاوی قاضی خان ج اص ۱۱۰)

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں بیس رکعتیں' اس کے بعد تین رکعات وتر پڑھتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رمضان کو ذکر کے ساتھ خاص کیا' لہذا ظاہر یہی ہے کہ اس سے تراویح کو ہی مراد لیا ہے اور یہی بیس رکعتیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین عظامؒ سے بھی مشہور ہیں اور جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے وہ غیر مشہور ہے۔

علامہ شرنبلالیؒ:- علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالیؒ نے بھی بیس رکعات کو سنت قرار دیتے ہوئے اس کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَ اِنَّمَا ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ بِمُوَاظِبَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مَا عَدَا الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فَفِي الْبُخَارِيْ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ صَدْرٍ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ حِيْنَ جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَقَامَ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ فَكَانَ ذَالِكَ اَوَّلَ اِجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلٰى قَارِئٍ وَّ احِدٍ فِيْ رَمَضَانَ كَمَا فِيْ فَتْحِ الْبَارِيْ وَ بِالْجُمْلَةِ فَهِيَ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بیس رکعتیں' صدیق اکبرؓ کو چھوڑ کر بقیہ خلفائے راشدین (عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) سے بلاترک مستقلا ثابت ہیں' چنانچہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی طرح رہا۔ خلافت صدیقی میں بھی اور ابتدائی دور فاروقی میں بھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے انہیں (صحابہ وتابعین کو) ابی بن کعبؓ پر جمع کیا۔ پس انہوں نے انہیں رمضان میں نماز پڑھائی' یہ رمضان المبارک میں ایک قاری کے پیچھے لوگوں کا پہلا اجتماع تھا جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ خلاصہ کلام یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جسے آپ نے ہمارے لیے متعین فرمایا ہے اور

سَنَّهَا لَنَا وَ نَدَّبَنَا اِلَيْهَا وَ كَيْفَ لَا، وَ قَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ رَوَى اَبُوْ نُعَيْمٍ مِنْ حَدِيْثِ عَرُوْبَةَ الْكِنْدِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَحْدُثُ بَعْدِيْ اَشْيَاءُ فَاَحَبُّهَا اِلَيَّ اَنْ تَلْزِمُوْا مَا اَحْدَثَ عُمَرُ.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۴۶)

نہ ہو؟ جب کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فرما چکے ہیں تم پر لازم پکڑنا ہے میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں اور میرے بعد آئیں گے ان کی سنت کو بھی مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عروبہ کندی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بعد جو کچھ چیزیں پیدا ہوں گی۔ میرے نزدیک ان میں سب سے محبوب وہ ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکالا ہو۔

علامہ حصکفی دمشقیؒ:۔ علامہ محمد بن علی علاء الدین حصکفیؒ صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

وَ هِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً حِكْمَتُهُ مُسَاوَاتُ الْمُكَمِّلِ لِلْمُكَمَّلِ.

(درمختار ج ا ص ۴۷۴)

تراویح بیس رکعتیں ہیں اور بیس کی حکمت یہ ہے کہ مکمل یعنی تراویح مکمل یعنی فرائض مع الوتر کے برابر ہو جائیں[1] (کیونکہ فرائض مع الوتر بھی بیس رکعتیں ہی ہیں)

علامہ ابن عابدین شامیؒ:۔ علامہ محمد امین بن عابدین شامی روالمختار المعروف بہ شامی میں فرماتے ہیں۔

(قَوْلُهُ وَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً) وَ هُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ وَ عَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَ غَرْبًا وَ عَنْ مَالِكٍ سِتٌّ وَ ثَلَاثُوْنَ.

(روالمختار الدر المختار ج ا ص ۴۷۴)

بیس رکعتیں ہی جمہور کا قول ہے اور اسی پر شرقاً و غرباً پوری امت کا عمل ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے چھتیس رکعتیں مروی ہیں۔

اکابر علمائے ہند:۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مرتب شدہ فتاویٰ

---

[1] سنن ونوافل فرائض کے لیے تکمیل کا ذریعہ بنتی ہیں اس لحاظ سے تراویح کو مکمل اور فرائض پنجگانہ کو مکمل کہا۔

عالمگیری، جسے کم وبیش چالیس جلیل القدر علماء کے بورڈ نے مرتب کیا ہے اور جو بہت دنوں تک ہندوستان کی عدالتوں کے لیے مقدمات فیصل کرنے کی بنیاد تھا اور آج بھی کوئی بڑا سے بڑے عالم اس سے مستغنی اور بے نیاز نہیں، اسی فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وَ هِيَ خَمْسُ تَرْوِيْحَاتٍ كُلُّ تَرْوِيْحَةٍ اَرْبَعُ رَكْعَاتٍ بِتَسْلِيْمَتَيْنِ كَذَافِي السَّرَاجِيَةِ. (ج ا ص ۶۰)

تراویح پانچ ترویحے ہیں، ہر ترویحہ چار رکعت کا ہے دو سلاموں سے، ایسے ہی سراجیہ میں ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ:- شارح مشکوٰۃ علامہ ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

وَ الَّذِيْ صَحَّ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (مرقات المفاتیح ج ۲ ص ۱۷۴)

سند صحیح سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین عہد فاروقی میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

وَ فِيْ صَحِيْحَيِ ابْنِ خَزِيْمَةَ وَ ابْنِ حِبَّانَ اَنَّهُ صَلّٰى بِهِمْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَ الْوِتْرَ لٰكِنْ اَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلٰى اَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً. (مرقات ج ۲ ص ۱۷۵)

صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائی[1] لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔

شرح نقایہ میں لکھتے ہیں۔

فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَارَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ اَنَّهُمْ كَانُوْ يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ. (شرح النقایہ ج ا ص ۱۰۴)

پس اجماع ہو گیا، کیونکہ بیہقی میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلافت فاروقی میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے، ایسے ہی خلافت عثمانی اور خلافت علی میں بھی۔

علامہ حلبی:- علامہ محمد بن حلبی کبیری میں فرماتے ہیں۔

---

[1] اسی کتاب کے ص ۲۵۷ پر تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

عُلِمَ مِنْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ اَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِنْدَنَا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً بِعَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ وَهُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُوْرِ وَ عِنْدَ مَالِكٍ سِتَّةٌ وَ ثَلَاثُوْنَ رَكْعَةً اِحْتِجَاجًا بِعَمَلِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ لِلْجُمْهُوْرِ مَارَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ مِثْلِهٖ وَ هٰذَا كَالْاِجْمَاعِ. (کبیری ص ۳۸۸)

اس سے معلوم ہوا کہ تراویح ہمارے نزدیک بیس رکعات ہے۔ دس سلام سے، یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعات ہے اہل مدینہ کے عمل سے حجت پکڑتے ہوئے اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جو بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ سائب بن یزیدؓ سے نقل کی ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات پڑھتے تھے ایسے ہی خلافت عثمانؓ اور خلافت علیؓ میں بھی اور یہ اجماع کے مثل ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی:۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتح المنان بمذہب النعمان میں تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ الْحَلَبِيُّ وَ السِّرُّ فِيْ كَوْنِهَا عِشْرِيْنَ اَنَّ الرَّوَاتِبَ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ عَشَرَةٌ فَضُوْعِفَتْ لِاَنَّهٗ وَقْتُ جِدٍّ وَ تَشْمِيْرٍ كَذَافِي الْمَوَاهِبِ اللُّدْنِيَّهِ وَ لَا يَذْهَبُ عَلَيْكَ اَنَّ تَقْدِيْرَ الْاَعْدَادِ مِنْ غَيْرِ سَنَدٍ مِنْ جَانِبِ الشَّارِعِ لَا يَجُوْزُ مِثْلُ هٰذِهِ النُّكْتَةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا الْحَلَبِيُّ فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ قَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُمْ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً كَمَا جَاءَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاخْتَارَهٗ عُمَرُ.

علامہ حلبیؒ کہتے ہیں کہ بیس رکعات کا راز یہ ہے کہ سنت مؤکدہ مستقلہ دس ہیں لہٰذا انہیں رمضان میں دو گنا کیونکہ رمضان المبارک عبادات میں زیادہ جدوجہد کا وقت ہے، ایسے ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔ اور تمہارے ذہن سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ اعداد کی تعیین بلا سند شارع کی جانب سے محض اس طرح کے نکتہ کی بنیاد پر جائز نہیں، جسے علامہ حلبیؒ نے ذکر کیا ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعات تراویح ثابت ہے جیسا کہ عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے۔ پس اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار فرمایا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی نماز کی تعداد رکعت بلا سند صرف انہیں نکتوں کی وجہ سے مقرر نہیں کی جا سکتی جس کا ذکر بعض علماء کر جاتے ہیں، بلکہ اصل چیز شارع علیہ السلام کی طرف سے تعیین ہے۔ اس تعیین کے بعد اگر کوئی کسی نکتہ کے ذریعہ اس کی حکمت بیان کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی تراویح کی بیس رکعتیں متعین ہونے کی اصل وجہ وہ نہیں جو علامہ حلبیؒ وغیرہ نے نقل کی ہے بلکہ یقیناً صحابہ کرامؓ کے علم میں حضورؐ سے منقول کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی ورنہ وہ حضرات یوں بیس کی تعیین خاموشی سے گوارہ نہ کر لیتے، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی مرفوع روایت میں بیس کا تذکرہ اسی بنیادی حقیقت کا اظہار ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کو اختیار کیا اور سارے صحابہ کرامؓ نے بھی اجماعاً اسے قبول کیا۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی:۔ مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں۔

ثَبَتَ اِهْتِمَامُ الصَّحَابَةِ عَلٰى عِشْرِيْنَ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ فَمَنْ بَعْدَهُمْ اَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَ ابْنُ سَعْدٍ وَ الْبَيْهَقِيُّ وَ غَيْرُهُمْ وَ مَا وَ اظَبَتْ عَلَيْهِ الْخُلَفَاءُ فِعْلًا اَوْ تَشْرِيْفًا اَيْضًا سُنَّةٌ لِحَدِيْثِ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَغَيْرُهٗ. (ج ا ص ۱۷۵)

عہد عمرؓ، عہد عثمانؓ، عہد علیؓ اور اس کے بعد بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیس رکعات پر اہتمام ثابت ہے، اسے امام مالکؒ، ابن سعدؒ اور بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور جس پر خلفائے راشدین نے فعلاً یا قولاً مواظبت کی ہو وہ بھی سنت ہے کیونکہ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔

اسی طرح اپنے مشہور رسالہ تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار کے ص ۲۰۹ پر لکھتے ہیں۔

اَنَّ مَجْمُوْعَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِي التَّرَاوِيْحِ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِاَنَّهٗ مِمَّا وَ اظَبَ عَلَيْهِ الْخُلَفَاءُ وَاِنْ لَّمْ يُوَاظِبْ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ سَبَقَ اَنَّ سُنَّةَ الْخُلَفَاءِ اَيْضًا لَازِمُ الْاِتِّبَاعِ وَ

تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہے اس لیے کہ اس پر خلفاء راشدین نے مداومت کی ہے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت نہیں کی اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے۔ اور اس کا چھوڑ

تَارِکُھَا اٰثِمٌ وَاِنْ کَانَ اِثْمُہٗ دُوْنَ اِثْمِ تَارِکِ السُّنَّۃِ النَّبَوِیَّۃِ فَمَنِ اکْتَفٰی عَلٰی ثَمَانِ رَکْعَاتٍ یَکُوْنُ مُسِیْئًا لِتَرْکِہٖ سُنَّۃَ الْخُلَفَاءِ وَ اِنْ شِئْتَ تَرْتِیْبَہٗ عَلٰی سَبِیْلِ الْقِیَاسِ فَقُلْ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً فِی التَّرَاوِیْحِ مِمَّا وَاظَبَ عَلَیْہِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَ کُلُّ مَا وَاظَبَ عَلَیْہِ الْخُلَفَاءِ سُنَّۃٌ مُؤَکَّدَۃٌ ثُمَّ تَضُمُّہٗ مَعَ اَنَّ کُلَّ سُنَّۃٍ مُؤَکَّدَۃٍ بِاٰثِمِ تَارِکِھَا فَیَنْتِجُ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً بِاٰثِمِ تَارِکِھَا وَ مُقَدِّمَاتُ ھٰذَا الْقِیَاسِ قَدْ اَثْبَتْنَا ھَا فِی الْاُصُوْلِ السَّابِقَۃِ.

نے والا گنہگار ہے۔ اگر چہ اس کا گناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کرنے والے سے کم ہے لہٰذا جو شخص آٹھ رکعت پر اکتفاء کرے وہ برا کام کرنے والا ہے کیونکہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت ترک کر دی۔ اگر تم قیاس کے طریقہ پر اس کی ترتیب چاہو تو یوں کہو۔ ”بیس رکعت تراویح پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنت مؤکدہ ہے لہٰذا بیس رکعت تراویح بھی سنت مؤکدہ ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوگا۔ اس قیاس کے مقدمات ہم اصول سابقہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

(تحفۃ الاخیار ص ۲۰۹)

مولانا عبدالحیؒ صاحب آگے چل کر یہ بھی بتاتے ہیں العشرون متضمن ثمان ایضا (بیس رکعات میں آٹھ رکعات بھی شامل ہیں) لہٰذا اسی کا التزام اجر وثواب کا باعث ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب کہ آٹھ رکعات پڑھنے میں بیس کی بارہ رکعتیں چھوٹ جائیں گی۔

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی فتح المنان بمذہب النعمان کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

فَالظَّاھِرُ اَنَّہٗ قَدْ ثَبَتَ عِنْدَھُمْ صَلٰوۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً کَمَا جَاءَ فِیْ حَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ. (ص ۲۱۱)

ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح بیس رکعات ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے) کے بارے میں مولانا عبدالحی

صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے- ملاحظہ کیجئے مولانا کے اصل الفاظ-

وَ اَمَّا مَا ذَكَرُوْهُ مِنْ اَنَّ رِوَايَةَ عِشْرِيْنَ مُخَالِفَةٌ لِحَدِيْثِ عَائِشَةَؓ مِنْ اَنَّهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَ لَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا ثُمَّ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا ثُمَّ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ فَضَعِيْفٌ عِنْدِيْ اِذْ قَدْ ثَبَتَ مِنَ الرِّوَايَاتِ الْكَثِيْرَةِ عَنْهَا وَ عَنْ غَيْرِهَا اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَدْزَادَ عَلٰى ذَالِكَ فِيْ بَعْضِ الْاَحْيَانِ وَ قَدْ نَقَصَ عَنْهُ اَيْضًا. (ص ۲۱۱)

وہ جو کچھ حضرات نے ذکر کیا ہے کہ بیس والی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت کے مخالف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے- چار رکعت پڑھتے' پھر چار رکعت پڑھتے' پھر تین رکعات وتر پڑھتے -تو یہ حدیث میرے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ بہت سی روایتوں سے' خود حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات اس سے زیادہ بھی پڑھا اور اس سے کم بھی پڑھا ہے-

اس کے بعد اسود بن یزیدؒ سے مروی حضرت عائشہؓ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے ہی حضورؐ کی تیرہ' گیارہ اور نو رکعتوں کا تذکرہ کیا ہے- پھر زید بن خالد جہنیؓ کی تیرہ رکعتوں والی روایت' پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تیرہ والی روایت' ان سب روایتوں کو بخاری' مسلم' ابوداؤد اور موطا امام مالک کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد ترمذی کی وہ روایت نقل کی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نمازیں اکثر تیرہ مع الوتر ہیں اور کم نو مع الوتر ہیں- پھر موطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی وہ روایت نقل کی جس میں حضورؐ کا رات میں تیرہ رکعتیں پڑھنا منقول ہے-

پھر قرطبیؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ انہیں اسباب کی بنا پر بہت سے علماء نے حضرت عائشہؓ کی گیارہ والی روایت کو مضطرب قرار دیا ہے- آخر میں مولانا عبدالحئیؒ صاحب اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں-

فَظَهَرَ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اَنَّ حَدِيْثَ كَانَ لَا يَزِيْدُ اَلَخ لَا يَدُلُّ عَلٰى نَفْيِ الزِّيَادَةِ

ان سب باتوں سے ظاہر ہو گیا کہ کان لا یزید الخ والی حدیث زیادتی کی نفی پر مطلقاً دلالت نہیں

کرتی۔ مُطلقًا۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۱۳)

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ:- بانی دار العلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ تراویح کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''باقی رہی تراویح! اس میں آج کے ملانوں نے تخفیف کر ڈالی ہے یعنی بیس کی آٹھ کر ڈالی ہے' وہ سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وراد ہے' تہجد کی رکعات ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے' تراویح تو بیس ہی رکعت ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ہزار ہا صحابہؓ موجود تھے' اس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نے بیس رکعت میں حجت نہیں کی تھی (خوشی خوشی بیس رکعت پڑھتے تھے) مگر آج کل ایسے اُمی ان پڑھ عالم پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کو بھی غلط کہا۔ سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال! یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے پہلے بیس رکعت پڑھی نہ جاتی تھی' یہ غلط خیال ہے' حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت خاص اہتمام سے پڑھی جانے لگی اس سے یہ کیسے لازم ہوا کہ پہلے بیس رکعت نہ پڑھی جاتی تھیں البتہ اتنے اہتمام اور جماعت کثیر کے ساتھ نہ پڑھی جاتی تھی' الگ الگ متفرق جماعتوں کے ساتھ پڑھی جاتی تھی' حضرت عمرؓ نے سب کو ایک جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کر دیا۔

دیکھیے! پہلے نکاح ثانی کا اتنا اہتمام نہ تھا کیونکہ نکاح ثانی کو اتنا معیوب نہیں سمجھتے تھے جب حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دیکھا کہ لوگ نکاح ثانی کو نہایت معیوب سمجھنے لگے تو اس کا ذکر آپ نے اپنی کتابوں میں کیا اور ان کی اولاد اور شاگردوں نے نکاح ثانی کے اجراء کے لیے کمر کس لی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نکاح ثانی کا طریقہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی ایجاد ہے' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا طریقہ نہیں ہے۔ بس اسی طرح بیس رکعت تراویح کو حضرت عمرؓ اور آپ کے دور کے صحابہ کی ایجاد نہیں بلکہ سنت نبوی ہی سمجھنا چاہیے۔ ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے۔ حضرت عمرؓ سنی نہ تھے' آپ کے دور کے صحابہ بھی سنی نہ تھے۔ تمام نعوذ باللہ بدعتی تھے! آپؐ کی سنت کو محو کر دیا اور اپنی سنت جاری کی۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کو برا سمجھنے والے کون ہیں؟۔''

(تصفیۃ العقائد ص ۳۸ و ۳۹)

حضرت نانوتویؒ کے دوسرے رسالہ لطائف قاسمی میں بھی متعدد مکتوبات موجود ہیں جن میں

بیس رکعات تراویح مسنون ہونے کا ذکر ہے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ:- قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اپنے رسالہ ''الحق الصریح'' میں لکھتے ہیں۔

پس در آخر امر بوبیست وسه معه وتر قرار یافت رواه مالک فی المؤطا بسند صحیح. (ص۱۹)

پس آخر امر میں تیئیس رکعت مع وتر متعین ہوئیں، اسے امام مالکؒ نے مؤطا میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

الحاصل ثبوت بیست رکعت باجماع صحابه در آخر زمان عمر رضی الله تعالی عنه ثابت شده پس سنت باشدو کسیکه از سنیت آں انکار دارد خطاست. (الحق الصریح ص۲۰)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کا ثبوت اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آخر عہد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ثابت شدہ ہے۔ لہٰذا یہی سنت ہے اور جو شخص اس کے سنت ہونے سے انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

اپنے رسالہ الرای النجیح فی عدد رکعات التروایح میں لکھتے ہیں۔

''ابن عباسؓ سے ابن ابی شیبہ نے جو اپنے مصنف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا نقل کیا ہے اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے مگر مؤید ہے آثار صحابہؓ سے کہ اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت پڑھی ہیں اور جمہور تابعین اور فقہاء کا اس پر عمل در آمد ہے جیسا کہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۳۱۴)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ:- محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری العرف الشذی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔

لَمْ يَقُلْ اَحَدٌ مِنَ الْاَئِمَةِ الْاَرْبَعَةِ بِاَقَلَّ مِنْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِي التَّرَاوِيْحِ وَ اِلَيْهِ جُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَ قَالَ مَالِكُ بْنُ

ائمہ رحمۃ اللہ علیہم اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے بیس رکعات سے کم تراویح کا کوئی قائل نہیں، اور اسی طرف جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں۔ لہٰذا امام مالکؒ چھتیس رکعات کے قائل

اَنَسٍ بِسِتَّةٍ وَ ثَلاثِیْنَ رَکْعَةً. (ص ۴۲۹)
ہیں۔

آ گے فرماتے ہیں۔

وَ فَعَلَ الْفَارُوْقِ فَقَدْ تَلَقَّاهُ الْاُمَّةُ بِالْقَبُوْلِ وَ اسْتَقَرَّ اَمْرُ التَّرَاوِیْحِ فِی السُّنَّةِ الثَّانِیَةِ فِیْ عَهْدِ عُمَرَ كَمَا فِیْ تَارِیْخِ الْخُلَفَاءِ وَ تَارِیْخِ ابْنِ اَثِیْرٍ وَ طَبْقَاتِ ابْنِ سَعْدٍ. (ص ۳۳۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کو امت نے قبول کرلیا اور تراویح کا معاملہ خلافت فاروقی کے دوسرے سال مستقل ہوگیا جیسا کہ تاریخ الخلفاء اور تاریخ ابن اثیر اور طبقات ابن سعد میں ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔

اَقُوْلُ اِنَّ سُنَّةَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ اَیْضًا تَكُوْنُ سُنَّةُ الشَّرِیْعَةُ لِمَا فِی الْاُصُوْلِ اَنَّ السُّنَّةَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ وَ سُنَّةُ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ قَدْ صَحَّ فِی الْحَدِیْثِ عَلَیْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ فَیَكُوْنَ فِعْلُ الْفَارُوْقِ الْاَعْظَمِ اَیْضًا سُنَّةً. (العرف الشذی ص ۳۳۰)

میں کہتا ہوں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت بھی سنت شریعت ہے جیسا کہ اصول کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سنت، خلفائے راشدینؓ کی بھی سنت ہوگی اور سنت رسولؐ بھی اور صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنت، جو کہ ہدایت یافتہ ہیں۔ پس فاروق اعظم کا فعل بھی سنت ہوگا۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ:۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بخاری کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ فِی الْمُوَطَّا عَنْ یَزِیْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلٰثٍ وَّ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً وَ فِی الْمُوَطَّا رِوَایَةً بِاِحْدٰی عَشْرَةَ وَ جَمَعَ بَیْنَهُمَا بِاَنَّهُ وَ قَعَ اَوَّلًا ثُمَّ

بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مؤطا امام مالک کی روایت کے مطابق ثابت ہیں۔ یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ و تابعینؒ) حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں تئیس رکعتیں مع وتر پڑھتے تھے اور مؤطا میں گیارہ مع وتر کی روایت بھی ہے دونوں کے اندر اس طرح

اِسۡتَقَرَّ الۡاَمۡرُ عَلَی الۡعِشۡرِیۡنَ فَاِنَّہٗ الۡمُتَوَارِثُ. (حاشیہ بخاری ج۱ ص۱۵۴)

جمع کیا گیا ہے کہ ابتداءً آٹھ رکعتیں رہیں پھر بیس پر معاملہ مستقل ہوگیا اور یہی متوارث ہے۔

مولانا محمد احسن صاحب نانوتویؒ:- مولانا محمد احسن نانوتوی نے حاشیہ کنز الدقائق ص۳۶ پر بیس رکعات تراویح کے مسنون ہونے کو بیہقی وغیرہ کی ان روایات کے ذریعہ ثابت کیا ہے جن کا تذکرہ گزشتہ سطور میں بار بار ہو چکا ہے اور یہ بتاتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت کے ساتھ مواظبۃً نہیں پڑھی، لکھتے ہیں۔

وَ صَلّٰی عُمَرُ بَعۡدَہٗ عِشۡرِیۡنَ وَ وَافَقَہٗ الصَّحَابَۃُ عَلٰی ذَالِکَ. (ص۳۶)

بعدہ حضرت عمرؓ نے بیس پڑھی اور اس میں صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی۔

مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوریؒ:- حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوریؒ بذل المجہود شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں۔

لَمۡ یَقَعۡ فِیۡمَارُوِیَ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَرَاھَا ثَلٰثَ لَیَالٍ عَدَدَ رَکۡعَاتِہٖ بِطَرِیۡقٍ صَحِیۡحٍ وَ لٰکِنۡ وَقَعَ ذِکۡرُ عَدَدِ التَّرَاوِیۡحِ فِیۡمَا صَلَّاھَا بَعۡضُ الصَّحَابَۃُ وَ التَّابِعِیۡنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ فَقَدۡ اَخۡرَجَ الشَّیۡخُ النِّیۡمُوِی عَنۡ یَزِیۡدَ بۡنِ خَصِیۡفَۃَ عَنِ السَّائِبِ قَالَ کَانُوۡا یَقُوۡمُوۡنَ عَلٰی عَھۡدِ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ فِیۡ شَھۡرِ رَمَضَانَ بِعِشۡرِیۡنَ رَکۡعَۃً الخ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین رات تراویح پڑھنے کی جو روایتیں ہیں ان میں صحیح سند سے عدد رکعات کا تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے جو تراویح پڑھی اس میں عدد رکعات کا تذکرہ آیا ہے۔ چنانچہ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔

(بذل المجہود ج۲ ص۳۰۴)

اس کے بعد متعدد روایتیں بیس رکعات تراویح کی نقل کی ہیں جو ہم اسی کتاب کے ص ۲۵۷ ص ۲۶۵ پر نقل کر چکے ہیں۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ:- حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ مسلم شریف کی شرح فتح الملہم

میں رقم طراز ہیں۔

ثُبُوْتُ التَّرَاوِیحِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً فِیْ عَھْدِ الْفَارُوْقِ لَا یُنْکَرُ کَمَارَوِیَ مَالِکٌ فِی الْمُوْطَّا عَنْ یَزِیْدَبْنِ رُوْمَانِ مُرْسِلًا قَالَ کَانَ النَّاسُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ یَقُوْمُوْنَ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً قَالَ ابْنِ اِسْحَاقَ وَ ھٰذَا اَثْبَتَ مَا سَمِعْتُ فِیْ ذَالِکَ وَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّھَا عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً اَیْ بِدُوْنِ الْوِتْرِوَ رَوَیٰ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِیْقِ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَکْتُھُمْ فِیْ رَمَضَانَ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ ثَلَاثِ رَکْعَاتِ الْوِتْرُ وَ فِی الْبَابِ اٰثَارٌ کَثِیْرَۃٌ اَخْرَجَھَا ابْنِ اَبِیْ شَیْبَۃِ وَغَیْرِہٖ قَالَ ابْنِ قُدَامَۃُ وَ ھٰذَا کَمَا الْاِجْمَاعُ وَمَا اَرٰی اَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّہٗ یَجْتَرَاَ عَلَی الْقَوْلِ بِکَوْنِ ھٰؤُلَاءِ السَّادَۃِ مُبْتَدِعِیْنَ (وَ الْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) بَلْ ھٰذَا الْعَمَلُ وَ الْاِخْتِیَارُ مِنْھُمْ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ عِنْدَھُمْ اَصْلًا لِذَالِکَ وَ لَوْ یَنْقُلْ اِلَیْنَا مَرْفُوْعًا بِالْاِسْنَادِ اَصْحِیْحِ وَ قَدْ اَمَرْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْاِھْتِدَابِھِمْ وَ قَالَ

عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ امام مالکؒ نے موطا میں یزید بن رومان سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں (مع وتر) تیئس رکعتیں پڑھتے تھے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس باب میں میں نے جو سنا ہے ان میں یہ روایت سب سے زیادہ مضبوط و محفوظ ہے' اور سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ یعنی وتر کے علاوہ امام محمد بن نصرؒ نے عطاءؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہؓ کو پایا کہ وہ رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور اس باب میں بہت سے آثار ہیں۔ جنہیں ابن ابی شیبہؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ اجماع کی مثل ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ان اکابر ملت و اسلاف کرام (صحابہؓ و تابعینؒ) کو مبتدع کہنے کی جرات کرے گا (العیاذ باللہ) بلکہ بیس رکعت کا ان کا یہ عمل اور اسے اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس بیس کی کوئی اصل ضرور تھی اگرچہ وہ ہم تک صحیح سند سے مرفوعاً نہیں پہنچی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کے طریقہ کو اختیار کریں۔ حضورؐ

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ بَعْدِيْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ مَا اخْتَارَ اَحَدٌ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَتْبُوْعِيْنَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ اَنْقَصَ مِنَ الْعِشْرِيْنَ۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۹۱)

فرماتے ہیں تم پر میری سنت لازم ہے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت جو میرے بعد ہوں گے، اسے خوب مضبوطی سے تھام لینا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ائمہ کرام جن کے طریقوں کی اتباع کی جاتی ہے ان میں سے کسی نے بیس سے کم تراویح اختیار نہیں کی۔

مولانا محمد زکریا صاحبؒ:۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک میں لکھتے ہیں۔

قُلْتُ لَاشَكَّ فِيْ اَنَّ تَحْدِيْدَ التَّرَاوِيْحِ فِيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَمْ يَثْبُتْ مَرْفُوْعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيْقٍ صَحِيْحٍ عَلٰى اُصُوْلِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَ مَا وَرَدَ فِيْهِ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَكَلَّمٌ فِيْهَا عَلٰى اُصُوْلِهِمْ لٰكِنَّ مَعَ هٰذَا لَا يُمْكِنُ الْاِنْكَارُ عَنْ ثُبُوْتِهٖ بِفِعْلِ عُمَرَ وَ سُكُوْتُ الصَّحَابَةِ عَلٰى ذَالِكَ وَ اِجْمَاعِهِمْ عَلٰى قَبُوْلِهٖ بِمَنْزِلَةِ النَّصِّ

اس میں شک نہیں کہ بیس رکعات تراویح کی تحدید حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً محدثین کے اصول پر صحیح طریق سے ثابت نہیں اور اس سلسلے میں جو عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اس میں محدثین کے اصول پر کلام کیا گیا ہے[1] لیکن اس کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ فعل عمرؓ سے اس کا ثبوت ہے اور صحابہ کرام کا اس پر سکوت اختیار کرنا اور بالاجماع اسے قبول کر لینا بمنزلہ نص ہے کہ حدیث ابن عباسؓ کی صحابہ کرام کے نزدیک کوئی اصل ضرور تھی، جو شخص

---

[1] ص ۲۶۵ ص ۲۸۰ پر تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ محدثین کے اصول پر صحیح طریق سے نہ بیس والی روایت ثابت ہے نہ آٹھ والی اور دونوں ہی ضعیف ہیں۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ بیس والی روایت کو ہی تین خلفائے راشدین سمیت تمام صحابہ کرام نے قبول کیا اور آج بھی سواد امت سلف سے متوارثاً اسی پر عامل ہے۔ ائمہ اربعہ میں بھی بیس سے کم کا کوئی قائل نہیں۔ نیز بیس والی روایت کی سند کا ضعف عہد صحابہ کے بعد کا ہے کیونکہ صحابہ کرام کا بیس پر عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیس والی روایت ان کے نزدیک کسی قسم کا ضعف نہیں رکھتی تھی۔ مزید تفصیل انہیں صفحات پر دیکھئے جن کا شروع میں حوالہ دیا گیا۔

عَلٰی اَنَّہٗ لَہٗ اَصْلاً عِنْدَھُمْ فَمَنْ نَظَرَ اِلٰی تَعَامُلِ الصَّحَابَۃِ فِیْ اَمْرِ الشَّرِیْعَۃِ لَا یَشْتَبِہُ فِیْ اَنَّھُمْ اِذَا رَاَوْا مُنْکَرًا اَنْکَرُوْا الْاِنْکَارَ عَلٰی ذَالِکَ وَ ھٰذَا تَقْوِیَۃُ مَعْنٰی لِرِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَدْ ثَبَتَ تَحْدِیْدُ الْعِشْرِیْنَ بِاٰثَارِ الصَّحَابَۃِ الْکَثِیْرَۃِ. (ص/۳۹۷)

امور شریعت میں تعامل صحابہؓ پر نظر ڈالے اس پر یہ بات مشتبہ نہیں رہ سکتی کہ وہ لوگ جب کسی خلاف شریعت کام کو دیکھتے تھے تو اس کا بہت انکار کرتے اور یہ بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے معنی ومفہوم کو تقویت دیتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بہت سے آثار سے بیس رکعات کی تحدید ثابت ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب نے بیس رکعات کے متعلق وہ احادیث وآثار نقل کیے ہیں جن میں سے بیشتر ہم نقل کر چکے ہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ بیس رکعات کے متعلق اس قدر آثار وارد ہوئے ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

وَ الْاٰثَارُ فِی الْبَابِ اَکْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰی. (اوجز ص ۳۹۷)

اس باب میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم قطار وشمار سے باہر ہیں۔

ایک رکیک تاویل:

علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر نے سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ا ص ۱۳۸ پر احادیث نبویہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ (تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت) اور اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ (اقتداء کرو ان لوگوں کی جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر وعمر کی) کے متعلق عجیب عجیب تاویلات کی ہیں مثلاً یہ کہ خلفائے راشدین کی سنت سے مراد ان کا وہ طریقہ ہے جو دشمنوں سے جہاد وغیرہ کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے موافق ہو۔

حالانکہ لفظ ''سنت'' عام ہے۔ خواہ وہ جہاد کے سلسلے کی سنت ہو یا نماز، روزہ حج زکوٰۃ و دیگر ارکان دین وشعائر اسلام کے سلسلے کی سنت لہٰذا حدیث میں مذکور لفظ ''سنت'' سے ایک خاص موقع کی سنت مراد لینا محتاج دلیل ہے۔ اسی طرح یہ سمجھنا کہ خلفائے راشدین حضورؐ کے طریقہ کے خلاف بھی طریقہ اختیار کر سکتے تھے لہٰذا ''سنت خلفائے راشدین'' سے صرف ان کی وہ سنت مراد

ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہو یہ بھی خلفائے راشدین پر بدگمانی اور اتہام ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

جب کہ یہ بھی حقیقت ہے خلفائے اربعہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر (کہ آپ کے زمانہ میں تراویح باجماعت ایک مخصوص نہج پر متعین نہ ہوئی تھی) بقیہ تینوں (عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) بیس رکعات تراویح پر متفق ہیں۔ اس پر مستزاد تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین ائمہ مجتہدین ومحدثین کا اجماعی عمل جو ہے وہ ہے ہی۔ لہٰذا محمد بن اسمٰعیل امیر کا بیس رکعات تراویح کو حضرت عمرؓ کی انفرادی رائے قرار دینا صریح زیادتی ہے۔

پھر اقتداء اور تقلید کو الگ الگ بتانا بھی دوراز کار باتیں ہیں جب کہ اقتداء اور تقلید میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی حقیقت ایک ہے[1]

❀ ❀ ❀

---

[1] اس موضوع پر مفصل بحث راقم الحروف کی زیر ترتیب کتاب تقلید اور فرقہ اہل حدیث میں آرہی ہے۔ جمیل

نماز جنازہ

نماز جنازہ کا طریقہ:

نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں' نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے پہلی تکبیر (اللہ اکبر) کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں پھر ثناء پڑھے۔ ثناء کے بعد دوسری تکبیر کہے بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے' پھر درود شریف پڑھے' وہی درود شریف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے' اس کے بعد تیسری تکبیر کہے بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے۔ پھر میت کیلئے دعاء پڑھے' بالغ ہو تو بالغ کی دعاء۔ نابالغ ہو تو نابالغ کی دعاء لڑکا یا لڑکی کے اعتبار سے۔

(بخاری ج ا ص ۱۷۸' مسلم ج ا ص ۳۰۹' موطا امام محمد ص ۹۷ وغیرہ)

دیگر نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے' اس کے بعد کسی بھی تکبیر کے ساتھ نہیں۔

نماز جنازہ کی مخصوص دعائیں یہ ہیں۔

دعاء بالغ مرد و عورت کے لیے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ. (مسند احمد ج ا ص ۲۹۹' مستدرک حاکم ج ا ص ۳۵۸ وغیرہ)

اے اللہ! بخش دے ہمارے زندوں کو اور مردوں کو اور ہمارے حاضر کو اور غائب کو اور ہمارے چھوٹے اور بڑے کو اور ہمارے مردوں اور عورتوں کو اے اللہ! ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے وفات دے اسے ایمان پر وفات دے۔

نابالغ کے لیے:

نابالغ لڑکے کے لیے یہ دعاء پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ

اے اللہ! اس بچے کو ہمارے لیے پہلے سے پہنچا ہوا ثواب کر دے اور اسے ہمارے لیے ذخیرہ و

مُشَفَّعًا. سبب اجر بنا دے اور اے اللہ اس کو ہمارے لیے شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنا دے۔ (بیہقی وغیرہ)

نابالغ لڑکی کے لیے بھی یہی دعاء پڑھنا ہے بس فرق یہ ہے کہ مذکر کی ضمیروں وصیغوں کو مؤنث سے بدل دینا ہے یعنی اَجْعَلْهُ کو اَجْعَلْهَا اور شَافِعًا و مُشَفَّعًا کی جگہ شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً کہنا ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ؟:

نماز جنازہ صورتاً نماز ہے مثلاً اس کے لیے وضو کرنا ہوتا ہے' تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنی ہوتی ہے' استقبال قبلہ اور ستر عورت شرط ہے' مگر حقیقت میں یہ نماز نہیں بلکہ مردہ کے لیے دعاء اور استغفار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ. (ابوداود ج ۲ ص ۱۰۸/ ابن ماجہ ص ۱۰۹)

جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص کے ساتھ دعاء کرو۔

علامہ ابن قیم حنبلیؒ فرماتے ہیں۔

وَ مَقْصُوْدُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ هُوَ الدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ. (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

نماز جنازہ کا مقصد مردہ کے لیے دعاء ہی کرنا ہے۔

چونکہ نماز جنازہ اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے دعاء ہے نماز نہیں' اس لیے نماز کی طرح اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی ہے اور جن روایتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے وہ سنداً ضعیف ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

وَ يُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اَمَرَ اَنْ يَقْرَاَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ لَا يَصِحُّ اِسْنَادُهُ.

ذکر کیا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

مدونہ کبریٰ میں ہے۔

قُلْتُ لِاِ بْنِ الْقَاسِمِ اَیُّ شَئٍ یُقَالُ عَلَی الْمَیِّتِ فِیْ قَوْلِ مَالِکٍ قَالَ الدُّعَاءُ لِلْمَیِّتِ قُلْتُ فَهَلْ یَقْرأُ عَلَی الْجَنَازَةِ فِیْ قَوْلِ مَالِکٍ قَالَ لَا۔ (ج ا ص ۱۵۸)

میں نے ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردہ پر کیا پڑھا جائے؟ فرمایا مردہ کے لیے دعاء۔ میں نے عرض کیا کہ کیا امام مالک کے قول میں نماز جنازہ میں قرأت ہے؟ فرمایا نہیں۔

چنانچہ ابن وہبؒ نے بہت سے اکابر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت فضالہ بن عبیدؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت وائلہ بن اسقعؓ، اور اکابر تابعین مثلاً قاسم بن محمدؒ، سالم بن عبداللہؒ، سعید بن المسیبؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، یحیٰی بن سعیدؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ اور امام مالکؒ نے بھی اس کے معمول بہا ہونے کا انکار کیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

اور ظاہر ہے کہ قرأت میں سورۂ فاتحہ کی قرأت بھی شامل ہے اور نماز جنازہ میں قرأت نہ ہونے کی اصل وجہ وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ یعنی نماز جنازہ کا حقیقت میں نماز نہ ہونا بلکہ دعاء للمیت ہونا۔ اگر نماز جنازہ اصل میں نماز ہوتی تو اس میں قرأت بھی ہوتی، چونکہ اصل میں یہ نماز نہیں صرف صورتاً نماز ہے اس لیے اس میں قرأت نہیں۔

البتہ سورۂ فاتحہ کے مضامین چونکہ حمد و ثنا اور دعاء پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بلا نیت قرأت صرف حمد و ثناء اور دعاء کے ارادہ سے سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو گنجائش ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ؟:

نماز جنازہ کے لیے ضروری ہے کہ میت، جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے موجود ہو، لیکن اگر میت سامنے موجود نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں حبشہ کے نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ پر قیاس صحیح نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور کئی ایسے وجوہ موجود ہیں جو اسے ایک مخصوص واقعہ قرار دیتے ہیں مثلاً یہی کہ بہت سے اکابر صحابہؓ کی وفات یا شہادت کے واقعات پیش آئے اور بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر بھی ہوئی، مگر آپؐ نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہ

پڑھی مثلاً قراء صحابہ میں حضرت خبیبؓ کی شہادت' جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب تھے ان کی شہادت کی اطلاع حضرت جبرئیل علیہ اسلام کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی مگر آپ نے نہ خود غائبانہ نماز جنازہ پڑھی نہ صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہی پڑھ لیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وفات وشہادت کے واقعات پیش آئے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ان چاروں سے بڑھ کر کون تھا؟ مگر کہیں پر بھی ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی' حالانکہ سارے صحابہؓ جنازہ کے وقت موجود نہ تھے' بہت سے غیر حاضر اور غیر موجود بھی تھے مگر غیر موجود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اطلاع ملنے پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کی خاص وجہ یہ ہے کہ نجاشی کی میت بطور معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دی گئی تھی اور درمیانی حجابات اٹھا دیئے گئے تھے' جیسا کہ معراج سے واپسی کے بعد کفار کے سوالات پر بیت المقدس حضورؐ کے سامنے کر دیا گیا اور حجابات اٹھا دیئے گئے (تمہید لابن عبدالبر) اور ظاہر ہے کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی کہ نظروں سے اوجھل چیز' بطور معجزہ نظروں کے سامنے آ گئی۔

جنازہ میں شریک صحابہ کرامؓ کو بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ جنازہ حضورؐ کے سامنے موجود ہے چنانچہ حضرت عمرانؓ بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخَاكُمُ النَّجَاشِيَّ قَدْمَاتَ فَصَلُّوْا عَلَيْهِ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَكَبَّرَ عَلَيْهِ اَرْبَعًا وَ مَا نَحْسِبُ الْجَنَازَةَ اِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ. (ابن حبان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے' اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ پس ہم حضورؐ کے پیچھے صف لگا کر کھڑے ہو گئے حضورؐ نے چار تکبیریں کہیں اور ہم یہی گمان کرتے تھے کہ جنازہ حضورؐ کے سامنے ہے۔

مسند ابی عوانہ میں ہے۔

فَصَلَّيْنَا خَلْفَهٗ وَ نَحْنُ لَا نَرٰى اِلَّا اَنَّ الْجَنَازَةَ قَدِ امَنَا.

ہم نے حضورؐ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی اور یہی سمجھتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ؟:

نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةَ فِي الْمَسْجِدِ فَلَیْسَ لَهُ شَیْئٌ.

(ابن ماجہ ص ۱۱۰ ابوداود ج ۲ ص ۱۰۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

(یعنی نہ نماز ہوئی نہ اجر وثواب ملا)

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۰ پر اس حدیث کی تصحیح وتوثیق کی ہے اور لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور عادت مبارکہ خارج مسجد نماز جنازہ پڑھنے کی تھی۔

نوافل

تہجد:

نماز تہجد ادا کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف مختلف تھی، کبھی آپؐ نے چار رکعتیں پڑھیں، کبھی چھ، کبھی آٹھ، کبھی دس۔ لیکن اکثر معمول آٹھ رکعت کا تھا۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۹۳، بخاری ج ا ص ۱۵۴، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۲)

خواہ دو دو رکعتیں پڑھی جائیں یا چار چار ہر طرح جائز ہے، لیکن مستحب دو دو رکعت ہے۔ (ترمذی ج ا ص ۵۸) نماز تہجد کا وقت عشاء کے بعد ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آدھی رات گزرنے کے بعد پڑھے، مسنون طریقہ یہ ہے کہ عشاء پڑھ کر سو رہے، پھر اٹھ کر تہجد ادا کرے، تہجد پڑھنے کی صورت میں تین رکعات وتر بھی تہجد کے ساتھ ہی ادا کرنا سنت ہے (بخاری ج ا ص ۱۵۴، مسلم ج ا ص ۲۵۸) لیکن اگر وتر عشاء کے ساتھ ادا کر چکا ہو تو اب تہجد کے ساتھ دوبارہ نہ پڑھے۔ کیونکہ ایک ہی رات میں دوبار وتر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی ج ا ص ۶۲)

چاشت:

نماز چاشت (ضحیٰ) دو، چار، آٹھ، بارہ ہر طرح مروی ہیں، نماز چاشت کا وقت سورج میں گرمی آجانے کے بعد زوال سے قبل ہے۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۱۵ باب صلوٰۃ الضحیٰ وطبرانی وغیرہ)

اوابین:

اوابین چھ رکعات ہے نماز مغرب کے بعد دو دو رکعات پڑھی جائیں۔ (ترمذی ج ا ص ۵۸)

صلوٰۃ التسبیح:

صلوٰۃ التسبیح چار رکعات ہے ایک سلام سے ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھنا چاہیے۔

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعات کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ ثنا پڑھنے کے بعد پندرہ مرتبہ مذکورہ بالا تسبیح پڑھے، پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھے اس کے بعد دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے، پھر رکوع کرے، رکوع میں یہی تسبیح دس بار، پھر قومہ

میں دس بار' پھر دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان دس دس بار پڑھے' ایک رکعت ہو گئی' دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے پندرہ مرتبہ اور سورۂ فاتحہ وسورہ پڑھ کر دس مرتبہ پھر پہلی رکعت کی طرح بقیہ مقامات میں دس دس مرتبہ اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت بھی پڑھنی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ ثناء کے بعد یہ تسبیح نہ پڑھے بلکہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ کے بعد پندرہ مرتبہ پھر رکوع' قومہ' دونوں سجدہ و جلسہ میں دس دس مرتبہ اور دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر دس مرتبہ' اسی طرح دوسری رکعت میں بھی التحیات کے بعد دس مرتبہ اور ایسے ہی تیسری میں دوسرا سجدہ کر کے بیٹھ کر دس مرتبہ اور چوتھی رکعت میں درود شریف کے بعد دس مرتبہ۔

یہ دونوں طریقے ترمذی ج اص ۶۳ وص ۶۴ پر موجود ہیں جس کا جی چاہے جس طرح پڑھے ہر رکعت میں پچھتر (۷۵) مرتبہ ہونی چاہئیں اور چاروں رکعتوں میں تین سو مرتبہ۔

تحیۃ المسجد:

یہ نماز اس شخص کے لیے مسنون ہے جو مسجد میں داخل ہو' مسجد میں آنے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنی ہے بشرطیکہ کوئی مکروہ و ممنوع وقت نہ ہو۔ (مسلم ج اص ۲۴۸)

تحیۃ الوضو:

تحیۃ الوضو دو رکعت ہے وضو کرنے کے بعد پڑھنی ہے۔ (مسلم ج اص ۱۲۰' نسائی ج اص ۳۶)

نماز حاجت:

جس شخص کو کوئی ضرورت پیش آئے خواہ دینی ہو یا دنیاوی' اسے چاہیے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر کے درود شریف پڑھے' پھر یہ دعاء پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَ الْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا	اللہ حلیم و کریم کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پاک ہے اللہ کی ذات جو کہ عرش عظیم کا رب ہے۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو سارے عالم کا پالنے والا ہے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت کو واجب کرنے' اور تیری بخشش کو لازم کرنے والی چیزوں کا اور ہر نیکی سے حصہ اور ہر

اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَ لَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَ لَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

گناہ سے سلامتی کا۔ اے اللہ! کسی گناہ کو بخشے بغیر' کسی غم کو دور کیے بغیر اور کوئی حاجت جو تیری رضا کا سبب ہو' پورا کیے بغیر نہ چھوڑ۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

(ترمذی ج ۱ ص ۶۳' ابن ماجہ ص ۱۰۰)

نماز استخارہ:

اگر کوئی کام پیش آ جائے مگر اس کے کرنے یا نہ کرنے میں تردد ہو اور فیصلہ نہ کر سکے کہ اسے کروں یا نہ کروں' یا ابھی کروں یا کچھ دن بعد۔ تو دو رکعت نماز استخارہ پڑھے پھر یہ دعاء پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ مَعَاشِيْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِيْ وَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَ اٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَ يَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ مَعَاشِيْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِيْ وَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَ اٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَ اصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ.

اے اللہ! میں تیرے علم کی مدد سے تجھ سے بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت کی مدد سے طاقت مانگتا ہوں۔ اور تیرے بڑے فضل کا سوال کرتا ہوں بے شک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو جانتا ہے میں نہیں جانتا' تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اس جگہ کام کا نام لے مثلاً ھذا البیع یہ خرید و فروخت یا ھذا النکاح یہ نکاح وغیرہ وغیرہ) میرے لیے بہتر ہے میرے دین اور میری زندگی اور میرے انجام کار میں اور میری دنیا اور آخرت میں تو اسے میری قدرت میں دے دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے پھر اس میں میرے لیے برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام برا ہے میرے لیے میرے دین' میری زندگی' میرے انجام کار اور میری دنیا و آخرت میں تو اس کو مجھ سے پھیر دے۔ اور میرے لیے بھلائی مہیا کر دے' جہاں کہیں ہو پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر دے۔

(ترمذی ج ۱ ص ۶۳' ابن ماجہ ص ۹۹)

پھر جس طرف رجحان پیدا ہو وہ کام کرے۔

نماز توبہ:

اگر کسی سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہے۔ (ترمذی ج ا ص ۵۴ ابن ماجہ ص ۱۰۱)

ارشاد ربانی ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ وَ مَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا۔

(آل عمران/۱۳۵و۱۳۶)

اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں، پس اللہ کو یاد کرتے ہوئے اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں۔ اور گناہوں کو اللہ کے سوا کون معاف کر سکتا ہے؟! اور کیے پر جان بوجھ کر ڈٹے نہیں رہے، وہی لوگ ہیں کہ ان کی جزاء مغفرت ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سفر میں جاتے وقت اور واپس آنے پر دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ (مسلم ج ا ص ۲۴۸ و طبرانی)

نماز احرام:

حج کا احرام باندھتے وقت دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۲۶۲)

نماز قتل:

اگر کوئی مسلمان قتل کیا جا رہا ہو تو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور توبہ و استغفار کرے۔ (مشکوٰۃ)

نماز کسوف و خسوف:

سورج گرہن کو کسوف اور چاند گرہن کو خسوف کہتے ہیں، دونوں کے لیے دو دو رکعت مسنون ہے۔ اور دونوں کے ہی پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے۔

(آثار السنن ج ۲ ص ۱۱۱، بخاری ج ا ص ۱۴۱، ابوداؤد ج ا ص ۱۸۵)

نماز کسوف جامع مسجد میں باجماعت پڑھی جائے، لمبی سری قرأت کے ساتھ (مسند احمد)

اور نماز خسوف تنہا تنہا اپنے گھر پڑھنا ہے- دونوں نمازوں کے بعد دعاء مانگی جائے' نماز کسوف میں امام دعاء مانگے بقیہ لوگ آمین کہیں اور خسوف میں تنہا تنہا دعاء مانگیں جیسے نماز تنہا تنہا پڑھی ہے-

آندھی' مصیبت یا رنج وغم کے وقت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ اگر آندھی آتی یا کوئی اور مصیبت و پریشانی ہوتی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے- (ابوداؤد ج ا ص ۱۸۵)

استسقاء:

استسقاء یعنی طلب باراں کے لیے نماز مخصوص نہیں' نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے اور یوں ہی دعاء و استغفار بھی کیا جا سکتا ہے- بلکہ ایسے موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کرنا ہی زیادہ مروی ہے- (بخاری ج ا ص ۱۳۶' مسلم ج ا ص ۲۹۳) حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی صرف دعاء و استغفار مروی ہے- (بخاری ج ا ص ۱۳۷' بذل ج ۲ ص ۲۱۲)

قرآن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے-

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا. (نوح/ ۹و۱۰)	اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو' بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے' چھوڑ دے گا تم پر آسمان کی دھاریں-

اگر نماز پڑھنی ہو تو نماز کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا حاکم یا امام مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آبادی کے باہر آئے' تواضع و انکساری کے ساتھ' کفار ساتھ میں نہ ہوں- اور امام دو رکعت نماز پڑھائے اور جہری قرأت کرے اور نماز عید کی طرح خطبہ بھی دے اور استغفار کرے اور استسقاء کی دعائیں پڑھے- مثلاً یہ دعاء-

اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَ بَهِيْمَتَكَ وَ انْشُرْ رَحْمَتَكَ وَ اَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۶۲' موطا امام مالک ص ۱۷۲)	اے اللہ! سیراب کر اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو اور پھیلا دے اپنی رحمت اور زندہ کر اپنے مردہ شہر کو-

اور امام اپنی چادر یا رومال کو پلٹے نہ کہ مقتدی- چادر پلٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوپر کے حصہ کو اندر کر دے اور اندر کے حصہ کو اوپر- (ابوداؤد ج ا ص ۱۸۰)

نماز خوف

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں' میدان جنگ میں عین لڑائی کے وقت بھی نماز پڑھنی ہے۔ البتہ اس کا طریقہ بدلا ہوا ہے' وہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج کے دو حصے ہو جائیں ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلے پر کھڑا ہو جائے اور جو حصہ پہلے سے دشمن کے مقابلہ پر کھڑا تھا وہ آ کر امام کے ساتھ بقیہ آدھی نماز پڑھے' پھر امام سلام پھیر دے گا اور دونوں جماعتیں اپنی اپنی باقی ماندہ نماز الگ الگ پوری کریں گے اور اس دوران ہتھیار بھی لیے رہیں گے تا کہ نماز میں مصروف دیکھ کر دشمن حملہ نہ کر دے۔ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً.

(نساء/۱۰۲)

اور جب آپ ان میں موجود ہوں' پس ان کے لیے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ ان میں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہے اور اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہے پس جب یہ سجدہ کر لیں تو آپ کے پاس سے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی' وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار لیے رہے' کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی حملہ کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ۔

غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَ اَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کیا' جب ہم دشمن کے مقابلے میں صف بستہ کھڑے ہوئے تو (نماز کا وقت آنے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پس ایک جماعت حضورؐ کے ساتھ

الْعَدُوِّ فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهُ وَ سَجَدَ سَجْدَ تَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاؤُا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَ سَجَدَ سَجْدَ تَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَ تَيْنِ.

(بخاری ج ا ص ۱۲۸)

کھڑی ہوئی اور ایک دشمن کے مقابلے پر ڈٹی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والی جماعت کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کیے، پھر یہ لوگ پہلی جماعت کی جگہ دشمن کے مقابلے پر چلے گئے اور وہ جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی تھی آئی آپؐ نے اس کے ساتھ (دوسری رکعت کا) رکوع کیا اور دو سجدے کیے پھر (تشہد وغیرہ کے بعد) سلام پھیر دیا، پس ان میں سے ہر ایک جماعت نے رکوع اور دو سجدے کر کے اپنی اپنی (ایک اور) رکعت پوری کی۔

یہ ایک ایک رکعت پڑھانے کا تذکرہ اس صورت میں ہے جب امام اور مقتدی سب کے سب مسافر ہوں اور چار رکعات یا دو رکعات والی نماز ہو، اور اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو، دو رکعت پڑھائے گا۔ اور مغرب کی نماز پہلی جماعت کو دو رکعات، اور دوسری کو ایک رکعت پڑھائے۔

اگر اس طرح بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اور گھمسان کی جنگ جاری ہو تو بلا جماعت تنہا تنہا نماز پڑھی جائے گی، پیدل، سوار جو جس حالت میں ہو اسی طرح پڑھے، قبلہ کی طرف رخ ہو سکے تو قبلہ کی طرف کرے، ورنہ جدھر رخ ہو سکے اسی طرح رخ کر کے پڑھ لے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا. (بقرہ/۲۳۹) پس اگر تم ڈرو تو پیادہ پڑھ لو یا سوار ہو کر۔

نماز کے متفرق مسائل

بیٹھ کر نماز پڑھنا:

قیام پر قدرت رکھنے کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں - اور نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے مگر ثواب آدھا ملے گا' حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے-

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا فَقَالَ اِنْ صَلّٰی قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَ مَنْ صَلّٰی قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ.

(بخاری ج ا ص ۱۵۰ موطا امام مالک ص ۱۴۸ عن انسؓ)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا' آپؐ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو یہ زیادہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے گا' اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کا آدھا ثواب ملے گا-

جن نوافل کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیٹھ کر پڑھتے تھے' وہ حضورؐ کی خصوصیت تھی' حضورؐ کو پوری نماز کا ثواب ملتا تھا' مگر ہم بیٹھ کر پڑھیں گے تو آدھا ثواب ملے گا-

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں-

حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ فَاَتَيْتُهٗ يُصَلِّیْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِیْ عَلٰی رَاْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَ قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ وَ اَنْتَ تُصَلِّیْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَ لٰكِنِّیْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ.

(ابوداؤد ج ا ص ۱۵۳)

مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز کا ثواب رکھتی ہے- پس حضورؐ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں- میں نے اپنا ہاتھ حضورؐ کے سر پر رکھ دیا' حضورؐ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمروؓ! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز کا ثواب رکھتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں- آپؐ نے فرمایا ہاں! لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں (یعنی مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی پورا ثواب ملتا ہے)

جس نے رکوع پالیا، رکعت پالی:

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوۃَ وَ الْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ. (ترمذی ج۱ص۷۶)

جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہی کرے جو امام کر رہا ہے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا اِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وِ لْاِمَامُ سَاجِدًا فَلْیَسْجُدْ وَ لَا تُجْزِئُه تِلْکَ الرَّکْعَة اِذَا فَاتَهُ الرُّکُوْعُ مَعَ الْاِمَامِ. (حوالہ مذکورہ)

اہل علم کے نزدیک عمل اسی حدیث پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کو سجدہ میں پائے اسے چاہیے کہ وہ بھی سجدہ میں چلا جائے، لیکن اگر امام کے ساتھ رکوع نہ پا سکا تو وہ رکعت اس کے لیے کافی نہ ہوگی۔

ابوداؤد شریف میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَ نَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَ لَا تَعُدُّوْهَا شَیْئًا وَ مَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَةَ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ. (ج۱ص۱۲۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہمیں سجدہ میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ لیکن اسے کچھ شمار نہ کرنا۔ اور جس نے رکوع پا لیا اس نے نماز پا لی۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں۔

اَلَّذِیْ عَلَیْهِ الْجُمْهُوْرُ اَنَّه اِذَا اَدْرَکَ الْاِمَامَ قَبْلَ اَنْ یَرْفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ وَ رَکَعَ مَعَهٗ فَهُوَ مُدْرِکٌ لِلرَّکْعَةِ وَ لَیْسَ عَلَیْهِ قَضَاءُ هَا.

جمہور کا قول یہ ہے کہ اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے کوئی شخص امام کو رکوع میں پا جائے تو اس نے رکعت پالی اور اس پر اس رکعت کی قضا نہیں ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج۱ص۱۵۸)

مزید احادیث و آثار کے لیے دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ۔ (ج۱ص۲۴۳، کتاب الآثار امام

مجمع ج ا ص ۳۴۷-)

دار قطنی میں ہے-

مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ اَدْرَکَهَا قَبْلَ اَنْ یُقِیْمَ صُلْبَهٗ. (ج ا ص ۱۳۲)

جس نے نماز کا رکوع پالیا' امام کے اپنی پیٹھ سیدھی کرنے سے پہلے' پس اس نے وہ رکعت پالی-

جمع بین الصلوٰتین:

دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کی تین صورتیں ہیں-

جمع تقلیمی:- ظہر اور عصر دونوں کو ظہر کے وقت میں یا مغرب اور عشاء دونوں کو مغرب کے وقت میں ادا کرنا-

جمع تاخیری:- ظہر اور عصر دونوں کو عصر کے وقت میں یا مغرب اور عشاء دونوں کو عشاء کے وقت میں ادا کرنا-

جمع صوری:- ظہر و عصر اور مغرب و عشاء میں سے ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا لیکن پہلی نماز کو مسنون وقت کے بجائے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو مستحب وقت کے بجائے بالکل اول وقت میں ادا کرنا- لہٰذا دیکھنے والا سمجھے گا کہ اس نے عصر اور ظہر کو ایک وقت میں اور مغرب و عشاء کو ایک وقت میں ادا کیا ہے؟ حالانکہ ایسا نہیں' بلکہ ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئی ہے یہ صورتاً جمع ہے حقیقتاً جمع نہیں-

میدان عرفات میں ظہر اور عصر کو جمع تقدیمی کے ساتھ اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع تاخیری کے ساتھ ادا کرنا بالاجماع واجب ہے- (نسائی ج ا ص ۱۰۰)

ان دو مقامات کے علاوہ جمع تقدیمی تاخیری کی کوئی صورت جائز نہیں- ہاں البتہ سفر میں جمع صوری کی اجازت ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث کریمہ سے ثابت ہوتا ہے-

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِی السَّفَرِ یُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَ یُقَدِّمُ الْعَصْرَ یُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَ یُقَدِّمُ الْعِشَاءَ. (مسند احمد طحاوی ج ا ص ۱۰۸ مستدرک حاکم آثار السنن ج ۲ ص ۶۳)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے' مغرب کو مؤخر کرتے اور عشاء کو مقدم کرتے تھے-

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَزَلَ غُيُوْبَ الشَّفَقِ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَجَّلَ بِهٖ اَمْرٌ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِىْ صَنَعْتُ.

(ابوداؤد ج اص ۱۸۷، دار قطنی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ شفق کے غائب ہونے کے وقت قیام کیا - پس مغرب پڑھی، پھر انتظار کیا، یہاں تک کہ شفق کے غائب ہوگئی، تو عشاء پڑھی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کوئی جلدی کا معاملہ پیش آ جاتا تو یہی کرتے جو میں نے کیا ہے-

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہی روایت بخاری ج ا ص ۲۲۸ کتاب المناسک سے بھی جمع صوری کی ہی اجازت ملتی ہے نہ کہ جمع تقدیمی یا جمع تاخیری کی- کیونکہ ہر نماز کا ایک وقت مقرر ہے- لہٰذا اس کو اسی کے وقت میں ادا کرنا ہے، نہ پہلے ادا کرنا ہے نہ بعد میں-

قَالَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اِنَّ لِلصَّلٰوةِ وَقْتًا كَوَقْتِ الْحَجِّ. (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۲)

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا نماز کا ایک وقت ہے حج کے وقت کی طرح-

ارشاد ربانی ہے-

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا. (نساء/۱۰۳)

بے شک نماز مومنوں پر ایک وقت مقررہ میں فرض کی گئی ہے-

لہٰذا وقت سے پہلے پڑھی ہوئی نماز نہ ادا ہوگی نہ قضا- اور وقت کے بعد والی نماز ادا نہ ہوگی، البتہ قضا کہلائے گی لہٰذا ادا کے لیے ضروری ہے کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ہو- نیز ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت ۲۳۸، سورۂ ماعون آیت ۵، اوران دونوں آیتوں کی تفسیر، تفسیر ابن کثیر ج اص ۲۱۸ وج ۳ ص ۶۸۱-

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِى النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِى الْيَقْظَةِ اَنْ تُؤَخِّرَ صَلٰوةً حَتّٰى يَدْخُلَ وَقْتُ اُخْرٰى. (ابوداؤد ج اص ۶۹، طحاوی ج اص ۸۱)

ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نیند میں کوتاہی نہیں، کوتاہی اور گناہ بیداری میں ہے کہ آدمی نماز کو مؤخر کرے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے-

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مرتبہ ابوشعشاع" تابعی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتاتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَّ سَبْعًا جَمِيْعًا قُلْتُ يَا اَبَا الشَّعْشَاءِ اَظُنُّهُ اَخَّرَ الظُّهْرَ وَ عَجَّلَ الْعَصْرَ وَ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَ عَجَّلَ الْعِشَاءَ قَالَ وَ اَنَا اَظُنُّ ذَالِكَ. (مسلم ج۱ص ۲۴۶)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، آٹھ رکعت ایک ساتھ اور سات رکعت ایک ساتھ۔ اے ابوالشعشاعؒ! میرا خیال ہے کہ آپؐ نے ظہر کو موخر کیا اور عصر کو مقدم کیا اور مغرب کو موخر اور عشاء کو مقدم کیا۔ ابوالشعشاع" نے کہا میرا خیال بھی یہی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تمام گورنروں کو یہ حکم بھیجا تھا کہ جمع بین الصلوٰتین نہ کریں کیونکہ۔

اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِىْ وَقْتٍ وَاحِدٍ كَبِيْرَةٌ مِنَ الْكَبَائِرِ.

ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (موطا امام محمد ص ۱۳۲)

سنت فجر کے بعد لیٹنا؟:

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں تہجد اور وتر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ فجر کا وقت آ جاتا۔ پھر فجر کی دو رکعت سنت ادا کرتے لیکن ابھی چونکہ جماعت میں وقت زیادہ باقی رہتا اور لوگوں کے آنے کا انتظار رہتا اس لیے رات کو جاگنے اور عبادت میں مصروف رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام کے لیے تھوڑی دیر لیٹ جایا کرتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ نہیں لیٹے بلکہ حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتے رہے۔

بخاری شریف میں حضورؐ کے یہ دونوں معمول بن کیے گئے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ. (بخاری ج۱ص ۱۵۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعتیں پڑھ چکتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے-

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا صَلّٰی فَاِنْ کُنْتُ مُسْتَیْقِظَۃً حَدَّثَنِیْ وَاِلَّا اضْطَجَعَ حَتّٰی یُؤَذَّنَ بِالصَّلٰوۃِ. (حوالہ مذکورہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکتے اور میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ لیٹ جاتے یہاں تک کہ نماز کے لیے اذان دی جاتی-

امام بخاریؒ نے اس حدیث کا باب یوں قائم کیا ہے-

بَابُ مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّکْعَتَیْنِ وَ لَمْ یَضْطَجِعْ.

دو رکعت کے بعد گفتگو کرنے اور نہ لیٹنے کا بیان-

ویسے احادیث اس میں مختلف ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنت فجر سے پہلے لیٹتے تھے یا بعد میں دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں (اوجز ج ا ص ۴۱۴) مگر اس طرح لیٹنے کا کیا مقصد تھا' حضرت عائشہؓ ہی اسے بھی بیان فرماتی ہیں-

اِنَّ عَائِشَةَ کَانَ تَقُوْلُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَضْطَجِعْ لِسُنَّۃٍ وَ لٰکِنَّہٗ کَانَ یَدْاَبُ مِنَ التَّعَبِ لِیَقُوْمَ لِلصُّبْحِ بِنَشَاطٍ. (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۳ بذل ج ۲ ص ۲۶۱ و فتح ج ۲ ص ۲۸۹)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سنت کی وجہ سے نہیں لیٹتے تھے بلکہ وہ تکان سے آرام حاصل کرتے تھے کہ صبح کی نماز نشاط کے ساتھ ادا کر سکیں-

گویا جو شخص' رات تہجد و نوافل وغیرہ میں گزارے اور صبح صادق ہو جائے تو سنت فجر پڑھ کر اس طرح لیٹ سکتا ہے تا کہ جسم کو کچھ آرام مل جائے اور نماز فجر کے لیے پورا نشاط حاصل رہے- لیکن یہ نہیں کہ رات بھر آرام سے خراٹے لیتے رہے اور فجر کے وقت اٹھے' وضو کیا دو رکعت سنت پڑھی اور یکا یک زمین پر لیٹ گئے' کس لیے؟ سنت پر عمل کرنے کے لیے؟ حالانکہ سنت پر عمل اس وقت ہو گا جب ہم بھی رات کو اٹھ کر تہجد وغیرہ پڑھیں اور اسی حال میں صبح صادق کر دیں- لہٰذا سنت پڑھ کر جماعت کھڑی ہونے سے پہلے بدن کو آرام دینے اور نماز فجر میں چستی اور نشاط پیدا کرنے کے لیے لیٹ جائیں- مگر صورت حال یہ ہے کہ محنت والا کام ہوتا نہیں' اور آرام کرنے کے لیے سنت کا نام لے کر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں- یعنی میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو

والا معاملہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے بدعت کہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۹) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس کے قائل نہیں۔ اور مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اسے ضجعۃ الشیطان (شیطان کی لیٹ) قرار دیا ہے۔ (کتاب مذکور ج ۲ ص ۲۴۸)

مقدار تشہد کے بعد حدث:

نماز میں خروج بصنعہ فرض ہے۔ یعنی قعدۂ ''اخیرہ'' میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کسی اپنے فعل سے نماز سے نکلنا فرض ہے۔ اور سلام کے ذریعہ نکلنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث کریمہ میں مقدار تشہد کے بعد بغیر سلام کسی اور طریقے سے بھی نماز سے نکلنے پر نماز کی تمامیت کا حکم لگایا گیا ہے۔

مثلاً ابوداؤد شریف میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَى الْاِمَامُ الصَّلٰوةَ وَ قَعَدَ فَاَحْدَثَ قَبْلَ اَنْ يَّتَكَلَّمَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ وَ مَنْ كَانَ خَلْفَهٗ مِمَّنْ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ. (ج ا ص ۱۰۷)

عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام نماز پوری کر لے اور قعدہ میں بیٹھ جائے، پھر حدث کر دے قبل اس کے کہ کلام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اس شخص کی بھی نماز مکمل ہوگئی جس نے اس کے پیچھے پوری نماز پڑھی۔

اس حدیث میں امام کے حدث کر دینے (بالقصد وضو توڑ دینے پر) امام اور مقتدیوں کی نماز کے تمام ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، حالانکہ امام لفظ ''سلام'' سے سلام پھیر کر نماز سے نہیں نکلا۔ معلوم ہوا کہ لفظ سلام فرض نہیں، خروج بصنعہ فرض ہے۔

اس قسم کی احادیث ابوداؤد شریف کے علاوہ ترمذی، بیہقی، دارقطنی اور طحاوی وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی۔

ایک روایت میں قبل ان یسلم (سلام پھیرنے سے پہلے) کے الفاظ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

اِذَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ ثُمَّ اَحْدَثَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُہٗ. (دار قطنی ص ۱۴۵ وغیرہ)

جب تشہد کی مقدار بیٹھ جائے پھر حدث کر دے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

لیکن یہ شخص بالقصد ایسا کرنے پر گہنگار رہوگا کیونکہ اس نے نماز جیسی مہتم بالشان عبادت کو اس کے مخصوص طریقہ کے خلاف ختم کیا' اور سلام جو واجب تھا' اس کا بھی بالقصد ترک کیا۔ لہٰذا یہ نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ حدیث میں جس تمامیت کا ذکر ہے وہ فرضیت کی تمامیت ہے۔ لیکن ترک واجب کی وجہ سے وجوب کی تمامیت باقی رہ جائے گی۔ جس کی تکمیل بلا اعادۂ نماز ممکن نہ ہوگی۔ اور گناہ جو ہوگا وہ الگ ہے۔

قومہ و جلسہ کی دعائیں صرف نوافل کے لیے:

بعض احادیث کریمہ میں افتتاح نماز' قومہ' جلسہ اور رکوع و سجود کے لیے مخصوص دعائیں منقول ہیں' وہ دعائیں نوافل میں پڑھی جائیں گی۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت بھی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَ جْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ. (نسائی ج ۱ ص ۱۴۳)

محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل کے لیے کھڑے ہوتے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر یہ دعاء پڑھتے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ۔

کیونکہ نوافل' آدمی تنہا پڑھتا ہے لہٰذا جتنا چاہے طول دے۔ لیکن فرائض جماعت کے ساتھ پڑھنا ہیں لہٰذا مقتدیوں کے حال کی رعایت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دعاؤں کے پڑھنے سے نماز لمبی ہو جائے' مقتدیوں کو اکتاہٹ یا گھبراہٹ ہو' بوڑھوں اور مریضوں کو پریشانی لاحق ہونے لگے' کوئی آدمی اپنا کوئی خاص کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہو' نماز لمبی ہونے کی وجہ سے الجھن پیدا ہونے لگے' ان سب باتوں کی رعایت امام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ہاں! تنہا پڑھنا ہو فرض ہو یا نفل تو جتنا چاہے طول دے۔

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَ السَّقِيمَ وَ الْكَبِيرَ وَ اِذَا صَلّٰى احدكم لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ.

(بخاری ج ۱ ص ۹۷، مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی، لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بھی ہوں گے۔ بیمار بھی اور بوڑھے بھی۔ البتہ اگر تنہا پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔

(۲) عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَا تَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَوْعِظَةٍ اَشَدُّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَا صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَ الْكَبِيْرَ وَ ذَالْحَاجَةِ.

(حوالہ مذکورہ)

ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں صبح کی نماز میں فلاں کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں، وہ نماز بہت لمبی کر دیتا ہے۔ ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس شخص کی یہ بات سن کر حضورؐ اتنے غصہ ہوئے کہ وعظ و نصیحت کے موقع پر میں نے کبھی آپ کو اتنا غضب ناک نہیں دیکھا تھا، پھر آپؐ نے فرمایا تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسرے لوگوں کو نماز سے متنفر کرتے ہیں، سن لو! جو دوسروں کو نماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بوڑھے ضرورت والے سبھی طرح کے لوگ ہوں گے۔

(۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَطُّ اَخَفَّ وَ لَا اَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (حوالہ مذکورہ)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی مگر مکمل نماز کسی امام کے پیچھے کبھی نہیں پڑھی۔

(۴) عثمان ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ۔

اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ. (مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

جب تم لوگوں کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔

(۵) عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کا حکم دیتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۳۲) جو چیزیں نماز کی تمامیت کے قبیل سے ہیں ظاہر ہے کہ انہیں امام ادا کرے گا ہی اس میں تخفیف کی کہاں گنجائش، ہاں! جو چیزیں اس قبیل سے نہیں اس میں تخفیف کی گنجائش ہے۔ قومہ

جلسہ وغیرہ کی مخصوص دعاؤں کا یہی حال ہے کہ ان پر نماز کی تمامیت اور اکملیت منحصر نہیں' بلکہ اس سے نماز لمبی ہو جاتی ہے جس سے مقتدیوں کو دشواریاں ہوتی ہیں' لہٰذا تنہا پڑھنے والا اگر چاہے تو ان دعاؤں کو پڑھے خواہ فرض پڑھتا ہو یا نفل' لیکن امام نہ پڑھے۔

البتہ اگر کوئی امام اپنے مقتدیوں کا حال جانتا ہو کہ وہ لمبی نماز کو ہی پسند کرتے ہیں اور انہیں کوئی اکتاہٹ یا گھبراہٹ نہیں ہوتی - اور مقتدیوں میں کوئی بیمار کمزور یا باہر کا آدمی بھی شریک نہیں- اس صورت میں امام ان دعاؤں کو پڑھ سکتا ہے- اور ان میں سے کوئی بھی شخص ہو تو مقتدیوں کے حالات کی رعایت بہر حال امام پر لازم ہے- وہ فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کا خیال کر کے نماز ضرور پڑھائے مگر مستحبات کی رعایت اس قدر نہ کرنے لگے کہ لوگوں کو نماز یا جماعت سے ہی متنفر کر دے- (الکوکب الدری ج ۱ ص ۱۳۳' فتح الملہم ج ۲ ص ۳۸)

نماز میں آیتوں کا جواب:

اگر امام' نماز میں کوئی ایسی سورت یا آیت پڑھے' جس کا مضمون استفسار و سوال کا ہو' ان آیات کا جواب' نماز میں نہ امام دے گا نہ مقتدی بلکہ خاموشی سے امام کی قرأت سنتا رہے- ہاں! اگر نماز کے باہر تلاوت کرے یا کسی کی تلاوت کو سنے اور اس طرح کی آیات گزریں اور ان کا معنی و مفہوم سمجھے تو ان کا جواب دینا چاہیے' اور جواب کیسے دے اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص والتین والزیتون پڑھے اور یہاں تک پہنچے-

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ. کیا اللہ تعالیٰ حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں؟-

تو یوں کہے-

بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ. کیوں نہیں' اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں-

اور لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ پڑھے اور یہاں تک پہنچے-

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِیَ الْمَوْتٰى. کیا اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟-

تو کہے- بَلٰى کیوں نہیں' بلا شبہ قادر ہے-

اور جو والمرسلات پڑھے اور یہاں تک پہنچے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ. پھر کس بات پر اس کے بعد وہ ایمان لائیں گے؟

تو کہے۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ. ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (ابوداؤد' ترمذی' مشکوٰۃ ج اص ۸۱)

اس حدیث میں کہیں پر بھی یہ نہیں بیان کیا گیا کہ جب یہ آیتیں نماز میں گزریں تو ان کا مذکورہ طریقہ سے جواب دیا جائے۔ بلکہ ان کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ خارج نماز تلاوت وغیرہ میں ان آیتوں کے آنے پر جواب دیا جائے۔ اور یہ کیسے نہ ہو جب کہ نماز میں آیتوں کا جواب دینے پر نماز میں ضرورت سے زیادہ تطویل ہوگی۔ اور ان احادیث کریمہ کی مخالفت لازم آئے گی جن میں امام پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ کمزور ضعیف اور حاجت والے مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے نماز پڑھائے اور مقتدیوں کے لیے گرانی کا سبب نہ بنے کیونکہ جب آیات کا جواب دینے کی باری آئے گی تو امام جواب دیئے بغیر آگے قرأت شروع نہ کر سکے گا' نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز لمبی ہو گئی اور مقتدیوں کو دشواری لاحق ہوگی۔ اس کے علاوہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے۔ (مرقات ج اص ۵۳۷)

ایک دوسری حدیث میں خارج نماز ہونا اور بھی واضح ہو گیا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَاَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى اٰخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَاْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قَالُوْا لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صحابہ کرامؓ کے سامنے تشریف لائے' پس انہیں سورہ رحمٰن اول سے آخر تک سنائی صحابہ کرامؓ خاموش رہے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے یہ سورہ لیلۃ الجن میں جنات کو سنائی تھی' وہ لوگ جواب دینے میں تم سے زیادہ اچھے تھے۔ میں جب جب فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ[1] پر آتا تو وہ لوگ کہتے لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ نہیں اے ہمارے

---

[1] ''ترجمہ'' اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ.　　پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلائیں گے ٗپس تیرے ہی لیے ساری تعریفیں ہیں۔　(ترمذی، مشکوۃ ج اص ۸۱)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خارج نماز، سورہ رحمٰن پڑھنا اور فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ پر جواب چاہنا صاف ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسی انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو بھی سورہ رحمٰن پڑھ کر سنائی تھی اور انہوں نے جواب دیا تھا۔

(دیکھئے الکوکب الدری ص ۱۳۲، مرقات المفاتیح ج اص ۵۳۶)